

جلد اول / دوم
(مکمل)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَخَلِّهِمْ

حَقِيقَةُ الْوَسْطَاءِ

یعنی

مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ

ثقة الاسلام صدر المحققين شاعران

الحاج علامہ محمد بشیر انصاری اعلیٰ اللہ مقامہ
(فاتح ٹیکسلا)

مدیریت اسلام آباد



پبلیکیشنز گلبرگ

MOBILE: 0333-33 60 786

بیت اللہ



تیسری جگہ معلم صاحب نے اپنے عقیدہ کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:-

”ان بیانات شافیہ سے یہ امر پائیدار ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اعجاز نمائی کو کوئی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جو معجز نما میں ہر وقت موجود رہتی ہو جس کی بنا پر بالاستقلال یا باذن اللہ ہر وقت معجز نما معجزہ پیش کر سکے۔ بلکہ حسب ضرورت و مصلحت ہر وقت ظہور معجزہ خدا کے قادر قیوم اپنی قدرت کاملہ سے معجزہ کا اظہار معجز نما کے ذریعہ کر دیتا ہے۔“ (اصول الشریعہ)

چوتھی جگہ معلمین صاحبان اپنے عقیدہ کو سو قیامہ طریقہ پر یوں اظہار فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

”ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ معجزہ میں تکرار اور تعدد ضروری نہیں ہے پس جب نبی و امام اپنے دعوے کے اثبات پر معجزہ دکھادیں اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ لازم نہیں کہ ہر وقت مختلف لوگوں کی خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا کر اپنی بزرگ نبوت و امامت کو ثبات خانہ و عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔“ (اصول الشریعہ ص ۱۳۳)

پانچویں جگہ مولف صاحب اپنے عقیدہ کو جو شش تحریر میں یوں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

”یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر ہمیشہ معجزہ نمائی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ پیغمبر بھی (فی حد ذاتہ) بشر اور عاجز ہے اور معجزہ فعل خدا ہے جو پیغمبر کو اس کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے عطا کرتا ہے لہذا معجزہ نمائی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے (اصول الشریعہ ص ۱۳۴)

چھٹی جگہ مولف صاحب اپنے عقیدہ کے ثبوت میں اس طرح قلم کو گردش دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

”باوجودیکہ دین کے معاملہ میں پیغمبر اتنا بے بس ہے کہ اس کو جب تک وحی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لب پر نہیں لاتا۔ و ما ینتطق عن الہوی۔ جو فضیلت ان کو اس نبوت و رسالت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔“ (اصول الشریعہ ص ۱۳۴)

مکھی چھپر اور نبی و امام

اگرچہ مولف صاحب کی پیش کردہ عبارات کے بعد میں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں مگر عوام کی تسلی و تشفی کے لئے تحریر کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنا عقیدہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ نبی و امام میں معجزہ کی طاقت و قوت نہیں ہے عاجز اور بے بس بشر ہے خدا جب چاہتا ہے اپنا فضل ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا اگر خدا چاہے تو یہی کام ایک چھپرے بھی لے سکتا ہے۔ بلکہ وہ قادر قیوم چاہے حقیر مخلوق کے ذریعہ نظام عالم چلا سکتا ہے۔

ان لوگوں نے نبی و امام کی معجز نمائی کو ایک ناقابل توجہ امر قرار دیا ہے کیونکہ ان کی نظر میں یہ کوئی فضیلت ہی نہیں ہے یہ کام تو ایک چھپر اور مسکتی بھی کر سکتا ہے اور نظام عالم بھی چلا سکتا ہے بلکہ یہ تو انسان جن ایک چھپر بھی معجزات دکھا سکتا ہے اور تدبیر عالم کر سکتا ہے۔ لہذا جس طرح چھپرے یا مسکتی یا چھپر کی کوئی کمال فانی نہیں ہے وہ

عاجز دے بس ہے۔ اسی طرح نبی و امام بھی اس کمال ذاتی سے محروم اور بے بس و عاجز ہے۔ کیونکہ نوع بشر ہے اور اس میں یہ کمال ذاتی نہیں ہوتا ہے۔ یعنی انبیاء و ائمہ علیہم السلام اگر کتنے ہی بلند مرتبہ اور کتنے ہی اعلیٰ و اشرف ہوں مگر نوع بشر ہیں؛ اور پھر کتنا ہی ضعیف و حقیر سہی لیکن کام دے سکتے ہیں دونوں برابر ہیں جیسے پتھر میں کوئی ذاتی استعداد و قابلیت ان کا مولیٰ کی انجام دہی کی نہیں ہے اسی طرح کوئی قابلیت و استعداد ان حضرات میں بھی نہیں ہے۔ ہاں حکم خدا سے پتھر بھی وہی کام دے سکتا ہے جو یہ حضرات دے سکتے ہیں اور وہ قادر و قیوم حقیر سے حقیر مخلوق کے ذریعہ نظام عالم چلا سکتا ہے۔ بلکہ تیسری جگہ تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ باذن اللہ بھی مجبور نہیں دکھا سکتے کیونکہ ان میں قوت مجبورہ ہی نہیں۔ جب موانیان اہلبیت کو ان لوگوں کی یہ ہرزہ سرفرازی ناگوار خاطر ہوئی اور اہلبیت ظاہرین اور انبیاء معصومین کی یہ توہین برداشت نہ کر سکے تو ان لوگوں کی شان میں قصیدہ خوانی شروع ہو گئی اور ہر مجلس اور ہر جلسہ بلکہ ہر محفل میں نفرت کے یہ دیوانے شروع ہوئے۔ لگے۔ تو ان لوگوں کا فرض تھا کہ اس غلطی کی تلافی کرتے مگر بجائے اعتراز گناہ کے اپنی سوء سریرہ اور خبیث باطن کا یہ ثبوت دیا کہ قرآن میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) منکفی اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو (معاذ اللہ) منکفی ثابت کرنے پر پل پڑے، اور غیر مذہب کو شیعیان حیدر کرار کا مذاق اڑانے کا مواد فراہم کر دیا۔ چنانچہ کئی مقام پر علمائے مخالفین نے ان کی اس عبارت کو مجمع علم میں پیش کر کے شیعوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا ان لوگوں کو شیعیت سے خارج کرنا ضروری تھی لازمی ہے۔ ہم ان کی یہ یادہ گوئی ان کی کتاب اصول الشریعہ ص ۲۷ سے پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

آیت مبارک: ان الله لا يستحي ان يعرض بكم فضله فما فخرها۔

”خدا اس بات سے حیا نہیں کرتا کہ وہ تم پر اس سے بڑی مخلوق کی مثال دے۔“ اس کی تفسیر میں مفسر قمی لکھتے ہیں: البعضه امير المؤمنين وما فوقها من رسول الله۔

تفسیر قمی ص ۱۳ طبع ایران — اصول الشریعہ ص ۲۷

ناظرین کرام ذرا انصاف کیجئے کہ مؤلف صاحب نے تفسیر قمی سے اپنی ہٹ دھرمی ثابت کرنے کے لئے حوالہ تلاش کیا اور امیر المومنین کو پتھر اور رسول اللہ کو مکھی بنا دیا کیونکہ خدا فوق تھا کی تفسیر مکھی سے کی گئی ہے جو پتھر سے بڑی مخلوق ہے۔ پہلے تو ان لوگوں نے ان حضرات کو عدم قابلیت مجبورہ میں پتھر کے برابر بنایا تھا پھر نہیں کہا تھا۔ مگر موانیان اہلبیت کی نفرت اور ناراضگی کا یہ اثر ہوا کہ ان حضرات کو پتھر سے تشبیہ دینے کی بجائے پتھر اور مکھی بنا ڈالا۔ ان لوگوں کو یہ جسارت و جرات اس لئے ہوئی کہ اگر شیعوں نے بائیکاٹ کر دیا تو ان کا کیا کارڈ ہو سکتا ہے تو شیعیان اور شیعہ موجود ہیں، زمین کے سر پہ موجود ہیں، ٹیوب و پیل سہہ ہیں، بڑی بڑی تھوک کی تجارتیں ہو رہی ہیں۔ لہذا اگر عارفان ولایت اہلبیت کی توجہ ہٹ جائے گی تو سادہ لوح کم علم شیعہ تو چھٹے ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے زمیندار اور رئیس بھی ہیں اور پارٹی بن چکے ہیں۔

مؤلف نے فضیلت اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں میں کیڑے نکالنے کے لئے کتنی ہنگام دد کی ہے

اور کتنے احتمالات پیش کئے۔ اور آخرین کہہ دیا ہے کہ اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آگیا تو فضیلت البیت کا استدلال باطل ہو گیا۔

مگر پھر اور کتنی باتیں کہنے میں ان کو کوئی تاویل اور کوئی کیڑا نظر نہیں آیا۔ اس کی کوئی رد ان کی علمی طاقت اور نظری وسعت میں نہیں آئی۔ حالانکہ اس کی رد خود آئمہ معصومین علیہم السلام نے فرمائی ہے اور اسی آیت کی تفسیر میں موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کی اس تفصیل البیت کا جواب کلام معصوم سے دیتے ہیں تاکہ کوئی ناجہبی ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے دامن پر داغ لگا کر بغلیں نہ بچائے اور غیر مذہب لوگ شیعوں کو ذلیل کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

عن الباقر علیہ السلام قیل للباقر فان بعض من ینتحل موا لا تشکرینم ان البعوضۃ علی وان ما فوقھا وهو الذباب محمد رسول اللہ فقال الباقر سمع ہؤلاء شیئاً لم یضعوا علی وجہہ ان کان رسول اللہ قاعد اذا تہییم ہو وعلی اذا سمع یقاتل یقول ما شاء اللہ وشاء محمد وسمع اخر یقول ما شاء اللہ وشاء محمد وسمع اخر یقول ما شاء اللہ وشاء علی فقال رسول اللہ تقرنوا محمد وعلی باللہ عزوجل ولکن قولوا ان شاء اللہ ثم شاء محمد ثم شاء علی ان مشیۃ اللہ فی القاهرۃ التی لا تساوٰی ولا تکفی ولا تدلی وما محمد رسول اللہ فی اللہ وفی قدرۃ الاکذ بابہ تطیر فی ہذہ المسالک الواسعۃ وما علی فی اللہ وقد مرتہ الا کبعوضۃ فی جملۃ ہذہ المسالک مع ان فضل اللہ علی محمد وعلی هو الفضل الذی لا یغیی بہ فضلہ علی جمیع خلقہ من اول الدھر الی اخرہ ہذا ما قال رسول اللہ فی ذکر الذباب والبعوضۃ فی ہذا المكان فلا یدخل فی قولہ ان اللہ لا ینکح ان یتصوب مثلاً ما بعوضۃ (تفسیر البرہان ص ۳۷)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا گیا کہ کچھ لوگ آپ حضرات کی محبت کا بھی اظہار کرتے ہیں اور یہ زعم باطل رکھتے ہیں کہ محمدؐ وعلیؑ ہیں اور علیؑ و محمدؐ ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے سنا کچھ تھا اور پھر اس کو تبدیل کر کے کچھ اور بنا دیا ہے درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا اور علی ابن ابی طالبؑ تشریف فرما تھے۔ تو انہوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے جو خدا چاہے اور محمدؐ چاہیں اور دوسرا آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ جو خدا چاہے اور علیؑ چاہیں۔ اس وقت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم لوگ محمدؐ وعلیؑ کو خدا کے برابر نہ کرو۔ ہاں یوں کہو کہ اگر خدا چاہے پھر محمدؐ چاہے

پھر علی چاہے کیونکہ خطی مشیت سب پر غالب ہے۔ اس کی برابری اور اس کی ہمسری اور اس کا مقابلہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ خدا اور اس کی قدرت کے مقابلہ میں محمدؐ ایک مکھی کی مثال ہے جو وسیع فضاؤں میں اڑتی پھرتی ہے۔ اور اسی طرح خدا کی ذات اور اس کی قدرت کے مقابلہ میں علیؑ ایک چمچ کی مثال ہیں جو ان ہی فضاؤں میں اڑتا پھرتا ہے۔ حالانکہ محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کی ذات وہ ہے کہ جن کو خداوند عالم نے وہ فضل عطا کیا ہے کہ اول دہر سے لے کر آخر دہر تک تمام خلائق کا فضل مل کر بھی ان کے فضل کی برابری نہیں کر سکتا یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب جو اس خاص موقع پر خاص آدمیوں کے لئے مخصوص تھا لہذا اس کا قطعاً کوئی تعلق اس آیت سے نہیں ہے جو خداوند عالم نے قرآن میں نازل کی ہے کہ خدا اس بات سے جیسا نہیں کرتا کہ وہ محمدؐ یا مکتبی کی مثال دے۔“ (تفسیر البرہان ۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے کس وضاحت کے ساتھ اس تنقیصِ اہلبیت کا دفاع فرمایا ہے اور کس واضح طریقہ سے حقیقت واقعہ سے پردہ ہٹایا ہے۔ اور تنقیصِ اہلبیت کرنے والوں کی نالائقی اور ناہنجی کا کس حکیمانہ انداز میں انکشاف کیا ہے اور یہ بھی واضح طور پر بتادیا ہے کہ یہ واقعہ غالیوں کی رو کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ ہم پر عیب لگانے والے وہی ہیں جو ہماری محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے ناہنجی مؤلف صاحب اور یہ بھی صاف طور پر بتادیا ہے کہ اس آیت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس آیت کو ہم سے کوئی ربط ہے۔ اب مولف صاحب کے بھرپور علمی اور دعوتی فن ترانی کا مقصد بھی آشکار ہو گیا کہ جہاں تنقیصِ اہلبیت کے دفاع کا موقع آتا ہے وہاں یہ لوگ اپنی تہی دستی اور تنگ دامن کی عملی ثبوت دیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں فضیلتِ اہلبیت کا معاملہ نظر آتا ہے اس کی رو میں اور اس کے غلط ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اپنے اسلحہ خانہ اجتہاد کے تمام ہتھیار لے کر میدان میں اترتے ہیں اور تمام ناہنجانہ ہتھکنڈے بروئے کار لانے میں کوئی حیا و شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ یہ تنقیص و توہینِ اہلبیت علیہم السلام کسی خاص سیکم کے تحت معلوم ہوتی ہے جس کا عنقریب بھانڈا اچھوٹے والا ہے۔ اگر کوئی صحیح العقل ان کے دامنِ نزویر و فریب میں پھنسا ہوا ہے تو اس انکشاف کے بعد یقیناً اپنے دامن کو اس خارزار سے چھڑانا پڑے گا۔

مولف کے معلومات محدود ہیں یہ لوگ مسائلِ خمس و زکوٰۃ میں فرق ہیں ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ان کی نصیحت کے لئے کافی تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب خداوند عالم نے فرمایا تھا کہ اے موسیٰ تم مقامِ مناجات میں کوہ طور پر اپنے ہمراہ کسی مکروہ مخلوق کو لے کر آؤ۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے کیسے قابلِ نفرت لوگوں پر نگاہ ڈالی مگر پھر بھی ساتھ نہ لے گئے۔ اور بارگاہِ الہی میں عرض کی پروردگار ا

میں ہی تیرا مکروہ مخلوق بندہ ہوں۔

تو کیا مولف صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان ہی کلمات سے یاد کریں گے اور معاذ اللہ ان کو ایسا ہی قرار دیں گے؟ تو یہ تو یہ۔

لیکن جب ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام دربار فرعون میں تشریف لے گئے تو پھر یہ الفاظ فرعون کے سامنے نہیں ادا کئے بلکہ وہاں فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور تجھے باطل طریقے سے بٹانے اور راجہ حق دکھانے آیا ہوں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے جو معروضات بارگاہِ خداوندی میں اس کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ظاہر ہوتے ہیں وہ مخلوقات کے ساتھ قیاس نہیں کئے جاسکتے۔ یہ حضرات خدا کے حضور میں خود اپنی زبان سے عرض کر سکتے ہیں کہ میں بڑے بس تیرا بندہ ہوں میں تیرا عاجز بندہ ہوں میں تیرا محتاج بندہ ہوں میں تیرا گنہگار بندہ ہوں کیونکہ تیری شان کے مطابق مجھ سے تیری عبادت نہیں ہو سکی۔ تیری شان غیر محدود ہے میری عبادت محدود ہے اس لئے میں اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہوں۔“

لیکن ان کے معروضات کو لے کر یہ ڈھنڈورہ نہیں بیٹھا جاسکتا کہ یہ تو بے بس اور عاجز اور محتاج اور گنہگار بندے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنے تجربہ علمی کا یہ ثبوت پیش کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

”امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے جلا جہاد امام حسین علیہ السلام کو مثل گو سفندِ قربانی فزع

کیا گیا ہے اس میں امام حسین علیہ السلام کو ذنب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (اصول الشریعہ ص ۱۲)

مولف صاحب! امام حسین علیہ السلام کے ذبح کی مثال ذنبِ فزع کرنے سے دی گئی ہے کہ اس بے دردی سے فزع کیا ہے جس طرح ذنب کو فزع کیا جاتا ہے۔ ذات والا صفات حضرت امام حسین علیہ السلام کو ذنب ہرگز نہیں کہا گیا ہے۔ مگر آپ تو حضرت علی مرتضیٰ کو چمچہ اور حضرت رسول خدا کو کھنٹی قرار دے رہے ہیں اور اب امام مظلوم کو ذنب سے تشبیہ دے رہے ہیں کیا یہ ناصبیوں کا کردار نہیں ہے؟

”بہیں تفاوت رہ از کجاست تابجا“

اس کے بعد پھر مولف صاحب نے حضرت خاتونِ قیامت سیدۃ عالمین مظلومہ کو نین ام الحسن و الحسین سلام اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی کی ہے اور اصول الشریعہ ص ۱۲ پر لکھتے ہیں:

”کہ جناب سیدۃ نے اپنے بالمقابل ناقہ صالح اور حسین شریفین کے بالمقابل ناقہ مذکورہ کے بچہ کا ذکر فرمایا ہے۔“

مولف صاحب جناب سیدۃ عالم نے ہرگز اپنی ذات کو ناقہ صالح کا بالمقابل اور حسین شریفین کو ناقہ کے بچے کے بالمقابل نہیں فرمایا ہے۔ یہ بالکل کذب و افتراء بلکہ بکواس ہے۔

یہ آپ کی کس قدر جسارت ہے کہ جناب سیدۃ کا مقابل اونٹنی کو بنایا جا رہا ہے اور امام حسن و امام حسین

علیہما السلام کو اودھنی کے پچھ کا مقابل بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنی اور حسین علیہما السلام کی مصیبت اور مظلومیت کا تذکرہ اس وقت کیا ہے جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی گردن میں سی ڈال کر لے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے بن بٹ رسولؐ اور ان کے ساتھ دوشیزا دے جن کی عمریں چھ سات سال کی تھیں، روتے پیٹتے مگر سے باہر نکلے اور بنی نے اپنے شوہر پر اور بچوں نے اپنے بابا پر یہ ظلم دیکھا تو بنی نے چیخیں مار کر کہا اے لوگو ابوالحسن کو چھوڑ دو میرے عم زاد کو چھوڑ دو ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول کر فریاد کروں گی اور تم پر عذاب الہی نازل ہو جائے گا جس طرح حضرت صالح کی اودھنی اور اس کے پچھ پر ظلم کیا گیا تھا تو عذاب نازل ہو گیا تھا۔ وہ ہم سے زیادہ خدا کے پیارے نہیں تھے کہ ان پر ظلم ہوا تو خدا نے عذاب نازل کر دیا اور ہم دُعائے بدر کریں تو عذاب نازل نہ ہو۔ بنی نے کہا کہ چھوڑ دو ابوالحسن کو ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ یہ کہنا تھا کہ مسجد کی فصیلیں جو بالکل پست تھیں زمین سے اٹھ گئیں اور اتنی بلند ہو گئیں کہ ایک طرف کا آدمی دوسریوں کے دوسری طرف نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور زمین اور دیواروں کے درمیان میں خلا واقع ہو گیا۔ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے الفاظ یہ ہیں۔

فما صالحکم بالکرم علی اللہ من ابی ولا الناقۃ بالکرم منی ولا العفصیل بالکرم علی اللہ من ولدی۔ (احتجاج طبرسی ص ۱۲)

”یعنی حضرت صالح میرے بابا رسول اللہ صلعم سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم نہیں تھے۔ اور نہ ناقہ صالح مجھ سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم ہے اور نہ اُس کا پچھ میرے بیٹوں سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم ہے۔“

جناب سیدہ نے ہرگز ہر کو ناقہ صالح کو اپنے مقابل نہیں بنایا ہے اور نہ حسین کو بچہ کے مقابل بنایا ہے۔ بلکہ درگاہ خداوندی میں اپنے پدر بزرگوار اور اپنی ذات اور اپنے بیٹوں کو صالح پیغمبر اور ناقہ اور اس کے بچہ سے افضل و اعلاٰ اور اکرم و بزرگ قرار دیا ہے نہ کہ ان کے مقابل قرار دیا ہے۔ مولف صاحب کو ناصبیوں کی طرح توہین الہییت میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں۔

شدم نہیں آئی کہ بنی کو ناقہ صالح کا مقابل اور شہزادوں کو بچہ ناقہ کا مقابل خود اپنے قلم سے

تحریر کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مولف صاحب نے اسیران الہییت اور امام زین العابدین علیہ السلام کی اسیری کا ذکر کرتے ہوئے ترک و دہلم اور غلامان زنج کی طرح ان کے قید کرنے کا ذکر کیا ہے اور بیمار کو بلا اور اسیران الہییت کو ترک و دہلم اور غلاموں سے تشبیہ دی ہے۔ مگر یہاں بھی مظلومیت اور بے چارگی میں ترک و دہلم سے مثال دی گئی ہے نہ کہ ان کے ذوات مقدسہ اور ترک و دہلم اور غلامان زنج ایک شان کے ہیں بلکہ مظلومیت کی مثال دی گئی ہے مگر مؤلف صاحب نے تو معاذ اللہ ان حضرات کو عدم قابلیت میں چھڑ دیکھی سے تشبیہ دی ہے اور اصول

الشریعہ ما پر پھر اور بھی بنا ڈالا ہے۔

مؤلف صاحب نے کافی تلاش کے بعد اپنی پھر دلی تحریر کے ثبوت میں ایک روایت تحریر کی ہے جو مقطوع السند ہے۔ سلسلہ روایت کا کوئی تہہ نہیں ہے اور گفتگو کرنے والا بھی مخالف اہلبیت عمر بن فرج ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام پر طعنہ زنی کر رہا ہے کہ آپ کے شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا امام دریائے دجلہ میں جو کچھ ہے اس کو اور اس کے وزن کو بھی جانتا ہے اور ہم تو دریائے دجلہ کے کنارہ پر ہیں دیکھیں علم نہیں ہے۔ تو جو شخص کو رسول و دروہو اس کو کیسے پتہ لگ سکتا ہے، امام نے اس پر حجت قائم کرنے کے لئے ایسا سوال کیا کہ عجوبہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کیا خدا اس پر قادر ہے کہ اپنے مخلوقات میں سے کسی پھر کو اس کا علم پتہ کر دے، یا قادر نہیں ہے؟ عمر بن فرج کہتا ہے ہاں قادر ہے۔ جب اس نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنی بزرگی میں پھر اور اس کے مخلوقات سے زیادہ افضل ہوں۔ (مدینۃ المعاجز ص ۷)

یہ ہے مقطوع السند ایک مخالف اہلبیت کی اپنی گفتگو جس سے مؤلف نے استدلال پیش کیا ہے اور اپنی پھر دلی ہرزہ سرائی کا ثبوت دیا ہے اور اس پر کوئی اپنا اجتہادی تبصرہ بھی نہیں کیا ہے کیونکہ تقیہ اہلبیت ان کے ایمان کا جزو و اعظم ہے اس لئے اس گفتگو میں کسی احتمال کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو اخبار آحاد میں سے بھی نہیں ہے کہ اس کو عقیدہ بنایا جائے بلکہ ایک مخالف اہلبیت کی امام محمد باقر علیہ السلام پر طعنہ زنی کا جواب ہے۔

نیز اس گفتگو کا راوی ہی کوئی نہیں ہے جس نے عمر بن فرج اور امام کی گفتگو سنی ہو۔ بلکہ خود عمر بن فرج مخالف اہلبیت ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ اے ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام، تمہارے شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تم اتنے بڑے عالم ہو کہ وزن و جلد اور مایہا کا علم رکھتے ہو۔ اور پھر امام پر طعنہ زنی بھی کرتا ہے کہ ہم ساحل و جلہ کے باشندے ہیں مگر ہم نہیں جانتے تو تمہیں کیسے علم ہو سکتا ہے۔ پھر امام علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ میں اس کا علم نہیں رکھتا ہوں اور نہ شیعوں کے اس عقیدہ کی رد فرماتے ہیں کہ امام کو وزن و جلد وغیرہ کا علم ہے بلکہ پہلے اس سے خدا کی قدرت منباتے ہیں کہ خدا اپنے مخلوقات میں سے کسی پھر کو یہ علم تفویض کر دے تو اس پر قادر ہے یا نہیں یعنی آپ اس مخالف سے خدا کی قدرت منکر تسلیم کرنا چاہتے ہیں کہ مجھے یہ علم تفویض کرنے پر خدا قادر ہے۔ چنانچہ اُسے تسلیم کرنا پڑا اور آپ نے تصدیق کر دی کہ ہمارے شیعوں کا عقیدہ ہمارے علم کے بارے میں بالکل درست ہے۔ مگر اس کے برعکس مؤلف صاحب شیعوں کے لئے کتاب لکھ رہے ہیں جو اہلبیت علیہم السلام کے اس علم محیط کے قائل ہیں پھر ان کے سامنے خدا کی قدرت پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر قدرت خدا اس سے منوائی جائے جو اس کا منکر ہو۔ شیعوں نے کب انکار کیا ہے کہ خدا پھر سے معجزاتی نہیں کر سکتا۔ پھر شیعوں کے سامنے اس پھر کا ذکر کیوں کیا صرف یہ بتانے کے لئے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خالص نوع بشر ہیں۔ اور بشر میں طاقت نہیں ہے کہ وہ معجزہ دکھائے

لہذا یہ حضرات معجزہ نہیں دکھا سکتے ان حضرات کی طاقت بشری سے قوتِ معجزہ خارج ہے جیسے مکھی اور مچھر کی طاقت سے خارج ہے۔

مگر اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان کے معجزات و کرامات و خوارقِ عادات تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں پھر کس طرح ان حضرات نے یہ معجزے دکھائے جبکہ ان میں طاقت ذاتی نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزہ ان کا فعل ہی نہیں ہے خود خدا کا فعل ہے وہ ان پر بھی ظاہر کر سکتا ہے جس طرح مچھر میں طاقت ذاتی نہیں ہے اس پر بھی معجزہ ظاہر کر سکتا ہے یعنی انبیاء و ائمہ علیہم السلام ذاتی طاقت سے اسی طرح خالی دے بہرہ ہیں جس طرح مچھر بے بہرہ ہے۔ نہ اس میں قابلیت و استعداد معجزہ ہے اور نہ ان حضرات میں۔

در حقیقت قادر ربّ خدا پیش کرنے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ یہ حضرات اور مچھر و مکھی عدمِ قابلیت میں برابر ہیں مگر اب تو قرآن سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علی و محمد و مچھر کی مثال نہیں بلکہ یہ خود مچھر اور مکھی ہیں۔ یہ ہے تجربہ علمی کی اچھوتی مثال اور یہ ہے دعوئے اجتہاد کا انوکھا ثبوت۔ (تا صبیح مردہ باد)

مولف صاحب کی علمی مقدار کا جائزہ

مولف صاحب نے محمد وآل محمد علیہم السلام کی نوعِ بشر میں سمولیت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے اس کا آپریشن ہم کر چکے ہیں اور اب ان کے حوالوں پر تبصرہ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے باطل عقیدہ کے ثبوت کے لئے فراہم کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

”و علامہ طبری مجمع البیان جلد ۲ ص ۱۵۸ بذیل آیت مبارکہ و ما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیہم ہم نے تم سے پہلے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، فلسفہ بشریت انبیاء کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: لان الشكل الى الشكل اصيل و بدہ انش و عندہم ومن الانفة منه ابعده۔ شکل اپنی شکل کی طرف زیادہ مائل اور زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس سے زیادہ استفادہ کرتی ہے اور نفرت نہیں کرتی۔ (را اصول الشریعہ ص ۱۵۸)۔“

مولف صاحب نے یہ حوالہ تفسیر اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام نوعِ بشر میں داخل ہیں اور اس نوع کے افراد کامل ہیں مگر جو عبارت پیش کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی فرمایا ہے اس سے تو ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نوع ایک ہے کیونکہ اس میں تو صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ شکل و صورت میں ایک ہیں تاکہ اس رہے اور اجنبی معلوم نہ ہوں اور استفادہ کا موقع ملے۔

ہم نے کب اس سے انکار کیا ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو خداوند عالم نے بشر کی شکل و صورت میں اسی لئے بھیجا ہے کہ ہم لوگ ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے انس و محبت پیدا ہو۔ مگر یہ مشارکت جنس میں ہے شکل و صورت میں۔ مگر جس

کمال ذاتی کی وجہ سے وہ ہم سے ممتاز ہیں وہ فصل ممتاز ہے اس کو نظر انداز نہ کریں ورنہ نبوت ہی رخصت ہو جائے گی۔ اور جب یہ کمال ذاتی اور صورت و شکل بشری دونوں کو ملا کر دیکھا جائے گا تو پھر نور علیحدہ ثابت ہوگی، جو ہمارا اعتقاد ہے۔

یہ حوالہ تو ہمارے عقیدہ کی تائید اور آپ کی رد کر رہا ہے مگر کتاب لکھ کر مصنف بننے کے شوق میں کھاف کا امتیاز بھی مفقود ہو گیا ہے۔

اب دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے جو وحدت نوع کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
 ”اسی طرح علامہ شہر آشوب نے (ابن شہر آشوب ہے اصلاح کر لیں، مشابہہ القرآن جلد ۱ ص ۲۰۰ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے، وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشکل الى شکله انس وعنده افهم والافقة منه ابعد لانه یجری انفسه والانس ان ینف من نفسه (کذا فی جلد ۲ ص ۲۰۰) (اصول الشریعہ ص ۲۰۰)“
 مؤلف صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں تحریر فرمایا ہے۔ نیت کا علم خدا کو ہے۔ ہم اس کا ترجمہ لکھ دیتے ہیں۔

علامہ ابن شہر آشوب فرماتے ہیں کہ ”نبی کو شکل بشری میں بھیجنے کی لطیف ترین وجہ یہ ہے کہ شکل اپنی ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس سے زیادہ استفادہ کرتی ہے اور ہم شکل نہ ہونے کی صورت میں اس سے جدائی اور نفرت کرتی ہے اور انسان اپنے ہم شکل سے نفرت نہیں کیا کرتا ہے۔“ اس حوالہ سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے کیونکہ علامہ نے نبی کے ہم شکل ہونے کے فائدے بتائے ہیں اور ہم نے کبھی انکار ہی نہیں کیا ہے۔ اگر انہیں وحدت نوع ثابت کرنا ہے تو ہم شکل و ہم صورت ثابت کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ عوام پر یہ اثر ضرور پڑے گا کہ کتابیں بہت دیکھی ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تاثر ہوگا کہ سمجھ میں حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

اب تیسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

”حضرت علامہ حاتمی مرحوم علیہ السلام مقامہ اپنی تفسیر لوامع التنزیل ص ۳۱ پر بدیل آیت سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتَ اِلَّا بَشَرًا مِّمَّنْ سَوَّلَا لَکَ فِتْنَةً ہیں۔

اقول، پس اس جا معلوم شد کہ مقتدا ایشال ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت و ایشال از مقامات جہالت و نہایت ضلالت و در سئلہ خطا کہ دند دانستند کہ تجانس موجب تواناں است و تخالف مقتضی تنافر تجانس الے التجانس میل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرالہم

باید بات زنا افادہ و استفادہ در میان پدید آید و ہوا عالم۔ (اصول الشریعہ ص ۴۲)
اس حوالہ میں بھی مکمل طور پر ہماری تائید ہے اور مؤلف صاحب کے عقیدہ پر ضرب کاری ہے اسی لئے
انہوں نے اس کا ترجمہ ہی نہیں فرمایا ہے یہ تو فارسی عبارت ہے معمولی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے مگر ہم علوم
کی خاطر ترجمہ کئے دیتے ہیں۔

علامہ حاشیٰ مرحوم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں سبحان ربی هل کنت الالبشرا
مرا سؤلاً معنی آیت یہ ہیں: میرا رب ہر عیب سے منزہ ہے نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔
میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر یہ سمجھتے تھے کہ بشریت مانع رسالت ہے۔
کیونکہ وہ لوگ آنحضرت سے کہتے تھے کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو رسول کیسے بن گئے، اور ان
کافروں نے اس مسئلہ میں انتہائی جہالت اور انتہائی ضلالت سے غلطی کی ہے۔ وہ یہ نہ سمجھ
سکے کہ ہم جنس ہونا انس و مجتبیٰ باہمی کا سبب ہے اور غیر جنس ہونا نفرت باہمی کا سبب
ہے کیونکہ جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے پس بالیقین ثابت ہوا کہ رسول کو اپنی امت
کے ہم جنس ہونا چاہئے تاکہ رسول اور امت کے مابین افادہ و استفادہ دونوں حاصل
ہوں۔ و ہوا عالم،

ناظرین کرام ہم بیانِ کامل مدرسین کے کان کھول رہے ہیں کہ ہماری اور انبیاء کرام کی جنس ایک ہے
وہ بھی بشر اور ہم بھی بشر مگر نوع علیحدہ ہے کیونکہ بشریت کے علاوہ ان میں جو ہر رسالت بھی ہے اور اس حوالہ
پیش کردہ سے ہمارا اعتقاد حرف بحرف من دعن موبہ مو دودید و ویرد علی الراغم ثابت ہوا جاتاہے۔ کسی نے
کیا خوب اس موقعہ کے لئے کہا ہے: ع۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواهد

اب تو مؤلف صاحب کو ایک چلو پانی تلاش کرنا چاہئے۔ اس کے بعد مؤلف صاحب نے اپنے
مخالف اور ہمارے مؤیدان حوالوں کے بعد اپنی حالت زار کایوں انکشاف فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:-
کہہا جاتاہے کہ یہ بزرگوار ظاہر ہیں تو انسان ہیں مگر باطن میں کچھ اور ہیں۔ ان باطن میں حضرا
کی خدمت میں گزارش ہے کہ اذ لا تو ہم ظاہری شریعت کے مکلف ہیں ہمیں باطن کے
ساتھ سروکار نہیں۔ (اصول الشریعہ ص ۴۲)

مؤلف نے اپنے ساتھ دیگر اپنے ہم مشرب کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے اور اپنے دل کی بات بیان کر دی
ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے ظاہر پر ایمان لائے ہیں اور اسی لئے ان ذوات مقدسہ کے ظاہر کو دیکھ
کہ اپنے جیسا بشرد مانتے ہیں ان لوگوں کو باطن سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ لہذا یہ صرف بشریت پر
ہی ایمان لائے ہیں اور اسی لئے اپنی نوبت سمجھتے ہیں۔ لہذا پھر ان ذوات مقدسہ میں اور آپ کے حجتہ الاسلامی اور

علمائے اعلیٰ ٹولہ میں کیا فرق ہے۔ جیسے آپ حجۃ الاسلام اسی طرح وہ حضرات بھی (معاذ اللہ) جیسے آپ صدر الحقیقین ویسے ہی وہ بھی (لاحول و لا) جیسے آپ سلطان المتکلمین ویسے ہی وہ بھی (نعوذ باللہ) جیسے آپ مسجد میں بیٹھ کر درس دیتے ہیں ویسے ہی وہ بھی (والعیاذ باللہ)۔

ہم تو باطن بین مولائے کائنات مشکل کشائے عالم سرالہ فی العالمین سید الموحیدین علیہ السلام اردو احنا لہ انشاء کے نام لیوا ہیں۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں اُس خدا کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ مگر میں نے اُسے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

چونکہ مولف کو باطن سے کوئی سرور کار نہیں ہے اس لئے خدا سے بھی کوئی سرور کار نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی ظاہری آنکھوں سے نہیں نظر نہیں آتا، باطنی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور باطن سے ان لوگوں کو کوئی شریک نہیں ہے۔ اور پھر خدا کے ہاتھ پاؤں بازو منہ پہلو اپنے جیسے مانتے ہوں گے کیونکہ معنی باطن سے آپ کو سرور کار ہی نہیں۔

پھر آپ عراق میں اجمعی مدت رہے تو کیا درود یار ہی کا طواف کرتے رہے کیونکہ باطن سے تو آپ کو سرور کار نہیں، اور زیارت آئمہ طاہرین کا یہ فقرہ السلام علی باطن کو کھڑے ہتھے ہی نہ ہوں گے کیونکہ باطن سے تو آپ کو سرور کار ہی نہیں۔ اور اُمنت بسکندر و علانیہ تکہ پر بھی ایمان نہیں ہوگا کیونکہ باطن سے آپ کو کوئی سرور کار نہیں۔ اور حرم امیر المومنین علیہ السلام کے رُوحانی فیوض و برکات سے بھی آپ محروم ہی رہے ہوں گے کیونکہ آپ کو باطن سے کوئی سرور کار ہی نہیں۔ پھر تو حضرت باب مدینۃ العلم کے لنگری روئیاں ہی آپ کے نصیب میں ہوں گی۔ اور پھر قرآن کی تفسیر ہی سے تعلق ہوگا تاویل سے کوئی سرور کار نہیں اور اس کے بواطن پر جس قدر احادیث میں آئمہ طاہرین نے ایمان لانا اور ماعفی بہ اللہ ہی کو مقصد قرآن فرمایا ہے اس سے بھی آپ کو سرور کار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے پنجاب میں قدم رکھتے ہی اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے باطنی مراتب کا انکار کیا اور ان کی رد و قدح میں خون پسینہ ایک کر رہے ہیں کیونکہ باطن سے آپ کو کوئی سرور کار ہی نہیں۔ لہذا ہمارا اور آپ کا سمجھوتہ ناممکن ہے۔ (بعض لیڈر صاحبان خصوصاً مدبر اخبار رسد کار جو اس ٹولہ کے حامی ہیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں ورنہ ”ہر چیز کے رد کا بن نمک رفت نمک شد“ کے مصداق بن کر اس ٹولہ میں شامل ہوں گے۔ اس کے بعد وجہ ثانی میں تحریر کرتے ہیں اور باطن کے انکار پر اپنا اجتہادی کرشمہ دکھاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

”ثانیاً۔ اگر اس بات کی کوئی اصلیت ہوتی اور نبی الحقیقت انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین بشر نہ ہوتے بلکہ صرف لباس بشریت میں ملبوس ہوتے تو پھر چاہئے تھا کہ بشریت رسول کا فلسفہ بیان کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر غفار و مشرکین کا منہ بند کر دیا جاتا کہ جن کو تم بشر و انسان خیال کر رہے ہو وہ فی الحقیقت بشر نہیں بلکہ کسی اور عالمی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لیکن

خداوند عالم کا یہ نہ فرمانا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ بزرگوار نوع انسانی کے ہی اکمل و اشرف

افراد ہیں۔ وهو المطلوب۔ (اصول الشریعہ ص ۸۷)

ناظرین کرام! اس تحریر کے بعد بھی ان کی ناصبیت اور اہلبیت کی مخالفت اور ان کے موالیوں سے بغض و عداوت میں کوئی شک و شبہ ہے۔

ان لوگوں نے بھگت ہوش و خواہش غصہ بلا جبر و اکراہ غیر سے اقرار نامہ تحریر کر دیا ہے اور اپنے اعمال نامہ میں یہ درج کیا ہے کہ میں دنیا تک چھوڑ دیا ہے کہ فی الحقیقت انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین بشر ہیں۔ اور اگر فی الحقیقت بشر نہ ہوتے تو قرآن میں خدا کا فرد کا منہ بند کرنے کے لئے فرمادیتا کہ جن کو تم بشر کہتے ہو وہ فی الحقیقت بشر نہیں۔

اس اقرار نامہ سے بالکل واضح ہو گیا کہ کافروں کا خیال درست تھا کہ ہم اس لئے تمہیں نبی تسلیم نہیں کرتے کہ تم فی الحقیقت بشر ہو اور جب تم حقیقت میں ہمارے ہی نوع کے افراد ہو تو ہم تمہیں کس طرح سفیر خدا تسلیم کر لیں۔ خداوند عالم نے چونکہ کافروں کے قول کو رد نہیں کیا اور ان کا منہ بند نہیں کیا لہذا ثابت ہوا کہ وہ فی الحقیقت بشر ہی ہیں اور یہی قطعی دلیل ہے ان کے بشر ہونے کی۔ اور یہی ان کا مطلوب ہے۔

اب ان لوگوں اور کافروں کے عقیدہ میں کیا فرق رہ گیا جیسا وہ کہتے تھے ویسا ہی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور خدا نے ان کا منہ بند نہیں کیا تو شیعوں کو کیا حق ہے کہ ان کا منہ بند کرنے کے لئے ڈھنڈے پیٹ رہے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو چاہئے کہ اب حجۃ الاسلام و المسلمین کے بجائے اپنا لقب حجۃ الکفر و الکافروں تحریر فرمایا کریں کیونکہ آپ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو کافروں کا تھا کہ فی الحقیقت یہ حضرات بشر تھے۔ اسی لئے کافروں نے کلمہ اسلام نہیں پڑھا اور اپنے مثل سمجھ کر کافر ہی رہے اور یہ بشر کے سوا کچھ اور ہوتے تو کلمہ پڑھ لیتے مگر خدا نے ان کا منہ بند نہیں کیا۔

مگر ہم نے تو ان ذوات مقدسہ کا کلمہ پڑھا ہے اور اس لئے پڑھا ہے کہ خداوند عالم نے اور خود ان حضرات نے کافروں کا منہ بند کیا ہے اور صاف صاف فرمایا ہے کہ ہم صرف بشر نہیں بلکہ بشر اور سولاہین اور ہم پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور ہم خدا سے بذریعہ وحی اور بذریعہ حجاب اور بذریعہ ملک باتیں کرتے ہیں اور ہم اسے پاس فرشتے آتے جاتے ہیں اور ہمارے اس جوہر ذاتی کا ثبوت یہ ہے کہ معجزات و بینات کے حامل ہیں اور ہم حکمت و کتاب کے وارث ہیں اور خدا نے بھی ان کا منہ بند کرنے کے لئے صاف صاف فرمایا کہ ہم نے ان کو برہان اور نور اور کتاب اور آیات اور بینات اور ایسے کمالات عطا کئے ہیں کہ بشر تو بشر تھا ہمارے ساتھ تمام جن بھی مل کر ان کا مقابلہ کریں تب بھی تم عاجز رہو گے اور قیامت تک ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر یہ حضرات صرف بشر ہی ہوتے اور ان کے ذوات مقدسہ میں کوئی جوہر ذاتی اور کمال فطری نہ ہوتا

تو ان کو مبعوث فرمانا خلاف عقل ہوتا۔ فی الحقیقت یکساں ہوتے ہوئے ایک کو حاکم دوسرے کو محکوم، ایک کو رائی دوسرے کو رعایا، ایک کو نبی دوسرے امت، ایک کو مطیع دوسرے کو مطاع بنانا صریح ظلم ہوتا۔ اور خدا ہرگز ظالم نہیں ہے۔ لہذا ان ذوات مقدسہ کو فی الحقیقت کافروں کی طرح بشر سمجھنا خدا کو ظالم ماننا ہے، اور ایک بدیہی امر کا انکار ہے۔ اسی کو تو خدا نے فرمایا ہے کہ ان کافروں کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ یہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ سرسبی دلائل کا انکار کرتے ہیں۔ مگر مولف صاحب کافروں کو حق پر سمجھتے ہیں اور ان کے خیالات کو درست تسلیم کرتے ہیں کیونکہ خدا نے ان کا منہ بند نہیں کیا لہذا اب وہ تمام الزامات جو خداوند عالم نے کافروں پر عائد کئے ہیں ان بچہ فٹ ہوں گے اور ہمیں خدا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان کے لئے کہنا پڑے گا کہ ان لوگوں کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ یہ بالکل جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

اس فرمان خداوندی کا جواب کافروں کے پاس تو نہیں تھا مگر مولف نے جواب دیا ہے کہ خدا تو ہمیں جانور بتاتا ہے تو ہم بھی ایسے گئے گزرے نہیں کہ خاموش ہو جائیں اور تو بتاتا رہے۔ "تیرے نبی و امام بھی مجھ کو بھی ہیں۔"

ناظرین کرام یہ تو کافروں سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے۔ پھر یہ کس منہ سے ان ذوات مقدسہ کا کلمہ پڑھتے ہیں شائد یہ ظاہر پرست ظاہری کلمہ پڑھ کر مومنین کے اموال پر ڈاک مارتے ہیں اور مریضہ خریدتے ہیں، منگلی بناتے ہیں، بڑی بڑی تھوک تجارتیں کرتے ہیں، اپنی بسیں چلاتے ہیں۔ یہی ہے وہ مثال جو مشہور ہے: "محبس ہانڈی میں کھاتے ہو اسی میں۔۔۔۔۔۔ اور پھر یہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ فی الحقیقت بشر نہیں تو خدا کی کیوں نہیں کہا کہ یہ کسی اور نوع عالی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا منہ کیوں نہ بند کر دیا؟

مولف صاحب! خدا نے تو فرمایا ہے مگر جب شیطانی حکمران ابلیسی ضد جو تو اس کا کیا علاج ہے کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے: "استکبرت ام کذبت من العالین۔ اے مردود ابلیس کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین کی نوع سے ہے؟" فرمائیے خدا نے ابلیس کا منہ بند کر دیا یا نہیں۔ مگر وہ پھر بھی بضد رہا۔ اور اس کا علاج بس یہی تھا کہ:۔

"اخیر منھا فانک مرجعہ وان علیک لعنتی الی یوم الدین۔ اے مردود پرینا سے دور ہو جا۔ تو یقیناً شیطانِ برجم ہے اور تجھ پر بالتحقیق قیامت تک میری لعنت ہے۔"

دآب اس سے زیادہ کیا سزا ہو سکتی ہے۔

اب اس کے بعد یہ صاحب ہمارے پمفلٹ "معرفت محمد و آل محمد" پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں

لاحظہ فرمائیے:-

”معرفة محمد وآل محمد“ نامی پمفلٹ کے مؤلف کا یہ کہنا کہ مجوزہ فعل نہیں ہے اور یقیناً فعل نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بلا شک موجود ہے ثبوت میں حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں وارد شدہ لفظ واژ تخلقی پیش کئے ہیں جو مجازی نسبت ہے اور اس کی مزید تحقیق ذیل میں آ رہی ہے ناقل، اس کے بعد بھی یہ ایمان کہ مجوزہ فعل نہیں دامام نہیں ہوتا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے یا پھر قرآن مجید سے بے خبری کا ثبوت ہے لا ملّا

خود مؤلف صاحب کی حقائق قرآنی و کلام امام اور تحقیقات علمائے اعلام سے قطعی جہالت کی دلیل ہے جو موجب ضلالت ہے یا پھر ان حقائق و معارف کے انکار پر مبنی ہے اور سبب عدم ایمان ہے یہ الٹا شکوہ کرتے ہو اور کس ادا کے ساتھ بے طاقتی کے طعنے ہیں غدر جفا کے ساتھ (اصول الشریعہ ص ۱۲۲)۔

ناظرین کرام! ہم نے من و عن کمال عبارت مع شعر کے نقل کر دی ہے اور ہمارے پمفلٹ معرفت محمد وآل محمد پر جو اعتراض کیا ہے اور درمیان طور جو تبصرہ فرمایا ہے بلا کم و کاست نقل کر دیا ہے اب ہم اس کا آپریشن کرتے ہیں۔

حقیقت و مجاز کے معنی سے ناواقف

پہلے ہم اپنے پمفلٹ کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں جس پر مولف صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
”مظہر اور مظہر میں فرق۔ مظہر یعنی افعال کا ظاہر کرنے والا اور مظہر جس کے ذریعہ ظہور فعل ہو جب ان دونوں میں علاقہ شدید پیدا ہو جاتا ہے تو ایک ہی فعل ان دونوں کی طرف منسوب ہو جاتا ہے جس طرح ارشاد خدا ہے اللہ یتوفی الانفس یعنی اللہ نفوس کی توفی کرتا ہے کیونکہ وہ خود مظہر ہے اور پھر فرماتا ہے یتوفی انکم صلاۃ اللہ یعنی تمہاری توفی ملک الموت کرتا ہے کیونکہ فرشتہ مظہر ہے۔ فعل توفی ایک ہے اور اس کے قائل دو ہیں ایک خدا اور دوسرا فرشتہ۔ اور توفی کی نسبت دونوں کی طرف ہے اور یہ دونوں نسبتیں قرآن مجید میں صراحتہ موجود ہیں۔

اسی طرح احیاء کی نسبت خدا نے اپنی طرف دی ہے۔ یعنی خدا زندہ کرنے والا ہے اور زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی دی ہے جیسا کہ ارشاد ہے

”داعی الموتی“ (قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ ”زندہ کرنا ایک فعل ہے جو اپنی طرف بھی خدا نے منسوب کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی اور خود خدا عالم الٰہ کے فعل کی یوں تصدیق فرماتا ہے ”واذ تخوم الموتی“ (یعنی اے عیسیٰ تم مردوں کو قبروں سے نکال کر زندہ کرتے تھے، اور یہ کمال تمہیں میرے اذن سے حاصل ہے۔

اسی طرح نسبت خلق خدا کی طرف بھی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے ”انی اخلق لکم“ (قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام) میں تمہارے لئے پیدا کروں گا پرندہ کی شکل اور میں پھونک ماروں گا تو وہ پرواز کرنے لگے گا اور یہ سب کچھ باذن خدا کرتا ہوں۔ اس نسبت کی تصدیق خدا نے اس طرح فرمائی ہے ”اذ تخلق“ یعنی اے عیسیٰ تم خلق کرتے تھے۔ اور یہ دونوں کمال یعنی احیاء اور خلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے افعال ہیں وہ خلقی کے عطیہ ہیں اور اسی کے اذن سے حاصل ہوئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مآدوں میں اللہ خالق بھی ہیں اور مفعول بھی۔ یعنی پیدا کرنے والے اور زندہ کرنے والے۔ اور یہ طاقت خلق و احیاء عطیہ خدا ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اور یقیناً یہ کمالات معجزہ ہیں، اور فعل نبی ہیں اور ہر حال خرق ہیں، اور ان کی نسبت یقینی طور پر نبی کی طرف دی گئی ہے۔ لہذا معجزہ فعل نبی ہے اور یقیناً فعل نبی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بلا شک و شبہ موجود ہے۔ اب اس کے بعد بھی یہ ایمان رکھنا کہ معجزہ فعل نبی و امام نہیں ہوتا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے یا پھر قرآن مجید سے بے خبری کا ثبوت ہے یا پھر محمد آل محمد کے معجزات سے عوام کو مخدوف کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ جب ان حضرات کی طرف نسبت ہی غلط ہو جائے گی اور عوام کو صرف فعل خدائی سمجھایا جائے گا تو یہ بھی کہہ دیا جائے گا کہ خدایہ کام ایک معجزے سے بھی لے سکتا ہے۔ لہذا انور ذی اللہ حضرت محمد آل محمد اور ایک معجزے میں کیا فرق ہے۔ جن مولوی صاحبان کے ایمان کا یہ حال ہے ان کے شاگرد بھی یہی سبق لے کر مدینہ سے باہر آئیں گے اور محمد د آل محمد کی وہ بھی اسی طرح توہین کریں گے۔ اگر ان میں سے کسی مولوی صاحب کو کہاجائے کہ خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گدھوں چیلوں کا لقمہ ترنا سکتا ہے تو یہ مولوی صاحب اور ان کے شاگرد ضرور خفا ہوں گے اور توہین و تذلیل کا الزام لگائیں گے اور فوراً غیظ و غضب میں آجائیں گے لیکن یہ لوگ خود حضرات معصومین علیہم السلام کے مقابلہ میں ایک معجزہ کو پیش کر دیں تو ان کے کمالی علم کی دلیل سمجھ لیا جاتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور توہین آئمہ طاہرین کے جرم سے بچائے۔ کیا حضرات محمد د آل محمد علیہم السلام کے اور دشمن کچھ کم ہیں جو یہ نام نہاد شیخہ مولوی صاحبان معصومین کی شان میں گستاخیاں کر کے نواصب کے ہتھوڑیوں پر رہے ہیں۔ (رفلٹ ص ۳۱۳)

فعل کے معنی کام ”حقیقی معنی ہیں

مولف صاحب کا تبصرہ اور پفلٹ کی عبارت دونوں کو مکمل طور پر ہم نے پیش ناظرین کر دیا ہے ہم

چیلنج کرتے ہیں کہ مولف صاحب ہمارے ایک حرف کی بھی رد نہیں کر سکے ہیں اور نہ ان کے اجتہاد میں یہ قس ہے کہ ہمارے پیش کردہ حقائق کی تکذیب کر سکیں۔ کیونکہ ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے آیات قرآنی کا ترجمہ کیا ہے جس کا ایک ایک حرف صحیح ہے اس لئے ان کو جرأت نہیں ہو سکی کہ ترجمہ غلط بتائے یا قرآن مجید میں خلق واجیاء و امات کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط ثابت کر تے۔ انہوں نے ترجمہ بھی صحیح تسلیم کر لیا اور نسبت فعل مالی غیر خدا کو بھی قبول کر لیا۔ لیکن اس کا جواب صرف یہ دیا ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے حقیقی فاعل خدا ہی ہے۔ لہذا ہم انہیں حقیقت و مجاز کا فرق سمجھا دیں تاکہ یہ لوگ حضرات اہلبیت طاہرین کی بر فضیلت کو حسب عادت مستقر ”مجاز“ کہہ کر عوام کو فریب نہ دے سکیں۔

الفعل۔ (فعل فعلاً) عمل والاسم منه (الفعل) کتاب لغت مفہوم ۱۲۔
یعنی فعل کے معنی ”کام“ جو بھی جتنا کام کرے وہ اس کا فعل ہے اور اسی کو عمل کہتے ہیں اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں اور تمام کام جو بھی بندہ کرتا ہے وہ اس کا حقیقی فاعل ہے اور اسی حقیقی فعل پر جزا و سزا ہے۔

فعل اپنے آثار کے لحاظ سے موصوف ہوتا ہے متعدد و مختلف صفات کے ساتھ مثلاً اکل، شرب، کتابت، صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، سخاوت، عبادت، معصیت، اعدا، ابداع، صنعت، خلق، رزق، احتیاء، امات، جعل، اتحاد وغیرہ۔ یہ سب افعال ہیں۔ اسی لئے ان کے فاعل ان ہی صفات سے موصوف ہوتے ہیں جیسے اکل، شرب، کتابت، زراعت، تاجر، عابد، زاہد، مطیع، عاصی، خالق، رازق، مخی، محبت، صانع، مبتدع، جاعل، موجد وغیرہ۔

لہذا جس نے جتنا کام کیا ہوگا اس کا وہ حقیقی فاعل ہوگا کیونکہ اگر فعل کے آثار اور فعل کی قوت اور خود فاعل کا وجود ملحوظ رکھ کر کسی فعل (کام) کا فیصلہ کیا جائے گا تو دنیا میں کوئی بھی کسی فعل کا فاعل نہیں ہو سکتا کیونکہ خود فاعل کو خدا نے پیدا کیا ہے اگر نہ پیدا کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اسی طرح تمام آلات کار خدا نے پیدا کئے ہیں اگر خدا پیدا نہ کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اور اسی طرح قوت فعل خدا نے پیدا کی ہے اگر وہ قوت پیدا نہ کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اگر حقیقت و مجاز کا فیصلہ کیا ہے تو یہ ان کی انتہائے جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اس فیصلے کی رو سے تو حقیقی نمازی، حقیقی شرابی، حقیقی زانی، حقیقی ڈاکو وہ قرار پائے گا جس نے ان کو پیدا کیا اور قوت فعل دی اور آلات فعل پیدا کئے اس صورت میں تو کوئی بھی کسی کا باپ دادا یا بیٹا پوتا نہیں بن سکتا کیونکہ سب طاقتیں تو خدا نے پیدا کی ہیں لہذا حقیقی فاعل وہی ہوگا نعوذ باللہ من ہذا

المفوات دہم ایسی کیو اس سے ہم خدا کی بنا چاہتے ہیں۔

اور اس کا پس منظر یہ ہوگا کہ تمام کاموں کی جزا و سزا کا مستحق حقیقی فاعل ہی ہوگا مجازی فاعل تو بے نام ہوگا۔ ہماری اس تحقیق کے بعد ان صاحب کا لفظ ”مجاز“ اور لفظ ”من باب المجاز“ ایک لایعنی لفظ ہے جو صرف

اہلبیت علیہم السلام کی تھقیص و توہین کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ وہ فاعل معجزہ نہ ہو سکیں۔
موالیان اہلبیت طاہرین علیہم السلام معجزات و کرامات کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف دیتے
ہیں اور فضائل آل محمدؐ سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے مؤلف نے معجزات کو فعل خدا ثابت کر کے ان ذوات
مقدسہ کو معجز کی طرح بنا دیا ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں ہر صاحب عقل فیصلہ کر سکتا ہے کہ کام کا مقنا تعلق جس سے ہو گا وہ اسی کا حقیقی
فاعل ہو گا۔ ان لوگوں کو غلط فہمی اس لئے ہوئی ہے کہ اختیار اور اضطرار کا مطلب نہیں سمجھ سکے ہیں۔
درحقیقت فعل اضطراری ایسا فعل ہے کہ جس کی نسبت فاعل کی طرف مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بلندی
سے گر گیا تو اس کا یہ فعل اس کی طرف مجازی منسوب ہوتا ہے اور اس فعل پر اس کی مذمت نہیں کی جاتی ہے۔ نیز
اسی طرح اگر بالبحر کسی کو شراب پلائی جائے تو یہ فعل شراب خوری اس کی طرف مجازی منسوب ہوتا ہے اسی لئے اس
کی مذمت نہیں کی جاسکتی۔ اور دونوں قسم کے فعل یعنی اضطراری و جبری قابل مزن نہیں ہوتے اور خداوند عالم نے
ایسے اضطراری و اجباری افعال میں بندوں کو مأخوذ نہیں کیا ہے اور فرما دیا ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد
فلا اثم علیہ یعنی اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں ممنوعہ اشیاء کو عمل میں لے آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں
بشرطیکہ با اختیار خود بقاوت و تجاوز نہ کرے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا ہے الامن اکوہ وقلیہ مطمئن بالایمان یعنی اگر کسی سے بھجور اگر کوئی غلط
بات کہلوائی جائے اور وہ کہہ دے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا دل اسی ایمان پر مطمئن ہو کہ جو کچھ کہہ
رہا ہے وہ اس کو غلط بات سمجھتا ہے۔

فعل اختیاری ہی قابل مدح و ذم ہے

مؤلف صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ عقلائے زمانہ اس امر پر متفق ہیں اور کسی صاحب ہوش کو اختلاف
نہیں ہے کہ افعال اختیاریہ اور افعال ارادیہ ہی قابل مدح و ستائش اور لائق مذمت و ملامت ہوتے ہیں۔ حضرت
امیر المومنین علیہ السلام نے کس حکیمانہ انداز میں اس مسئلہ کو عقل کی روشنی میں حل فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

قال امیر المومنین علیہ السلام لو کان کذا الک لیطلت الثواب والعقاب وسقط
الوعد والوعید والا امر من الله والنهی وما کانت تأتی من الله لاشیة لمذنب
ولامحمد لمحسن ولا کان المحسن اولی ثواب الاحسان من المذنب ولا
المذنب اولی بعقوبة الذنب من المحسن تلك مقالة اخوان عبدة الاوثان
وجنود الشیطان وخصماء الرحمن وشهداء الزور والبهتان واهل
الغی والطغیان قد ردة هذه الامة ومجوسها ان الله امر تخیروا ونهی

تخذیرا وکلف یسیرا ولم یعص مغلوبا ولم یطعم مکرہا ولم یرسل الرسول
 ہزلا ولم یزل القرآن عبثا ولم یخلق السموات والارض وما بینہما
 باطلا لذلک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار قال ثم تلا
 علیہم وقضی مرہک الاتعبد والایاہ قال فنہض الرجل مسرورا
 وهو یقول شعرا۔۔ انت الاما الذی نرجو بظاعتہ یوم التشوہ من
 الرحمن مرضونا اوضحت من دیننا ما کان ملتسبا۔ جزاک مرہک
 عنافیہ احسانا۔ (احتجاج طبری ص ۱۸)

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو سمجھایا ہے جو خدا کی طرف اجبار و اضطراب کی نسبت
 دیتا تھا حضرت نے فرمایا کہ خدا اگر بندوں کو مجبور و مضطر کر دے اور بندوں کے افعال اجباری و
 اضطرابی ہوں تو پھر ثواب و عقاب غلط ہو جائے گا اور جنت کا وعدہ کرنا اور جہنم کا خوف لانا
 اور امر و نہی سب غلط ہو جائیں گے اور پھر خداوند عالم کسی گنہگار کی مذمت نہیں کر سکتا اور
 کسی نیک عمل کی مدح نہیں کر سکتا۔ اور پھر کوئی نیک عمل بد عمل کے مقابلہ میں مزاحمت نہیں کر سکتا اور
 حق تعالیٰ نہیں ہو سکتا اور نہ بد عمل نیک عمل کے مقابلہ میں مزاحمت کر سکتا۔ اے
 شخص یاد رکھ بت پرستوں کے برادران اور دشمنان و دشمنان رحمت اور گواہان زور و
 بہتان اور اہل سرکشی و اہل طغیان کے یہ مقالے ہیں یہ لوگ اس اُمت کے قدریہ اور محسوس
 ہیں خداوند عالم نے اختیارِ فعل عطا فرما کر امر کیا ہے اور مختار بنا کر نہی کی ہے اور ڈر دیا ہے
 اور قہر و برداشت آسان تکلیف دی ہے کسی کو مغلوب کر کے اپنی نافرمانی نہیں کرائی اور نہ
 کسی کو مجبور کر کے اپنی اطاعت کرائی ہے۔ اور اس نے اپنے رسولوں کو فضول نہیں بھیجا ہے
 اور قرآن عبث نہیں اتارا ہے۔ اور زمین و آسمان اور اُس کے درمیانی اشیاء کو لغو پیدا
 نہیں کیا ہے۔ یہ کافروں کا زعمِ باطل ہے پس کافروں کے لئے آتش و دوزخ ہے۔ اس
 کے بعد حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی:-

”اور تیرے رب نے یہ فیصلہ فرمایا ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو“ یہ کلامِ حقیقت
 نظامِ شکر و شخصِ خوش مسترت میں اٹھا اور یہ اشارہ پڑھنے لگا:-

ترجمہ اشعار:- آپ ہمارے وہ امام ہیں کہ جن کی اطاعت سے روزِ قیامت رضائے
 رحمت کی امیدیں وابستہ ہیں۔ آپ نے ہمارے دینی شکوک و شبہات رفع فرما دیئے۔

خداوند عالم ہماری طرف سے آپ کو اس کی نیک جزا عطا فرمائے۔

ناظرین کرام اس ارشاد حق بنیاد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بعد اگرچہ مزید کسی توضیح کی ضرورت باقی

نہیں ہے۔ مگر موت کی آگاہی کے لئے چند دیگر شاہد پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو حقیقت و مجاز افعال عباد اور افعال خدا میں امتیاز حاصل ہو سکے اور عقیدہ مجبر سے توبہ کریں جو قرآن مجید کی آیات کو کما حقہ نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تفسیر قمی میں ان کے اس اعتقاد کی بتائی گئی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا نے اپنی خالقیت کا اعلان اس طرح کیا ہے:-

اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی خدا ہر شے کا خالق ہے۔ لہذا خالق حقیقی ہر شے کا خدا ہی ہے اور بندہ کی طرف یہ نسبت ”من باب المجاز“ ہے۔ یعنی خدا ہی خالق خیر و شر اور خالق کفر و ایمان اور خالق اطاعت و عصیان ہے کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور بندے ”مجازاً“ خالق ہیں چنانچہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں اس طرح درج ہے جس کو ہم عماد الاسلام ص ۳۷ سے نقل کر رہے ہیں:-

وفي تفسیر علی بن ابراہیم و اما الروی علی المجبرۃ الذین قالوا لیس لنا ضاع و نحن مجبرون یحدث الله الفعل عند الفعل وانما الافعال منسوبة الى الناس علی المجاز لا علی الحقیقة وتناولوا فی ذالک آیات فی کتاب الله عزوجل ولم یعرفوا معناها۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں عقیدہ مجبر ”کی رد کرتے ہوئے ان کا عقیدہ یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کو کسی چیز کے ایجاد کا کوئی اختیار نہیں ہے وہ مجبور ہیں۔ خدا ہی اُن کے افعال کا موجد و خالق ہے اور بندوں کے افعال ان کی طرف بطور ”مجاز“ منسوب ہیں حقیقی قائل فاعل خدا ہی ہے۔ اور ان لوگوں نے یہ عقیدہ قرآن مجید کی آیات کے معنی غلط سمجھ کر اختیار کیا ہے درحقیقت یہ لوگ ان آیات کے معنی ہی نہیں سمجھ سکے۔

اس کے بعد مفسر قمی فرماتے ہیں کہ کل قرآن ان کے عقیدے کی رد کرتا ہے۔ اور مثال کے طور پر چند آیات پیش فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی پیش کی ہے:-

لا یكلف الله نفساً الا وسعها الا ما کسبت وعلیها ما کتسبت۔ فقوله عزوجل لها وعلیها هو علی الحقیقة یفعلها۔

یعنی خداوند عالم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے جو کچھ اس نے اچھا کام کیا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو کچھ بُرا کام کیا ہے اُس کا وبال بھی اس پر ہے۔

مفسر قمی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قول خدا لها اور علیها اس امر کی دلیل ہیں ہے کہ نیک و بد کا حقیقی موجد خود بندہ ہے نہ کہ ”من باب المجاز“ جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔

عن الرضا علیہ السلام انه مسئل عن افعال العباد اھی مخلوقة الله تعالیٰ

نقال لو كان خالقها الباري منها فقد قال سبحانه ان الله بئى من المشركين
ولم يرد البرائة من خلق ذماتهم وانما براء من شركهم وبقا تحمهم۔
(عماد الاسلام ص ۳۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام سے افعال بندگان کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ان افعال کا خالق
خدا ہے یا بندگانی ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر خدا خالق ہوتا تو وہ اپنی برأت کیوں کرتا حالانکہ
وہ بالتحقیق فرماتا ہے کہ یقیناً خدا مشرکین کے افعال سے بری ہے مگر اس نے ان کے تخلیقی وقت
سے اپنی برأت نہیں کی یعنی یہ نہیں کہا کہ میں ان کے پیدا کرنے سے بری ہوں صرف ان کے شرک
اور افعال بد سے برأت کی ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔
(عماد الاسلام ص ۳۳)

اس حدیث روشنی سے بالکل واضح ہو گیا کہ بندگان خدا اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور خدا ان کے
اعضا کا خالق ہے لہذا افعال بندگان کی نسبت ان کی طرف بطور حقیقت ہے نہ ”من باب المجاز۔“
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی :-

قال فالعمل الصالح من العبد يفعلہ والله به امرہ والعمل الشر من
العبد يفعلہ والله عنه نہاء وقال الیس فعلہ بالآلة التي من کھا آئیدہ
قال نعم ولكن بالآلة التي عمل بها الخیر قد ربها علی الشر الذی نہاء عنه
قال ان الله خلق خلقه جميعاً مسلمين امرهم ونہاهم وانکفر اسم ملحق
حين يفعلہ العبد ولم یخلق الله العبد حين خلقه کافر انما کفره بعد
ان یبلغ وقتا زمته الحجة یعرض علیہ الحق فحججده فبأنکامہ صا
کفرا۔ (عماد الاسلام ص ۳۲)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ عمل نیک خود ہی کرتا ہے خدا کا تعلق
بس اتنا ہے کہ اس نے عمل نیک کا امر کیا ہے اور عمل بد بھی بندہ خود کرتا ہے اور خدا کا بس
اتنا تعلق ہے کہ اس نے عمل بد کی نہی فرمائی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا بندہ کا فعل اس آلہ کار کی وجہ سے نہیں ہے جس کو خدا نے اس کی
خلقت میں ایجاد کیا ہے (یعنی اعضاء اور قوتیں) بے شک ایسا ہی ہے۔ لیکن یہی آلہ کار جس
سے عمل خیر کرتا ہے اسی آلہ کار سے عمل بد کی بھی قدرت رکھتا ہے (یعنی اعضاء اور قوتیں تبدیل
نہیں ہوتیں) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بالتحقیق خداوند عالم نے سب کو مسلمان پیدا کیا ہے
اور ان کو امر و نہی فرمائی ہے۔ اور کفر ایک ایسا اسم ہے جو بندہ کے عمل کی وجہ سے اُسے ملتا ہے

خدا نے کسی کو بھی کافر پیدا نہیں کیا ہے۔ کفر کی نسبت اس کی طرف اس وقت ہوتی ہے کہ جب وہ بالغ ہو کر مکلف بن جاتا ہے، اور اس کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے اور پھر وہ حق سے انکار کرتا ہے، اور کافر بن جاتا ہے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی :-

ان رجلا سئل جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام عن القضاء والقدر فقال ما استطعت ان تلوم العبد علیہ فهو منه وما لم تستطع ان تلوم العبد علیہ فهو من فعل الله يقول الله تعالى للعبد لما عصيت لم فسقت لم شربت الخمر لم زينت هذا فعل العبد ولا يقول له لما مرضت لم قصرت لم ابيضت لما اسودت لانه من فعل الله۔

(عماد الاسلام ص ۳)

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قضا و قدر کا مطلب دریافت کیا تو حضرت نے جواب مرحمت فرمایا کہ اگر تم کسی فعل پر بندہ کی مذمت کر سکو تو وہ اس کا ہی فعل ہے اور اگر مذمت نہ کر سکو تو وہ فعل خدا ہے۔ خداوند عالم بندہ سے یہ مواخذہ کرے گا کہ تو نے کیوں نافرائی کی اور کیوں حکم عدولی کی اور کیوں شراب پی اور کیوں زنا کیا لہذا یہ افعال عبد ہیں اور خدا یہ نہیں فرمائے گا کہ تو کیوں مریض ہوا کیوں پست قدم ہوا، کیوں سفید رنگ ہے کیوں سیاہ رنگ ہے۔ لہذا یہ فعل خدا ہے۔

ان تمام احادیث و ارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ بندگان خدا اپنے افعال کے حقیقی طور پر خالق ہیں۔ چنانچہ محسن اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں :-

ان الامامية تقول نحن نخلق افعالنا الاختيارية وليس الله تعالى صنع وایجاد فیها ولا مشیئة و امر ادة حتمیة بحیث یصدر من الافعال بدو من اختیارنا هم۔ (عماد الاسلام ص ۳)

فرقہ امامیہ کا قول ہے کہ ہم اپنے افعال اختیاریہ کے خود خالق ہیں اور خداوند عالم کے ایجاد و صنع کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ خدا کے اس ارادہ کا تعلق ہے جس سے بلا اختیار بطور جبر افعال بندگان صادر ہو جائیں۔ لہذا ہمارے افعال اختیاریہ کی نسبت ہماری طرف حقیقی ہے مجازی نہیں ہے۔ اور جو ایسا خیال کرے کہ ہم مجازی طور پر اپنے افعال کے فاعل اور فاعل حقیقی خدا ہے، تو یہی عقیدہ مجبورہ ہے۔

کیونکہ وہ خدا کا فاعل و خالق حقیقی تسلیم کرتے ہیں اور بندگان کو مومن باب الحجاز "فاعل ملتے

ہیں۔

اس کے بعد قابل غور امر یہ ہے کہ افعال عباد کی نسبت خدا کی طرف آیات قرآن و احادیث مصدقہ علیہم السلام میں بالتحقیق وارد ہے پھر اس نسبت کا تعلق خدا کے ساتھ کس حیثیت سے ہے۔ اس سلسلہ میں محسن اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث مبارک سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے:-

مدخلیۃ العباد فی الافعال من حیث ایجادہم یا ہا کا افعال اللہ تعالیٰ بالنسبۃ الیہ تعالیٰ ومدخلیۃ اللہ تعالیٰ فی افعال العباد من حیث انہ تعالیٰ خالق لقواہم وقد مرّ تہم والاسباب الخارجۃ الیہ یتوقف صدور الافعال عنہم اذ ناھا الکف عما یمنعہا کما یدل علیہ مروایۃ البرزنی عن الرضا علیہ السلام قال قلت لہ ان اصحابنا بعضهم یقولون بالجبر وبعضہم بالاستطاعۃ فقال لی اکتب۔ قال انشاء تبارک وتعالیٰ یا ابن آدم بمشیئتی کنت انت الذی تشاء لنفسک ما تشاء وبقوۃ اذیت الی فراضی وبنعمتی قویت علی معصیتی بعلنک سمیعاً بصیراً قویاً

الحديث - (عماد الاسلام ص ۱۸)

بندگان خدا کی حیثیت ایجاد افعال اپنے افعال کے اسی طرح فاعل حقیقی ہیں جس طرح خدا اپنے افعال کا فاعل حقیقی ہے۔ اور بندوں کے افعال میں خدا کا دخل صرف اتنا ہے کہ خدا ان کی قوت و قدرت کا خالق ہے (جس کے ذریعہ وہ اپنے افعال کے موجد و خالق ہیں) اور خدا ان سبب خارجی کا خالق ہے جن کے بغیر بندوں سے افعال صادر نہیں ہو سکتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ سبب یہ ہے جو چیز مانع افعال ہو سکتی تھی اس کو خدا اپنے قبضہ میں رکھتا ہے تاکہ وہ صدور افعال میں بندوں کے لئے مانع نہ ہو جیسا کہ اس مطلب پر حدیث امام رضا علیہ السلام دلالت کرتی ہے جس کو برزنی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مولا بعض ہمارے اصحاب جبر کے قائل ہیں اور بعض استطاعت کے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارا یہ بیان لکھ لو کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اے پسر آدم تو میری مشیت کی وجہ سے اس قابل ہو گا کہ تو چاہتا ہے تو چاہتا ہے یعنی تجھے اپنی چاہ میں مجبور نہیں بنایا ہے، اور تو میری عطا کردہ، قوت کی وجہ سے میرے فرائض ادا کرتا ہے اور میری ہی عطا کردہ، نعمت کی وجہ سے میری نافرمانی کی قوت رکھتا ہے میں نے

تجھ کو سمیع و بصیر اور قوی پیدا کیا ہے۔

اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ہماری قوتوں کا خالق خدا ہے اور ان قوتوں کو ہمارے اختیار میں دے دیا ہے کہ جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ مگر اس کا استعمال اور ان قوتوں کے ذریعہ ایجاد افعال صرف ہمارا کام ہے اس میں خدا نے جبر و اکراہ نہیں کیا ہے لہذا ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور حقیقی خالق ہیں۔ چنانچہ بندگان خدا کے بطور حقیقت خالق ہونے کی تصریح قرآنی آیت کی روشنی میں صاحب عماد الاسلام نے اس طرح فرمائی ہے:-

ثبت بالبرہان صد و بعض الافعال عن العبد بالاختیار کما
عرفت و ایضاً حل علیہ قولہ تعالیٰ "فتبارک اللہ احسن المخالقین"۔

(عماد الاسلام ص ۱۸)

قرآن مجید و احادیث ائمہ طہرین علیہم السلام اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بندگان خدا کے بعض افعال کا وہ در خود ان کے اختیار میں ہے (لہذا بالکل مجبور نہیں ہیں) اور اسی مقصد پر قرآن مجید کی یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے "فتبارک اللہ احسن المخالقین" یعنی خدا خالقین میں افضل خالق ہے۔

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بندگان خدا اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور بندوں کے لئے اپنے افعال کا ایجاد ہی خلق ہے کیونکہ ایجاد اور خلق کے معنی بالتحقیق اس پر صادق ہیں۔ لہذا خالق غلط الاطلاق کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجود ہے تمام اشیاء کا بھی اور بندوں کا بھی اور ان کی قوتوں کا بھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان کے افعال کا بھی موجود ہے۔ وہ اپنے افعال کا خالق حقیقی ہے اور بندگان خدا اپنے افعال کے بالتحقیق خالق ہیں نہ کہ "من باب المجاز"۔ لہذا خدا بھی خالق ہے اور غیر خدا بھی اپنے افعال اختیار یہ کے خالق ہیں۔ مگر خداوند عالم افضل و احسن خالق ہے جیسا کہ ہم مفصل بحث خلق و رزق تحریر کر چکے ہیں۔ اور مولف صاحب کے تاویلات کو غلط ثابت کر چکے ہیں اور ان کے اجتہاد کا کما حقہ آپریشن کیا جا چکا ہے۔

اب خدا کی طرف اس کی نسبت بطور مجاز ہے یا بطور حقیقت: جناب محسن اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں:-

وان تعلقهما رای المشیئة والا مادیة، بافعالہ تعالیٰ هو ما مروتعلقهما

بأفعالہم علی سبیل التجوز، باعتبار ایجاد الالہ والقدر مادیہ علیہما وعدم

المنع فیہما فكانہما مادیہا۔ (عماد الاسلام ص ۱۸)

بالتحقیق خدا کا ارادہ اور اس کی مشیت اس کے اپنے افعال میں بالتحقیق ہے جس کا ذکر

ہو چکا ہے۔ اور بندوں کے افعال سے اس کی مشیت دارادہ کا تعلق ”من باب الجواز“ ہے اس اعتبار سے کہ آلاء فعل اور قوت و قدرت فعل اسی نے بندوں میں پیدا کی ہے۔ اور ان کے افعال میں رکاوٹ بھی نہیں ڈالی ہے پس گویا کہ افعال کا ارادہ کیا ہے راسی مجاز کہتے ہیں،

اس مجاز کی ایک بہترین مثال محسن اسلام نے تحریر فرمائی ہے جس کو ہم عمداً الاسلام سے نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:-

مثلاً ایک بچہ کنوئیں میں گر گیا اور ایک دوسرا شخص اس کو گرتے ہوئے دیکھتا رہا اور اس میں طاقت بھی تھی کہ گرنے سے بچا لیتا مگر اس نے نہیں بچایا تو اس صورت میں ”من باب الجواز“ کہہ سکتے ہیں کہ بچے کو تم نے گرایا ہے حالانکہ وہ شخص گرانے کا قائل نہیں ہے۔ اسی طرح خدا ہمیں دیکھتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور پھر ہمیں نہیں روکتا حالانکہ روکنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تو ”من باب الجواز“ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے یہ فعل کیا ہے۔

اب مولف صاحب توجہ فرمائیں کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام سے معجزات کا صدور کس قسم میں داخل ہے آیا خداوند عالم نے صرف قوت معجزات عطا کی ہے یا خود بھی اور پانی اپنے ہاتھوں سے ملا کر ٹھونکیں مارتا ہے اور اندھوں کے منہ پر خود ہاتھ پھیرتا ہے اور مردوں کو خود ٹھونک مارتا ہے اور خود لوہے کو موم بنا کر اپنے ہاتھوں سے زہر میں اور زنجیر میں بناتا ہے اور خود حیوانات و جنات سے ظلم کرتا ہے۔ اس قسم کے ہزار معجزات ہیں جو ہم انشاء اللہ باب المعجزات میں تحریر کریں گے عقل سلیم فیصلہ کرتی ہے کہ خداوند عالم خود یہ کام نہیں کرتا؛ لہذا وہ صرف خالق قوت ہے اور خلق بھی ایک فعل ہے لہذا قائل خلق قوت اعجاز ہے۔

اور چونکہ انبیاء علیہم السلام بھی تو بندگانِ خدا ہیں اور عبودیت کے اسے مراتب پر فائز ہیں اور اپنے افعال میں با اختیار ہیں مجبور نہیں ہیں ورنہ حالت جبر میں ان کے لئے کوئی فضیلت ہی نہیں رہے گی جیسا کہ ہم ابھی اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر کریں گے۔ لہذا خداوند عالم خود قائل معجزہ نہیں ہے بلکہ قوت معجزہ کا خالق ہے اور حضرات انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام اس قوت کے آثار دکھانے والے ہیں اور خود اس کے قائل ہیں لہذا معجزہ حقیقی طور پر فعلِ نبی و امام ہے اور مجازی طور پر فعلِ خدا ہے۔ کیونکہ وہ خالق قوت معجزہ ہے نہ کہ قائل معجزہ۔ اور یہ فیصلہ اس وقت کے لئے ہے جبکہ صدور خرق عادتِ نبی و امام سے ہو۔

جس طرح ہماری قوت فعل کا خالق ہے اور اس قوت سے کام لینے والے ہم خود ہیں جس کے خالق ہم خود ہیں اور اسی پر جزا و سزا ہے۔

معجزہ فعلِ نبی و امام ہے، اگر معجزہ فعلِ نبی و امام تسلیم نہ کیا جائے گا تو جب بھی ظہورِ معجزہ ہوگا تو کوئی بھی غیر نبی و غیر امام یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ معجزہ میرے لئے نبی و امام پر ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ جب فعلِ معجزہ فعلِ خدا

ہے اور نبی کو اس فعل میں کوئی مدخلیت ہی نہیں ہے تو نبی وغیر نبی مساوی ہیں۔ پھر نبی کو یہ حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اس معجزے کو اپنے لئے دلیل تصدیق قرار دے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ فعل معجزہ میں نبی کو مدخلیت حاصل ہے۔

نبی و امام کی عادت اُمت کے لئے خرق عادت

انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام خدا کی عطا کردہ اور خلق فرمودہ قوت کو خود استعمال کرتے ہیں لہذا اس قوت کا استعمال اور اس قوت کا عملی طور پر اظہار نبی و امام کا فعل ہے اور یہ ان کا عادی فعل ہے یعنی حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام تک اور پھر حضرات مصوبین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ تک مسلسل یہ افعال ان سے صادر ہوتے رہے جو ان کے لئے عادت مستحضر ہیں۔ مگر چونکہ یہ قوت اعجاز اُمت کو نہیں عطا کی گئی تھی اس لئے اُمت کے لئے یہ افعال خرق عادت ہیں اس لئے اُمت کو تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس امر پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ان حضرات میں جو قوت ہے وہ ہم میں نہیں ہے۔ اور یہی جداگانہ نوع کی دلیل ہے۔

اس مقصد کو جناب محسن اسلام صاحب عماد الاسلام نے اس طرح تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:-
ان المعجزات وان كانت خرق العادة بالنسبة الى غير الانبياء والاوصياء
لكن بالنسبة اليهم عادة مستمرة من لدن آدم الى خاتم الاوصياء
(عماد الاسلام ص ۱)

بالتحقیق معجزہ اگرچہ خرق عادت ہے یعنی جو عادتیں اشیاء عالم کے لئے معتن و مقرر ہیں، ان کے خلاف ہے مگر یہ خلاف عادت غیروں کے لئے ہے مگر ان حضرات کے لئے خرق عادت نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی عادت مستمرہ جو آدم علیہ السلام سے حضرت خاتم الاوصیاء امام آخر الزمان عجل اللہ فرجه تک مسلسل ان کی عادت ہے۔ (عماد الاسلام)
اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد مؤلف کو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ جو افعال ان ذوات مقدسہ کی عادت مستمرہ ہیں وہی افعال ہمارے لئے معجزہ ہیں۔ اور درحقیقت یہ معجزات ان ذوات مقدسہ کے کمال ذات کے آثار ہیں اور ان ہی آثار کی وجہ سے ان کے اقوال کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ محسن اسلام نے عماد الاسلام ص ۱ پر درج کیا ہے۔

لہذا یہ حضرات جداگانہ نوع ہیں اور اسی کمال ذاتی کا ایک اثر یہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے اجسام مظہرہ کا سایہ نہیں ہے اور یہ حضرات جس طرح سامنے دیکھتے ہیں اسی طرح عقب میں دیکھتے ہیں۔ اور ان حضرات کی آنکھ سوتی ہے مگر دل نہیں سوتا ہے۔ یہ تمام علامات ان حضرات کے کمال ذاتی کے آثار ہیں اور یہ کمال جو ہر ذاتیں

داخل ہے۔ چنانچہ علامات امام میں اس کا ذکر موجود ہے اور کتب حدیث میں آئمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے:-

ونتنام عینہ ولا ینام قلبہ ولا یكون له فیئ ویزی من خلفہ کما یری من بین یدیدہ وقال الصدوق رحمۃ اللہ علیہ لا یكون له فئ لاند مخلوق من نورہ اللہ۔ (بحار الانوار ج ۲۶)

یعنی علامات امام میں سے یہ ہے کہ ان کا دل نہیں سوتا ہے آنکھ سوتی ہے اور ان کا سایہ نہیں ہوتا ہے اور وہ اپنے عقب اور پشت کے اشیاء کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح اپنے سامنے کے اشیاء کو۔ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ امام کا سایہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ نور خدا سے خلق ہوا ہے۔ (بحار)

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہو گیا کہ یہ خوارق عادات ان ذوات مقدسہ کے آثار ہیں اور ان حضرات کی عادت مستقرہ ہیں۔ اب اگر یہ قوت خرق عادت وقتی ہوتی تو کبھی سایہ ہوتا اور کبھی نہ ہوتا اور کبھی آگے پیچھے دیکھتے اور کبھی نہ دیکھتے اور کبھی دل سوتا اور کبھی جاگتا۔

مگر ایسا نہیں بلکہ یہ خرق عادت ان ذوات مطہرہ کی عادت مستقرہ ہے جو ہمہ وقت موجود ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آثار مذکورہ وقتی قوت و عارضی طاقت نہیں ہے بلکہ ان کی ذات میں داخل ہے اور فطرت نوریہ بشر میں یہ کمال نہیں ہے۔ لہذا نوریہ بشر ان کی نوع نہیں ہے۔ آنحضرت کی حدیث سابقہ الذکر کا یہی مطلب ہے کہ طہارے بشر میں یہ کمال نہیں ہے اور ان حضرات میں موجود ہے اسی لئے بشر انہی عاجزی تسلیم کرتا ہے۔ اس کی تائید امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث مبارک سے ہوتی ہے:-

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا یونس ان الامام ینخلقه اللہ بیدۃ لایلیہ احد غیرہ وهو جعلہ یسمع ویبصر فی بطن امہ۔ (بحار الانوار ج ۲۶)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یونس با تحقیق امام کو خدا خود اپنے دست قدرت سے پیدا کرتا ہے اور خدا کے سوا اس کی خلقت میں کسی دیگر ہستی کا تعلق نہیں ہوتا اور خدا اس کی پیدائش میں اُسے ایسا بنا دیتا ہے کہ وہ شکم مادر ہی میں سُٹنے اور دیکھنے لگتا ہے۔

اس ارشاد حق بنیاد سے بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خدا و عالم نے حجۃ اللہ کی خلقت میں ایسی قوت رکھ دی ہے کہ جس کے ذریعہ وہ شکم مادر ہی میں دیکھتا اور سُٹتا ہے۔ کیا یہ ان حضرات کی خلقت جدا گانہ کی دلیل نہیں ہے؟ اور جب ان کی تخلیق ہی میں وہ جوہر پیدا کر دیا جاتا ہے جس کے آثار شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہیں تو مولف صاحب کی اور ان ذوات مقدسہ کی نوع سے کس طرح ایک ہو گیا؟ اور

شکمِ مادرِ بی میں خرقِ عادت کا ظہور ہونے لگا؟ ابھی تو عالمِ شہود و ظہور میں بھی نہیں آئے؟ اور کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا؟ لہذا ان حضرات کی خلقت میں جداگانہ قوت موجود ہے اور یہی وہ کمال ذاتی ہے جس کے آثارِ خوارقِ عادات ہیں۔ یہ وقتی نہیں ہے اور نہ عارضی طور پر دی گئی ہے بلکہ بدو فطرت میں وضع کر دی گئی ہے۔ اور اس قوت کا حقیقی خالق خدا ہے اور اس کو بروئے کار لانے والے خود یہی حضرات ہیں۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ معجزہ کی قوت کا خالق خدا ہے اور فاعل نبی و امام ہے۔ خدا خالقِ قوت بالتحقیق ہے اور نبی و امام فاعلِ فعل بالتحقیق ہیں۔ لہذا فعلِ معجزہ کی نسبت امام و نبی کی طرف ”من باب المجاز“ نہیں بلکہ ”من باب التحقیق“ ہے۔ اور خلقِ قوتِ معجزہ کی نسبت خدا کی طرف ”من باب التحقیق“ ہے مگر فعلِ معجزہ کی نسبت ”من باب المجاز“ ہے۔

افعال کا علم سابق دلیل علت نہیں

اب ایک اعتراض باقی رہ گیا کہ خداوند عالم تمام افعالِ عباد کا عالم ہے اور اس کا علم غلط نہیں ہوتا لہذا جیسا اس کا علم ہے ویسے ہی افعال صادر ہوں گے کیونکہ اگر مطابق علم خدا صادر نہ ہوں تو علم خدا کا جہل سے تبدیل ہو جانا لازم آئے گا لہذا افعالِ عباد کا مطابق علم خدا واقع اور صادر ہونا ضروری ہے اور نیکے دیکھنے پر مجبور ہیں جیسا اس کا علم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا علم اپنے معلومات کے مطابق ہوتا ہے اور درحقیقت بطورِ عکس ہوتا ہے جیسے کسی صورت کی تصویر ہوتی ہے اور معلومات کے حدوث میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ خود مطابق معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے علم کی صحت و عدم صحت کا دار و مدار معلومات کی مطابقت پر موقوف ہے۔ اگر وہ مطابق واقعات ہے تو صحیح ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو غلط اور جہالت ہے۔ علم کبھی معلوم کے لئے علت وجود نہیں ہوتا جیسا کہ محسنِ اسلام صاحبِ عبادِ اسلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس مقصد کو عمادِ اسلام میں تحریر فرمایا ہے:-

ان علم اللہ تعالیٰ و علم الانبیاء والاوصیاء بالکائنات المستقبلة تابع
للكائنات علی ماھی علیہ حکایۃ محضۃ لیس لہ دخل باصلافی وجودہا
فہو وان کان مقدما بالزمان علی الكائنات تابع وظل لها بحسب
الحقیقہ فاعلم المتعلق بافعال العباد الاختیاریۃ الکائنۃ فی
المستقبل المقدم علیہا بالزمان لا ینخرجہا عن كونہا اختیاریۃ
لانہ تابع متاخر بحسب الترتیب عنہا ولذا اتری انہ یصم ان یقال
علم اللہ ان نہ یدان سیفعل کذا لانہ سیفعل کذا ولا یصم ان یقال
سیفعل نہ یدکذا لانہ علم اللہ انہ سیفعل کذا وان شئت تقول

ويعلم كل واحد في التهانر سبهي الليل لان الامر كذا الك و يعلم كل من له معرفة بالحركات واوصناع الشمس والقمر انهما سينكسفان في اوقات معينة لان الامر كذا الك لان علمه العارف علة لهذا الانكساف والاختساف - (عماد الاسلام ص ١٢)

جان لو اور سمجھ لو کہ خدا کو اور انبیاء و اوصیاء کو آئندہ ہونے والی چیزوں کا جو علم ہوتا ہے وہ ان چیزوں کی اپنی واقعی حالت کے تابع ہوتا ہے اور یہ علم ان چیزوں کا عکس ہوتا ہے ان چیزوں کے وجود اور ان چیزوں کے خصوصیات میں اس علم کی کوئی دخلیت نہیں ہے اگرچہ یہ علم زمانہ اور وقت کے لحاظ سے مقدم ہے اور وہ چیزیں مؤخر ہیں لیکن یہ علم درحقیقت ان چیزوں کا عکس ہے اور تابع ہے۔

لہذا بندگان خدا کے اختیاری افعال جو آئندہ ہونے والے ہیں ان کا علم زمانہ کے اعتبار سے مقدم ضرور ہے مگر اس علم کی وجہ سے وہ اختیاری افعال اختیاری ہی رہتے ہیں ان کا اختیار بندوں سے سلب نہیں ہو جاتا ہے کیونکہ وہ علم باعتبار مرتبہ مؤخر ہے اور باعتبار زمانہ مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو علم ہے کہ زید آئندہ یہ کام کرے گا اور اگر تم چاہو تو اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ ہر انسان کو دل کے وقت یہ علم ہے کہ رات آئے گی کیونکہ رات کا آنا واقعی امر ہے نہ کہ اس کے علم کی وجہ سے رات آئے گی۔ اسی طرح جن لوگوں کو علم نجوم وغیرہ حاصل ہے وہ بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت آفتاب اور ماہتاب کو گہن لگے گا کیونکہ گہن لگنا واقعی امر ہے مگر گہن ان کے علم سابق کی وجہ سے نہیں لگا ہے۔

محجرہ کا ذبیحہ، نماز جماعت، اور زکوٰۃ دینا حرام ہے

ہمارے ان دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے ثابت ہو گیا کہ نبی و امام میں قوت فوق عادت ان کی تخلیق ہی میں میخانہ اللہ و وحیت کی جاتی ہے جس کا خالق خود خدا ہوتا ہے اور اس کا استعمال نبی اور امام کے ہاتھوں ہوتا ہے اور یہی طرح ہے کہ جس طرح دیگر عباد خدا میں قوت عمل کا خالق خود خدا ہے۔ اور یہ قوت عمل ان کی تخلیق میں ودیعت کرتا ہے اور اس کا استعمال بندگان خدا خود اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے ہیں پس اگر وہ اعمال و افعال مطابق شیعیت و ارادہ خدا ہوں تو اطاعت و فرمانبرداری کہلاتے ہیں اور اگر خلاف ہوں تو معصیت و نافرمانی کہلاتے ہیں اور ان دونوں صورتوں میں بندگان خدا با اختیار ہوتے ہیں اور وہی ان افعال کے باعث خالق ہوتے ہیں لہذا نبی و امام بھی اپنے قوت اعجاز کے استعمال میں با اختیار ہوتے ہیں اور خود ہی اس قوت

کو استعمال میں لاتے ہیں مجبور نہیں ہوتے۔ اس قوت کا استعمال مطابقت مشیت و ارادۂ خدا کرتے ہیں اگرچہ ان کو خدا کے ارادہ و مشیت کے خلاف استعمال کی قدرت ہوتی ہے مگر ایسا کرتے نہیں ہیں کیونکہ مخالفت خدا کو گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ فعل ان کی طرف بالحقیقت منسوب ہوتا ہے اسی لئے لائق مدح اور سختی جزا ہوتے ہیں۔ یہ فعل نبی و امام خدا کی طرف من باب المجاز منسوب ہوتا ہے۔

لہذا جو لوگ ان افعال کو خدا کی طرف بالحقیقت منسوب کریں اور انبیاء و اوصیاء اور بندگان خدا کی طرف ”من باب المجاز“ کی نسبت دیں یہی لوگ مجبرہ ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے آل محمد علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کا ذبیحہ حرام ہے اور ان کی اقتداء میں نماز باجماعت بھی ناجائز ہے اور ان کو زکوٰۃ دینا بھی گناہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے

قال الرضا عليه السلام حدثني ابي موسى بن جعفر عن ابيه جعفر بن محمد عليه السلام انه قال من نزع ان الله يجبر عباده - على الماضي ويكلفهم ما لا يطيقونه فلا تاكلا ولا شربا ولا تقبلوا شهادته ولا تصلوا و امرائه ولا تعطوه من الزكوة شيئا - (احتجاج طبرسی ص ۱۲)

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث مجھ سے بیان فرمائی کہ جو شخص بندگان خدا مجبور سمجھے اور ان کے افعال کی نسبت خدا کی طرف دے اور اسی طرح یہ کہے کہ خدا نے بندوں کو ناقابل برداشت تکلیف دی ہے تو اس کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اس کی گواہی قبول نہ کرو اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو اور اس کو بالکل زکوٰۃ نہ دو۔

اس ارشاد امام سے بالکل واضح ہے کہ یہ مجبرہ مسلمانوں ہی میں سے ہیں کافروں میں سے نہیں ہیں۔ ورنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کو زکوٰۃ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی تفسیر علی بن ابراہیم قمی سے تحریر کی جا چکی ہے کہ مجبرہ وہ لوگ ہیں جو افعال عباد کی نسبت خدا کی طرف حقیقی اور عباد کی طرف مجازی کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ قرآن کی آیتوں کے صحیح معنی سے جاہل ہیں۔

اب مولف صاحب اپنے ”من باب المجاز“ اور مجاز پر نظر ثانی کریں اور محمد و آل محمد علیہم السلام کو نہ عباد اللہ کی صف سے خارج کریں اور نہ ان کے افعال کو مجبرہ افعال قرار دیں۔ کیونکہ افعال معجزانہ ان کی عادتیں اور ان کی قوتوں کے آثار ہیں اور ان کے کمال نفوس کی دلیل ہیں اور ان کے اقوال کی تصدیق ہیں۔ لہذا جب تک یہ لوگ اپنے مذکورہ حقیقی اور مجازی والے عقیدہ کو تبدیل نہ کریں اور ان حضرات کو اپنے افعال اختیار یہ کا حقیقی قائل تسلیم نہ کریں اور من باب المجاز سے تو یہ نہ کریں اس وقت تک ان کو زکوٰۃ دینا حرام، ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام، ان کا ذبیحہ حرام، ان کی شہادت مردود ہے۔ لہذا امویاں ان اہلبیت عظام و مومنین کرام و شیعان جناب

امیر علیہ السلام ان لوگوں سے دریافت کر لیں کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کو با اختیار فاعل تسلیم کرتے ہیں یا مجبور۔ اور ان کے عادی افعال جو اہمیت کے لئے غیر عادی ہیں ان کا فاعل حقیقی ان ذوات مقدسہ کو سمجھتے ہیں یا میں باب الجہاز فاعل سمجھتے ہیں۔

اگر یہ لڑکے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے معجزات کو ان ہی حضرت کا فعل نہ سمجھتے تو فوراً امام معصوم علیہ السلام کے حکم پر عمل کریں اور اُن سے اپنے دینی تعلقات ختم کر دیں ورنہ آپ کے اعمال باطل ہوں گے اور اموال ضائع ہوں گے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی نافرمانی ہوگی۔

ولایت اہلبیت ولایت خدا ہے

قال امیر المؤمنین علیہ السلام من شک فی ولایتی فقد شک فی ایمانہ ومن اقر بولایتی فقد اقر بولایت (اللہ عزوجل ولایتی متصلہ بولایت اللہ کھاتین وجسم بین اصبعیہ یا اصبع من اقر بولایتی فقد فاؤ من انکوز ولایتی فقد خاب وخسر وہو فی النامہ۔) (احتجاج طبرسی ص ۱۱۱)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے میری ولایت میں شک کیا اس نے درحقیقت اپنے ایمان میں شک کیا۔ اور جس نے میری ولایت کا اقرار کیا اس نے درحقیقت خدا کی ولایت کا اقرار کیا کیونکہ میری ولایت خدا کی ولایت سے متصل ہے جس طرح یہ میری دو انگشت (حضرت نے دو انگلیاں ملا کر دکھایا۔)

اے اصغیر بن نباتہ جس نے میری ولایت کا اقرار کیا وہ فائز المرام ہو گیا اور جس نے میری ولایت کا انکار کیا وہ خائب و خاسر ہوا اور جہنم میں گر گیا۔

غضب و رضائے اہلبیت غضب و رضائے خدا ہے

قلنا اسفونا انتقمنا منهم فاغرقناهم اجمعین۔ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا کہ ہم نے سب کو غرق کر دیا۔ (سورۃ زخرف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

خداوند عالم ہماری طرح غصہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء پیدا کئے ہیں کہ وہ غصہ غضب کرتے ہیں اور راضی و خوشنود ہوتے ہیں اور وہ خدا کے مخلوق و مربوب ہیں۔ خداوند عالم نے ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کے غضب کو اپنا غضب قرار دیا ہے اور یہ اس لئے کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو خود اس نے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور اپنی

ذات کی معرفت کرانے والا قرار دیا ہے اس لئے ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ غضب و رضا کو ذات سے اس طرح تعلق رکھتے ہیں جس طرح ہمیں غصہ آتا ہے اور ہم خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ادیا کے آئینہ خود اس کی ذات کے آثار پر دلالت کرتے ہیں اور خدا نے سمجھایا۔ ہے کہ جو شخص میرے ولی کی بات کرے گا تو اس نے مجھ سے جنگ کا اعلان کر دیا اور مجھے دعوت جنگ دے دی۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص میرے سفیر کی اطاعت کرے گا اس نے میری اطاعت کی۔ اور فرمایا ہے کہ جو لوگ بلے رسول آتے تم سے بیعت کرتے ہیں وہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان سب آیات کے وہی معنی ہیں جو میں نے تمہیں بتائے ہیں۔ اور اسی طرح رضا و غضب اور اس کے امثال ہیں یعنی نصرت و مدد مشکل کشائی و حاجت برداری وغیرہ، اور اگر غصہ اور ملال خود اس کی ذات میں ہو تا کہ جس نے خود ہی غصہ و ملال کو پیدا کیا ہے تو کہنے والے کے لئے یہ جائز و درست ہو گا تاکہ وہ بول کہ میں نے خدا ایک دن فنا ہو جانے کا کیونکہ جب اس میں غصہ اور ملال داخل ہو گیا تو تغیر داخل ہو گیا اور جب تغیر داخل ہو گیا تو فنا سے محفوظ نہیں رہا۔ اور اگر ایسا ہی ہو تا تو موجود کرنے والا اور جن کو موجود کیا گیا ان دونوں میں فرق نہ رہتا اور نہ قادر و مقدر میں فرق رہتا اور نہ خالق و مخلوق میں فرق رہتا۔ خداوند عالم اس سے اہل و ارفع اور بلند و بالا ہے وہ ہر شے کا خالق ہے مگر اپنی جت کے لئے نہیں۔ اور جب اس کا کوئی فعل اپنی کسی حاجت کے لئے نہیں ہے تو اس کے لئے حد و کیف محال ہے (یعنی اس کے لئے نہ کوئی ذاتی حد بندی ہو سکتی ہے اور نہ کیفیت و حالت ہی اس کے لئے ہو سکتی ہے) اس کو مجھو لا یادر کو انشاء اللہ (تفسیر صفائی)

معنی معجزہ اور اس کے اقسام

مؤلف صاحب اور ان کے ہمنوا لوگوں نے درحقیقت معنی معجزہ ہی کو نہیں سمجھا ہے اور ان کا معنی لغوی اور معنی عرفی کا بھی فرق معلوم نہیں ہے۔ کتابوں کے ترجمے لکھ کر مصنف ہی جانا اور چیز ہے اور اصل حقیقت کو عقل و ظلم کی روشنی میں کا حق سمجھنا اور شے ہے۔ یہ غلطی اسی طرح صادر ہوئی ہے جس طرح بعض فلاسفہ نے لفظ اسلام "ہر جگہ مسلمان کے معنی میں سمجھ لیا ہے حالانکہ اسلام شرعی اور چیز ہے اور اسلام لغوی اور شے ہے۔ انہوں نے ہر مقام پر لفظ اسلام کے مشتقات کا ترجمہ مسلمان کے معنی کو پیش نظر رکھ کر کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعائیں یہ لفظ ہے: "ربنا و اجعلنا مسلمین" لکھا اس کا ترجمہ کر دیا کہ اسے پالنے والے تو ہمیں اپنا مسلمان بنا۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حضرات نبی ہیں اور پھر دعا کر رہے ہیں کہ مسلمان بنا تو کیا ابھی مسلمان نہیں بنے ہیں؟ یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ

اسلام کے معنی لغوی مراد ہیں یعنی توہمیں صرف اپنا فرمانبردار بننا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر صرف تیری ہی فرمانبرداری عائد ہو کوئی اور ہم پر حاکم نہ ہو کہ جس کے ہم مطیع و فرمانبردار بنیں۔ یعنی تیرے اور ہمارے درمیان میں کوئی تیسرا حاکم نہ ہو بلکہ واسطہ تیرے ساتھ ربط و واسطہ ہو اور ہم تیرے درمیان اور تیری مخلوقات کے درمیان واسطہ ہوں اور اسی درجہ کے حامل ہماری ذریت میں بھی پیدا کر دے کہ وہ بھی تیرے سوا کسی کے محکوم نہ ہوں۔ پس تو ہی ان پر حاکم ہو۔ اور نیزہ دُعا قبول ہوئی اور ذریت مسلمہ خدائے عطا کی جس کے لئے "امۃ مسلمۃ لک" کے الفاظ موجود ہیں یعنی یہ جماعت صرف تیری ہی فرمانبردار ہو کوئی اور ان پر حاکم نہ ہو اور ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان ہی میں آئے اور پھر تمام عالمین کا حاکم و ہادی قرار پائے اور وہ اس جماعت کا گواہ ہو اور یہ حضرات تمام انسانوں کے لئے گواہ ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم نے ابراہیم و اسماعیل کی ذریت میں محمد و آل محمد علیہم السلام کو پیدا کیا جو اس دُعا کے مصداق قرار پائے۔ مگر عام لوگوں نے اسلام کے معنی شرعی سمجھ کر تمام مسلمانوں کو امامۃ مسلمۃ لک میں داخل کر لیا، اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے لئے نبی ہونے کے باوجود مسلمان بننے کی خواہش کا دُعا کو قرار دے دیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے "فلما استسلمنا" جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب الہامی پر عمل کیا اور اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر برائے ذبح لٹایا تو خدا نے یہ لفظ فرمائے ہیں۔ اس کا ترجمہ عام لوگوں نے یہ کر دیا کہ جب وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ خواب الہامی کی فرمانبرداری سے اس کا تعلق ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم کی جب فرمانبرداری کی۔ نہ کہ مسلمان بن گئے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے "ولما استسلم من فی السموات ومن فی الارض" اس کا ترجمہ بھی اسلام شرعی کر دیا ہے یعنی خدا کے سامنے آسمان والے اور زمین والے سب مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ یہاں بھی اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی خدا کی قوت و قدرت کے سامنے تمام اہل آسمان و زمین سر جھکائے ہوئے ہیں۔

یہی حال ہمارے مؤلف صاحب کا ہے جو تالیف و تصنیف کے شوق میں عربی و فارسی کی کتابیں سامنے رکھ کر اردو ترجمہ کر کے مصنف و مؤلف بننا چاہتے ہیں اور عوام کو متاثر کرتے ہیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں۔ حالانکہ علم و حقیقت وہی ہے جو محمد و آل محمد علیہم السلام سے حاصل ہوا ہو۔ باقی سب جہل ہے۔ کیونکہ علم حقیقی وہی ہے جو خدا نے ان کو عطا فرمایا ہے اور ان حضرات کا ہمیں تعلیم دینا ہدایت کہلاتا ہے نہ کہ علم حقیقی۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم معجزہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں جو نزاع و اختلاف ہے وہ رفع ہو جائے اور حقیقت اپنی آب و تاب کے ساتھ ہمارے سامنے منکشف ہو جائے۔

لغت میں اعجاز کے معنی کسی کو عاجز کر دینا ہیں اور اسی کا اسم فاعل معجز ہے یعنی عاجز کر دینے والا اور اسی لفظ معجز میں حرف "ت" کا آخر میں اضافہ کیا گیا ہے جس کے بعد یہ لفظ "معجزہ" بنا ہے اور

یہ حرفت "یا اسی" ہے یعنی اس حرفت کی وجہ سے یہ لفظ اسم بن گیا ہے۔ یعنی جس سبب سے دوسروں کو عاجز کیا جائے اس سبب کو معجزہ کہتے ہیں۔ اور اگر یہ حرفت مباخرہ کے لئے ہے تو اس کے معنی ہیں زیادہ عاجز کرنے والا۔ جیسے غلام کے معنی ہیں اچھا خاصا جاننے والا۔ اور جب آخر میں حرفت بڑھا دیا جائے گا، تو یہ لفظ علامۃ بن گیا یعنی بہت زیادہ جاننے والا۔ تو اس صورت میں معجزہ کے معنی بہت زیادہ عاجز کرنے کر دینے والا ہوں گے۔ اور اس کا استعمال کسی میں احساس عجز پیدا کرانے کے لئے بھی ہوتا ہے یعنی معجزہ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ کسی مقابل کو عاجز کرنے کے لئے، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر مد مقابل کوئی بھی نہیں ہے نہ نبی اس میں خلعت و مصلحت یہ ہے کہ جو دیکھ لیں گے وہ متاثر ہوں گے اور ان کو صاحب معجزہ کی عظمت و صداقت کا علم ہو سکے گا۔ اور اگر وہ کافر ہوں گے تو انہیں غور و فکر کا موقع ملے گا کہ اگر مومن ہوں گے تو ایمان و معرفت میں زیادتی ہوگی۔ لہذا معجزہ کو صرف مد مقابل کی شکست ہی کے لئے محدود کر دینا نا فہمی اور نا لائق ہے۔ بلکہ اس قسم کا وہ جو کبھی کبھی ہوگا جبکہ کوئی مقابلہ میں آئے گا اور معجزہ طلب کرے گا اور اس وقت اس مقابل کو شکست دینے کے لئے دکھایا جائے گا اور اس صورت میں اس کا وجود غالباً ہوگا معجزہ عظمت معجزہ نما کی خاطر اس کا ظہور ہر وقت ہوتا ہے تاکہ کافر اور مومن دونوں کو اس سے استفادہ کا موقع ملے اور غور و فکر کا سبب قرار پائے۔

لہذا معجزہ کو صرف مقابلہ ہی کے لئے محدود کرنا غلطی ہے بلکہ معجزہ کا وجود ہر حال میں ہونا ضروری ہے تاکہ صاحب معجزہ کے ہر حال میں حجت خدا ہونے کا ثبوت قائم رہے اس کے حجت ہونے کے لئے مد مقابل کے آنے کا انتظار نہ ہو ورنہ اگر کوئی مد مقابل طالب معجزہ بالکل ہی نہ آئے گا تو اس کا حجت اللہ ہونا ہی ثابت نہ ہوگا پس جو لوگ متلاشی حق ہیں اور ہادی کا جستجو کرتے ہیں اور خود شناخت کی صلاحیت رکھتے ہیں اور مقابلہ کو ذہنی پستی سمجھتے ہیں تو ان کے لئے ہادی کی پہچان، منعقد ہو جائے گی۔ اور ایسے انسانوں کی تعداد کثیر ہوتی ہے لیکن متعصب اور ضدی لوگ مولف صاحب کی فحاش کے شاذ و نادر ہوتے ہیں۔

نہی معنی کے لحاظ سے معجزہ کی کثرت رحمت خدا ہے اور ہر شخص کو ہدایت حاصل کرنے کی عملی دعوت ہے اور رہنمائی شناخت کا بہترین سبب ہے۔ اسی لئے علمائے اسلام نے بلا اختلاف مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی تعداد لا تحصى لکھی ہے یعنی جن کا شمار ہی ناممکن ہے۔ کیونکہ قدم قدم پر معجزہ پایا جاتا ہے بلکہ خود قدم مبارک ہر وقت معجزہ ہیں۔ سنگ خارہ پر قریش قدم ابھرتے ہیں اور ربک نرم پیرا قدم محسوس ہی نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ جہاں سے گزر جاتیں وہ راستے اور کوچہ بازار معطر ہوجاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نمازیوں کو ہدایات دیتے ہیں کہ رکوع و سجود میں مجھ سے سبقت نہ کر دیکونکہ میں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ یہ وہ معجزات ہیں جو آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے وابستہ ہیں اور کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے۔ اور یہ سب آثار ہیں اس ذاتی کمال کے کہ جس کو بشریت

کے ساتھ ملا کر علیحدہ نوع بنایا گیا ہے۔
مجھے مولف صاحب پر تعجب ہے کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر وقت اگر معجزات ہوں گے، تو
دربار رسالت تماشہ خانہ بن جائے گا۔ (اصول الشریعہ ص ۱۳۳)۔ ناظرین کرام یہ کس قدر توہین آمیز حرکت
ہے اور خبیث باطن کی دلیل روشن ہے۔

مولف صاحب کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ معجزات کسی مقابل کی شکست ہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ
صاحب معجزہ کی عظمت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے۔ کیا آنحضرتؐ کی معراج معجزہ نہیں ہے اور ایسا معجزہ
کہ جس پر ایمان لانا ضروریات دین میں داخل ہے، یہ کس قدر مقابل کو شکست دینے کے لئے ظہور
میں آئی تھی۔ ان لہر قسم فالعن علیہ۔

بہر حال ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ معجزہ کبھی اثبات حق کی خاطر مقابل کو شکست دینے
کے لئے ہوتا ہے اور کبھی صرف اظہار حق و عظمت صاحب معجزہ کے لئے۔ معجزہ کے لغوی معنی کے بعد
ایک ضروری مطلب کو اجاگر کرنا بھی ہم لازمی سمجھتے ہیں۔ اور وہ نوعیت عجز ہے۔ یعنی لوگوں کے عاجز
ہونے کا مطلب کیا ہے۔ کیونکہ ہر قوی کے مقابلہ میں ضعیف عاجز ہوتا ہے۔ ہر عالم کے مقابلہ میں جاہل عاجز
ہوتا ہے۔ ہر کامل کے مقابلہ میں ناقص عاجز ہوتا ہے۔ تو کیا معجزہ کا مطلب یہی ہے کہ حکیم اپنے فن طب کی
وجہ سے مریض کو عاجز کر دے اور نبی بن جائے اور مدرس اپنے علم سے طالب علم کو عاجز کر دے اور رسول
بن جائے اور ایک قوی ضعیف کو عاجز کر کے امام بن جائے۔

نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی و امام خرق عادت کر کے دکھائیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند
عالم نے اشیائے عالم کے لئے جو فطری عادتیں مقرر فرمائی ہیں ان عادتوں کو تبدیل کر دیں۔ مثلاً سنگ پتھر
فطری طور پر تسبیح نہیں پڑھ سکتے وہ سیرج پڑھنے لگیں۔ جانور فطری طور پر باتیں نہیں کرتے وہ باتیں کہنے
لگیں۔ درخت اپنے وقت پر پھل دیتے ہیں، وہ بلا فصل بلا انتظار شگوفہ دگل اور پھل دینے لگیں۔ بشر نابینا
فطری طور پر خود بخود دینا نہیں ہوتا، ہاتھ پھیرنے سے بغیر دوا و علاج دینا ہو جائے۔ مچھلیاں فطری طور پر
خشکی میں نہیں آتیں، وہ جل کے بغیر صرف پکار پر دیر یا چھوڑ کر خشکی میں آجائیں۔ فطری طور پر انگلیوں سے
چشمے جاری نہیں ہوتے مگر چشمے پہنے لگیں۔ ایک آدمی کا کھانا ہو اور ہزار آدمیوں کو سیر کر دیا جائے
گوشت زہر آلود خود فطری طور پر نہیں ہوتا۔ مگر بولنے لگے اور بتادے کہ مجھ میں نہر ہے۔ پتھر کے ٹکڑے
فطری طور پر پھل نہیں بنتے انہیں انگوڑ بنا کر لوگوں کو بہترین انگوڑہ کھلانے جاتیں۔ ریت کو آٹا بنا کر روٹیاں
تیار کر لیاں جاتیں۔ جو کڑی لہا کر خیر کا در لکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ مگر میں ستارہ اتار لیا جائے۔ آفتاب
کو پٹایا جائے۔ مسافروں کو چشم زدنی میں سینکڑوں میل پہنچا کر اہل خانہ سے باتیں کر کر اچھر واپس کر لیا جائے
یہ تمام امور خوارق عادت کہلاتے ہیں یعنی فطری عادت کے توڑنے والے۔

لہذا معجزہ کے لغوی معنی صرف مذمقابل کو عاجز کرنا یا لوگوں کی عاجزی کا ان کو احساس کرانا ہی نہیں ہیں بلکہ فطری عادات کو تبدیل کر دینا معجزہ ہے جس کے مصلح و حکم متعدد ہیں جیسا کہ کتاب لغت المنجد میں ہے: المعجزۃ امر خارج عن العادة یعجز البشر عن ان یا تو بمثلہ۔ یعنی معجزہ کے معنی وہ کمال ہے جو فطری عادات کو توڑ دے کہ تمام لوگ اس جیسا کرنے سے عاجز ہوں۔ جس میں یہ کمال ہوگا وہ صاحب معجزہ کہلائے گا۔

اگر مولف صاحب اس راز کو پالیتے تو انہیں نبی و امام کے دربار کو تماشہ گاہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی را اصول الشریعہ ص ۱۲۰ مگر یہ لوگ ان ذوات مقدسہ کو اپنی نوع کہتے ہیں اس لئے یہ گستاخ ہیں۔

معجزہ کے اصطلاحی معنی

معجزہ اصطلاحی اُس کمال کو کہتے ہیں کہ جو عادات ستموہ فطری کو توڑنے والا ہو اور نبی یا امام اپنے دعوئے نبوت یا امامت کے ساتھ ساتھ بطور چیلنج دکھائے اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور جس قسم کا چیلنج کرنے اس کے مطابق یہ کمال ظاہر ہو۔

یہ اصطلاحی معنی علمائے متکلمین نے اس لئے وضع کئے ہیں کہ جب نبی یا امام اظہار نبوت و امامت کے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سند سفارت پیش کرے کیونکہ سفیر کا ذب اور سفیر صادق کا فرق اسی صورت میں نمایاں ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس ایسی سند ہو جو سفیر بنانے والے کی جانب سے اس کی سفارت کا بین ثبوت ہو۔ لہذا اس سند سفارت کا تعلق اسی کی ذات کی طرف سے ہوگا جس کا سفیر ہے اور یہ سند اسی کی صوابدید پر مبنی ہوگی جس نے اپنا سفیر بنایا ہے لہذا سفیر کو اس سند میں مداخلت کا حق نہیں ہوگا بلکہ سفیر کا فرض ہوگا کہ وہ سند پیش کرے اور کار سفارت جاری کر دے۔ اب اگر مبعوث الیم (یعنی جن کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے) سند سفارت پر اعتراض کریں اور اپنی مرضی کی سند طلب کریں تو سفیر کا فرض ہے کہ وہ انہیں توجہ دلائے کہ میں جس کا سفیر ہوں وہ تمام شیب و فزاز کا جاننے والا ہے۔ وہ حکیم و عظیم ہے۔ وہ تمہارے تمام ضروریات زندگی کو جانتا ہے اور اس نے جو سند دی ہے اور جو بیانات بھیجے ہیں وہ بدرجہ اتم مکمل ہیں۔ ان سے بہتر ممکن ہی نہیں ہیں۔ لہذا اس نے تبدیلی کا حق رکھتا ہوں کیونکہ سفیر ہوں۔ اور نہ اُس سے اس کے خلاف مطالبہ کر سکتا ہوں کیونکہ اس کی حکمت بالغہ پر ایمان کامل رکھتا ہوں اور چونکہ میں سفیر ہوں لہذا میرا فرض بس اتنا ہی ہے کہ جو کچھ مجھے ہدایت میں ان پر عمل کر دوں اور اس سے تجاوز نہ کر دوں۔

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے سوالات کئے کہ آپ اگر خدا کے سفیر ہیں تو آپ ہمارے لئے زمین سے چٹھے جاری کر دیں یا آپ یہ کر دیں کہ مجھروں کا لہرا نگوں کا ایک بارغ ہو لہذا اس کے اندر آپ ہم پر ماری

کر دیں یا اپنے خیال کے مطابق ہمارے اُدھر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا خدا اور فرشتوں کو ضائع بنا کر لائیں یا اپنے لئے کوئی زرنکار محل پیش کریں یا آسمان پر چڑھ کر دکھائیے اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہماری گود میں کتاب نہ اتار دیں جس کو ہم خود پڑھیں گے۔ ان تمام مطالبات کا جواب خداوند عالم نے اپنے سفیر کو بس اتنا بتایا ہے کہ قتل سب حان ربی ہل گنت الایمنہ کرام سولہ۔ اے ہمارے سفیر! تم کہہ دو کہ خدا تمام عیوب سے منزہ و مبرا ہے۔ میں تو اس کا بشدی شکل میں سفیر ہوں۔“

اس جواب نے ان کے تمام مطالبات کو باطل کر دیا کیونکہ وہ اس کی عطا کردہ سند کو ناقص سمجھتے تھے اور اپنی خواہش کے مطابق سند کا مطالبہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے ان کے دونوں رُخ پیش نظر رکھ کر ایک جامع جواب ارشاد فرمایا پہلا رُخ یہ تھا کہ جو کچھ یہ رسول بطور سند پیش کر رہا ہے اس میں ہمارے نزدیک عیب و نقص ہے ہماری پسند کے خلاف ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ خداوند عالم ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے اس کی پیش کردہ سند میں عیب ممکن نہیں۔ یعنی قل سب حان ربی۔ تم کہہ دو میرا رب ہر عیب سے پاک ہے۔

دوسرا رُخ یہ تھا کہ تم اپنے کو رسول منوانا چاہتے ہو تو ہماری مرضی کے مطابق معجزات دکھاؤ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں تو سفیر ہوں اور سفیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی سند سفارت پیش کرے ورنہ پھر وہ سفیر ہی نہیں ہے۔ اور جبکہ وہ اس ذاتِ علیم و حکیم، تقدیر و خیر کا سفیر ہے جس پر وہ ایمان کامل بھی رکھتا ہے تو وہ نہ تبدیلی کر سکتا ہے نہ خود اپنی طرف سے کوئی سند پیش کر سکتا ہے۔ اس آیت کا پورا تعلق اور ربط اس سے متصل پہلی آیت کے ساتھ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے (سورہ بنی اسرائیل،

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لایاتون
بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا) ولقد صرفنا للناس فی هذا القرآن
من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا

اے ہمارے سفیر! کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن بھی اس کام پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل پیش کریں تو اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ اس کام میں باہمی مددگار بھی بن جائیں اور ہم نے تو اسی قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثل زندگانی دینا و آخرت کے لئے، مکرر بیان کر دی ہے پھر بھی اکثر لوگوں نے ناشکری کر کے انکار کر دیا۔

اس آیت میں خدا نے اپنی مجوزہ اور معینہ سند کا ذکر فرمایا ہے کہ ہمارا ثبوت اور ہماری سند جو ہم نے اپنے سفیر کو دی ہے وہ قرآن ہے جس کے لئے ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اس کا مثل لانے۔ یہ تمام جن و انس عاجز ہیں اور یہ معجزہ بھی ہے اور زندگی کا دستور العمل بھی۔ لہذا اس سے بہتر کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد ہی فرماتا ہے:-

وقالوا لنومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل
وعنب فتفجر الانهار خلالها تفيض اوتسقط السماء كما ترمي عينا
كسفا او تاتي بالثقة قبيلة او يكون لك بهت من نحرخرف او ترق
في السماء دلو نومن لوقيك حتى تنزل علينا كتابا نقره وقل سبحان من
هل كنت الا بشرا سو لا (نبی اسرائیل)

اور ان کافروں نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین
سے چشمے نہ جاری کر دیا تمہارا ایسا بارغ ہو جس میں خرمنے اور انگور ہوں اور اس کے درمیان
نہریں بہاؤ یا اپنے زعم کے مطابق آسمان کے ٹکڑے گر آو یا خدا اور فرشتوں کو صاف بنا
کر لاؤ یا تمہارا زرد نگار گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے پر بھی
ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم پر کتاب نہ آسارو جس کو ہم پڑھیں گے۔ اسے رسول کہہ دو
میرا رب ہر غیب سے پاک ہے اور میں تو صرف بشری شکل میں رسول ہوں۔

اس آیت کو پہلی آیت کا جواب سمجھئے۔ یعنی خدا کے قرآنی چیلنج کا یہ جواب کافروں نے دیا ہے۔ اب
ایک سوال باقی رہ گیا اور وہ بشریت رسول پر اعتراض تھا کہ اپنے سفیر کو بشری شکل میں کیوں بھیجا ہے؟
چنانچہ اسی آیت کے متصل ارشاد قدرت ہے جس میں کافروں کے اعتراض کو دہرایا گیا ہے:-

وما نمعن الناس ان یومنوا اذ جاءهم الهدى الا ان قالوا بعت الله بشرا
ما سولا اور جب ان کے پاس دلیل بین (کتاب اللہ) آچکی تو ان کو اس کے سوا اور کسی
چیز نے ایمان لانے سے نہیں روکا کہ کہنے لگے کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟
یعنی اب اعتراض یہ کیا کہ اگر رسول و سفیر بنایا ہے تو بشر کو کیوں بنایا ہے۔ اس کے جواب میں
خداوند عالم نے فرمایا:-

قل لوکان فی الارض ملائكة یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السماء
ملکا مرسولا۔

اے رسول! تم کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو یقیناً
ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔

یعنی رسول کو ہم نے اس لئے بشری شکل میں بھیجا ہے کہ بشر اپنے ہم شکل سے مانوس ہو کر استفادہ
کریں۔ اگر ہم اپنا رسول فرشتوں کے پاس بھیجتے تو اس کو فرشتوں ہی کی شکل میں بھیجتے۔
اس کے بعد مزید ثبوت کے لئے اس سے متصل یہ آیت ہے:-

قل کفی باللہ شہیداً بینکم انه کان بعبادہ خبیراً بصیراً
وہ رسولؐ ان منکروں سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (میری سفارت کا)
خداوند عالم کافی گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ظاہری اور باطنی حالات سے خوب
واقف ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ اس نے اپنی گواہی قرآن کو قرار دے کر کافی ثبوت فراہم
کر دیا ہے اور یہ ثبوت اس خیر و بصیر کا مجوزہ و معینہ ہے جس نے اپنے بندوں کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر
ان کے حالات کے مطابق بھیجا ہے۔

لہذا سفیر کے بارے میں نہ یہ قدر قابل قبول ہے کہ یہ بر شد ہے اور نہ وہ مطالبات منظوری کے
قابل ہیں جو اپنی ناقص رائے سے تجویز کر کے ہمارے رسولؐ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ کیونکہ
ان دونوں صورتوں کے قبول کرنے میں خدا کی تجویز پر نقص لازم آتا ہے۔ اور وہ ہر نقص و عیب سے
منزہ ہے۔

اب ہم کافروں کے ان مطالبات کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے جذا ب رسالتآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے بغیر غور و فہم حکمانہ لہجہ میں کئے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیمانہ جوابات دے کر
اسلامی قدروں کو اجاگر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل و براہین اسلام کے اُبلتے ہوئے چٹھے ہیں۔ جس کے
بعد ناصبیت اور وہابیت کی رُگ حیات قطع ہو جاتی ہے۔

اقتراحات کفار کے حکیمانہ جوابات!

سرکارِ دُوعالم کا مثالی مناظرہ

عربی زبان میں اقترح کے معنی ہیں مجھے سوچے سمجھے تکبر کے ساتھ مطالبہ کرنا۔ جس کی جمع اقتراحات ہے کافروں نے آنحضرتؐ سے تکبرانہ لہجہ میں بالآخر مطالبات کئے ہیں جن سے ان کی ہسٹ دھرمی اور ضد کا تہ چلتا ہے اور ہر صاحب عقل ایسے مطالبات کو کچ فہمی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

ہم ان اقتراحات اور ان کے جوابات کا مطلب خیر ترجمہ احتجاج علامہ طبرسی مذاہنا سے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے عرض کی کہ کیا ہمارے جد امجد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو دیوں اور مشرکوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے جبکہ یہ لوگ آنحضرتؐ سے عتاب آمیز سلوک کرتے تھے اور کیا دلائل و براہین سے ان کو مسکت جوابات دیا کرتے تھے؟

جناب امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں اکثر اور بار بار ایسا ہوا ہے۔ اور خداوند عالم نے قرآن مجید میں بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ خدا ان کے قول کی حکایت کرتا ہے:-

وَقَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا مَعْجُنًا مَسْحُورًا (سورة فرقان)

”اور کافروں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اُتتا۔ جو اس کے ساتھ ہی ڈرانے والا ہوتا یا اس کے پاس کوئی خوانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کھانے پینے کے لئے کوئی باغ ہی ہوتا اور ان ظالموں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگ اس سحرزدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔“ اور ان کافروں نے یہ بھی کہا:-

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ هُوَ عَظِيمُهُ وَقَالُوا لَنْ نَمُوتَ حَتَّىٰ تَنْفَعَنَا مِنْ الْأَمْرِ هُ يَنْبِئُ عَنِ الْقُرْآنِ (سورة نباہ)

اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور ان کافروں نے یہ بھی کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ زمین سے چٹنے نہ جاری کر دیں جس کے اندر نہریں بہتی ہوں۔ یہ مکمل آیت اور اس کا ترجمہ ہم پہلے

تحریر کر چکے ہیں،

اور پھر آنحضرتؐ سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر تم حضرت موسیٰؑ کی طرح نبی ہوتے تو آسمان سے ٹکڑے نازل کرتے یا ہمارے ان سوالوں کی سزا میں ہم پر بجلی گرا دیتے کیونکہ ہمارے سوالات و مطالبات تو قومؐ کو توں علیہ السلام سے بھی زیادہ شدت رکھتے ہیں۔

حضرت امام علیؑ نقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کے صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے اور سردارانِ قریش کی ایک جماعت وہاں موجود تھی جس میں ولید بن مغیرہ مخزومی اور ابوالبحتری بن ہشام اور ابو جہل بن ہشام اور عاص بن اُمّی سہمی اور عبد اللہ بن امیہ مخزومی اور ان کے میل ملاپ والے کافی تعداد میں موجود تھے اور اس وقت جناب رسولؐ خدا اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو قرآن پڑھا رہے تھے اور انہیں خدا کے امر و نہی کی تعلیم دے رہے تھے۔

اس وقت مشرکین نے باہمی گفتگو میں کہا کہ محمدؐ کی شان بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا معاملہ بہت عظمت اختیار کر چکا ہے۔ چلو ان کے پاس چل کر ثبوت و دلیل کی بات کریں اور زجر و توبیخ کریں اور ان سے مناظرہ کریں اور ان کے دین کو باطل کر دیں تاکہ ان کی عظمت ان کے اصحاب کی نگاہوں میں گر جائے اور (مخالفانہ ذیل و حقیقہ ہو جائیں۔ ہمارے اس عمل سے امید ہے کہ وہ اپنے غلط اور باطل خیالات سے باز آجائیں گے اور سرکشی و طغیان کو ترک کر دیں گے۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو ہمارے اور ان کے درمیان تیز دھار تلواریں فیصلہ کریں گی۔

ابو جہل نے کہا کہ ہم میں سے کون ان سے باتیں کرے گا۔ اور مناظرہ کا کام کون انجام دے گا عبد اللہ بن امیہ مخزومی نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ مناظرہ شروع ہوا اور عبد اللہ نے کہا کہ اے محمدؐ تم نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے اور چکدار باتیں کرتے ہو۔ اور تم خدا کے رب العالمین کے رسول بننے کا گمان رکھتے ہو۔ بھلا رب العالمین اور خالقِ اخلقِ اجمعین کے لئے کس طرح مناسب ہے کہ تم جیسے کو رسول بنادے۔ جو ہمارے مثل بشر ہے۔ تم کھاتے ہو ہماری طرح۔ اور بازاروں میں پھرتے ہو ہماری طرح۔

دیکھو یہ بادشاہِ روم اور بادشاہِ فارس اپنا رسول (سفیر) صرف اس کو بناتے ہیں جو بڑا دولت مند اور عظیم الحال اور صاحبِ محلات و قصور ہو اور بالوں اور آدن کی صنعت کاری کے مگر بنے ہوئے ہوں اور اس کے خیمہ جات اور غلام و خدام ہوں۔ اور رب العالمین تو ان بادشاہوں سے بلند ہے اور یہ بادشاہ خود اس کے غلام ہیں۔ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو تمہاری تصدیق کرتا اور ہم اُسے دیکھتے۔ بلکہ اگر خدا ہمارے پاس نبی بھیجتا تو فرشتہ ہی کو بھیجتا نہ کہ ہم جیسے بشر کو۔ اے محمدؐ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے تم نبی نہیں ہو سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ اور کہنا ہے تو وہ بھی کہہ ڈالو۔
عبداللہ خزدومی نے کہا کہ ہاں یہ بات باقی ہے کہ اگر خدا کا ارادہ رسول بھیجنے کا ہوتا تو وہ یقیناً ایسے
شخص کو بھیجتا جو ہم سب سے مال و دولت میں بڑا ہوتا اور ہم سب سے زیادہ خوشحال ہوتا پس اس قرآن کو
جس کے بارے میں تم دعویٰ دار ہو کہ خدا نے تم پر اتارا ہے اور کہ میں دے کر بھیجے ہے ان دو بیسیوں میں سے
کسی مرد یا دقار پر کیوں نہیں نازل کیا۔ یا ولید بن مغیرہ جو مکہ معظمہ میں عظیم شخصیت ہے یا عروہ بن مسعود ثقفی
جو طائف کا بڑا آدمی ہے ان میں سے کسی پر نازل کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اور بات باقی ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔
عبداللہ خزدومی نے کہا کہ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک
اس مکہ کی سنگلاخ زمین میں تم جتنے نیکال دو اور اس سخت زمین کی کھدائی کر کے نہریں جاری نہ کر دو۔
کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اور یا کوئی ایسا باغ خرما داگور بنا دو جس سے تم بھی کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ
اور اسی باغ میں نہریں بہہ رہی ہوں جو انگور اور خرما کے درختوں کو سیراب کرتی ہوں۔ یا پھر آسمان کے ٹکڑے
ہم پر گرا دو جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم نے ہم سے یہ بات کہی ہے۔

دوان یروا کسفامن السماء ساقطاً یقولوا صاحب مرمکوم (مردہ طور،
اور اگر یہ لوگ آسمان سے کوئی گرتا ہوا ٹکڑا دیکھیں گے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہہ یہ بہہ
اگر ہے۔ شاید ملنے محمدؐ، ہم بھی کہہ دیں۔

پھر عبداللہ خزدومی نے کہا کہ خدا اور فرشتوں کو اپنا فاضل بنا کر لاؤ اور وہ اس طرح آئیں کہ ہمارے
روبرو ہوں۔ یا تمہارا کوئی زرد چوہا ہر کامکان ہو جس میں سے ہمیں بھی دو اور ہمیں غنی کر دو۔ مگر شاید ہم اس
کی وجہ سے سرکش بن جائیں۔ کیونکہ تم نے خود ہی ہم سے کہہ لیا ہے رکلا ان الانسان لیطغی ان مآثرا
استغنی،

یاد رکھو جب انسان اپنے کو مال دار سمجھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔

پھر عبداللہ خزدومی نے کہا اے محمدؐ تم آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور ہم تو تمہارے اس معبود و
عروج پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم خدا نے عزیز و حکیم کی طرف سے ہم پر ہمارے بڑھنے کے
لئے کتاب نہیں اتار دے گے اور یہ کتاب عبداللہ بن ابی امیہ خزدومی اور اس کے ساتھیوں کو یہ ہدایت کرے کہ
ایمان لاؤ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب پر کیونکہ یہ میرا رسول ہے۔ اور جو کچھ یہ کہے اس کی تصدیق کر دو کیونکہ
یہ میرے پاس سے آیا ہے۔ اے محمدؐ اگر تم ایسا کر بھی دو تب بھی ہماری مرضی ہم ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ بلکہ
تم اگر ہمیں اٹھا کر آسمان پر بھی پہنچا دو اور اس کے دروازے کھول کر ہمیں اندر بھی داخل کر دو تو بھی ہم یہ کہیں گے
کہ تم نے ہماری آنکھوں کو باندھ لیا ہے اور ہم کو مسخر کر لیا ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ اور کوئی بات باقی ہے تو وہ بھی کہہ ڈالو۔
عبد اللہ نے جواب دیا کہ اے محمد میں نے جتنا بوجھ تمہارے اوپر ڈال دیا ہے کیا یہ کافی دوائی نہیں ہے؟
اب تم ہماری باتوں کا جواب دو جو کچھ تمہیں آتا ہو۔ اور اگر کوئی دلیل و ثبوت تمہارے پاس ہے تو اپنی جان بچڑاؤ
اور جو کچھ ہم نے سوالات کئے ہیں ان سب کا اعادہ کر کے جواب دو۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوابات کی اس طرح ابتداء کی۔
اللھو انت السامع لكل صوت والعالم بكل شیء تعلم ما قالہ عبادك۔
یا اللہ تو ہر آواز کو سنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ تیرے بندوں نے
کیا کہا ہے۔

پس خداوند عالم نے فرمایا۔ اے محمد یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے
اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جو اس کے ساتھ ہی ڈرانے والا ہو یا اس کے
پاس خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا کھانے پینے کے لئے اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا اور ان ظالموں نے
یہاں تک کہہ دیا کہ تم اس مسخرد کی پیروی کرتے ہو۔
پھر خدا نے فرمایا۔

انظر كيف ضمر بوالك الامثال فضلو افلا يستطيعون سبيلاه (ثم قال)
تبسمك الذي ان شاء جعل لك خيرا من ذلك جنات تجورى من تحتها
الانهار ويجعل لك قصورا
اے رسول دیکھو ان لوگوں نے کیسی کیسی مذاقیہ مثالیں دی ہیں۔ یہ تو گمراہ ہو چکے ہیں اور
اب ان میں راستہ حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ہے۔ اور دیکھو اے رسول
خدا تو ایسا برکت والا ہے کہ وہ چاہے تو تمہارے لئے بہترین کتنے باغات بنا دے جن
کے نیچے نہرں جاری ہوں اور بہترین محل و قصر بنا دے۔ اور پھر فرمایا۔ فلعلك
تأمر بعض ما يؤخى اليك وضائق به صدمك ان يقولوا لولا انزل عليه
كنزا او جاء معه ملك انما انت نذير والله على كل شيء وكيل

تو اے رسول شاید تم وحی کا کچھ حصہ دیک لو گمراہ اس کے روکنے میں تمہارا دل تنگ بھی ہوگا
ان لوگوں کے اس کہنے کی وجہ سے کہ کیوں اس پر خزانہ نہیں اُتر اور اس کے ساتھ کوئی
فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ نہیں نہیں تم تو صرف تنبیہ کرنے والے ہو اور خدا ہر شے کا
ضامن ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بھی نازل ہوا کہ اے محمد!

وقالوا لولا انزل عليه ملك ولو انزلنا ملكا لفضى الامر ثم لا ينظرون ولو جعلناه ملكا لجعلناه مرجلا وللبسنا عليه ما يلبسون (سورة انعام)
اور انہوں نے کہا کہ اس نبی پر فرشتہ کیوں نہیں اترا اگر کہیں ہم فرشتہ بھیج دیتے تو معاملہ
اسی ختم ہو جاتا، پھر انہیں جہلت ہی نہ دی جاتی۔
اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو فرد کی حیثیت میں بناتے اور اس کو ان کے ساتھ اس طرح
غلط ملط کر دیتے جس طرح یہ باہم غلط ملط ہیں۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ مخزومی کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ
عبد اللہ! تو نے جو یہ کہا ہے کہ میں تم لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہوں اور تیرے خیال کے مطابق یہ جائز نہیں ہے
کہ میں کھانا کھانے کی وجہ سے رسول بن سکوں تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ معاملہ صرف خدا کے اختیار میں ہے
کیونکہ سفیر اس کا ہے لہذا وہ جس طرح کرنا چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ کرے وہ ہر حالت میں الائن محمد ہے
اور تجھے اور کسی دوسرے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے کہ یہ کیوں کیا اور کیسے کر دیا تو انہیں دیکھ رہا ہے
کہ خدا نے کس طرح بعض کو فقیر اور بعض کو غنی بنایا ہے۔ اور بعض کو عزت دی ہے اور بعض کو ذلت۔ بعض کو
صحت دی ہے اور بعض کو سقم۔ اور بعض کو شرافت اور بعض کو ذلت۔ اور یہ سب کھانا کھاتے ہیں۔

پھر فرما دیا کہ حق نہیں ہے کہ وہ خدا سے کہیں کہ ہمیں کیوں فقیر بنایا اور دوسروں کو غنی بنایا اور ادا ذل
کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا سے کہیں کہ ہمیں کیوں رذیل بنایا اور دوسروں کو کیوں شریف بنایا۔ اور ستم والوں
اور کمزوروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہیں کہ ہمیں کمزور کیوں بنایا اور دوسروں کو صحت مند کیوں بنایا۔ اور
اسی طرح ذلیل لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ ہمیں ذلیل اور دوسروں کو کیوں عزت دار بنایا اور
اسی طرح بد شکلوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ ہمیں بد صورت کیوں بنایا اور دوسروں کو حسین و جمیل کیوں
بنایا۔ بلکہ ان لوگوں نے اگر کہیں یہ کہہ دیا تو یہ لوگ اپنے پروردگار کی رد کرنے والے بن گئے اور اس کے
فیصلوں میں اس سے جھگڑا کرنے والے قرار پائے اور اُس کی ذات اقدس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اور
اس کا جواب خدا کی طرف سے یہ ہوگا کہ میں مالک ہوں میں ہی بلند کرنے والا ہوں میں ہی غنی کرنے والا ہوں میں ہی
فقیر کرنے والا ہوں میں ہی عزت دینے والا ہوں میں ہی ذلت دینے والا ہوں میں ہی صحت مند بنانے والا
ہوں۔ میں ہی سقیم بنانے والا ہوں۔ اور تم سب میرے بندے ہو۔ تمہارا فرض صرف یہ ہے کہ سب تسلیم خم کر دو
اور میرے فیصلہ کے سامنے جھک جاؤ۔ پس اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی تو تم میرے مومنین بندے بن جاؤ گے
اور اگر انکار کیا تو تم کافر بن جاؤ گے اور میرے مختلف غذاؤں سے ہلاک ہو گے۔

پھر خداوند عالم نے آنحضرت کو حکم دیا کہ یا محمد تم کہہ دو

قل انما انا بشر مثلكم ربي عني اكل الطعام، يوحى الى انما الهكم اله واحد

یعنی قل لہم انا فی البشریۃ مثلکم ولکن ہرما فی خصی بالنبوۃ دونکم
کما یخص بعض البشر بالغی والصحة والجمال دون بعض من البشر
فلا تنکروا ان یخص فی النبوة۔

تم کہہ دو کہ میں صرف تمہاری شکل و صورت کا بشر ہوں یعنی کھانا کھاتا ہوں۔ مگر ایسا بشر
ہوں کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے میں صرف بشریت میں تمہاری
طرح ہوں لیکن میرے رب نے مجھے مخصوص فرمایا ہے مرتبہ نبوت کے ساتھ اور تمہیں مخصوص
نہیں کیا ہے جس طرح اس نے بعض بشر کو غنا و صحت و جمال کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔
اور اس میں کسی کو امتیاز کا حق نہیں ہے اسی طرح اس شخص نبوت میں بھی کسی کو امتیاز
کا حق نہیں ہے (مترجم) اور بعض بشر کو ان صفات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ لہذا
تمہارا فرض ہے کہ میری شخص نبوت کا انکار نہ کرو (کیونکہ یہ شخص اس کی مرضی پر موقوف
ہے۔ مترجم)

اس کے بعد جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ مخزومی تیرا یہ کہنا کہ یہ بادشاہ
روم اور یہ بادشاہ فارس اپنا سفیر اس وقت تک نہیں بناتے ہیں جب تک وہ صاحب مال و دولت اور
بلند شان نہ ہو اور اس کے محلات و قصور نہ ہوں اور بالوں کا بنا ہوا خاص صنعت کا گرنہ ہو اور اس کے
خیمہ جات و غلام و خدام نہ ہوں۔ اور رب العالمین تو ان سے بلند ہے اور یہ سب بادشاہ اسی کے بندے
ہیں۔

تو اس کا جواب سُن لے کہ بالتحقیق خدا اپنی تدبیر و حکمت کا خود مالک ہے وہ تیرے خیال و گمان
پر عمل نہیں کرتا ہے اور نہ تیرے ان بے سوچے سمجھے حکمانہ مطالبات پر عمل کرتا ہے بلکہ وہ خود جو چاہتا ہے
کرتا ہے اور جو فیصلہ چاہتا ہے خود کرتا ہے اور وہ ہر حال میں لائق حمد و ثناء ہے۔

اے عبداللہ مخزومی اس نے نبی کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین سکھائے اور انہیں ان کے رب
کی طرف مائل ہونے کی دعوت دے اور اس فریضہ کو جان توڑ کر شب و روز انجام دے پس اگر وہ
صاحب محلات و قصور ہو گا تو وہ ان محلات میں آرام کرے گا اور اس کے غلام و خدام اس کو لوگوں سے
چھپائے رکھیں گے تو کیا اس صورت میں خدا کی رسالت و پیغامبری فاش نہیں ہو جائے گی۔ اور اس کے
امور متعلقہ معطل نہیں ہو جائیں گے۔ کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ جب بادشاہ ہر دوں میں آرام گزیر ہو
جاتے ہیں تو کس طرح ملک میں فسادات ہوتے ہیں اور فسق و فجور جاری ہو جاتے ہیں جن کا انہیں علم ہی
نہیں ہوتا۔

اے عبداللہ مخزومی! خدا نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس حالت میں کہ میرے پاس مال و دولت نہیں ہے

تاکہ وہ اپنی قدرت و قوت کا تعارف کرائے اور وہ خود اپنے رسول کا ناصر و مددگار ہوتا ہے لوگوں کی مجال نہیں کہ مجھ کو قتل کر دیں اور پیغامبری سے روک دیں۔ یہی تمہاری عاجزی اور اس کی قدرت کا روشن ثبوت ہے اور انشاء اللہ وہ عنقریب تم پر مجھے فتح و ظفر عطا کرے گا اور میں تمہارے قتل اور تمہاری اسیری پر قابو حاصل کر لوں گا۔ پھر تمہارے شہر دہلی میں مجھے تسلط حاصل ہوگا اور مومنین کو تم پر غلبہ ہوگا اور تم اور تمہارے ساتھی مغلوب ہوں گے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ! تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر تم نبی ہوئے تو تمہارے ساتھ تصدیق کے لئے فرشتے ہوتا جس کو ہم سامنے دیکھتے بلکہ اگر خدا کا ارادہ ہوتا کہ ہمارے لئے نبی بھیجے تو وہ ضرور فرشتہ کو بھیجتا نہ کہ ہماری طرح کا بشر۔ اے عبد اللہ! اگر فرشتہ کو بھیجتا تو تمہارے حواس اس کو دیکھ ہی نہ سکتے کیونکہ وہ ہوا کی جنس سے ہے جو نظر ہی نہیں آتی۔ اور اگر تم اس صورت میں دیکھتے کہ تمہاری آنکھوں کی طاقت بڑھادی جاتی تو تم کہہ دیتے کہ یہ تو فرشتہ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے کیونکہ بہر حال وہ تمہیں اس وقت نظر آسکتا ہے کہ وہ بشر کی صورت میں ہو اور تم اس سے محبت کر دو تاکہ تم اس کے ہدایات کو سمجھ سکو اور اس کے خطابات و مقصد کی معرفت کر سکو۔ پھر اس حالت میں تم کس طرح اس کی صداقت اور اس کے بیان کی حقانیت کو تسلیم کر سکتے ہو۔

بلکہ خداوند عالم نے اپنا رسول بشر کو بنا کر بھیجا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے معجزات کا اظہار کیا ہے جو بشر کی فطری طاقت میں نہیں ہیں۔ تم ان کے قلوب کی فطرت سے واقف ہو اور اسی لئے تم اس کے کمال کے مقابلہ میں اپنا عجز تسلیم کرتے ہو اور یہ کمال ہی خدا کی طرف سے اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اور اگر کہیں تمہارے سامنے ملک آتا اور اس کے ہاتھ پر وہ کمال ظاہر ہوتا کہ جس سے بشر عاجز ہوں تو اس صورت میں تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہوتا کہ دیگر تمام اجناس ملائکہ کی فطرت میں یہ کمال نہیں ہے تاکہ تم سمجھ سکتے کہ یہ اس فرشتہ کا مجموعہ ہے اور یہی رسول ہے۔

کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور ان کا اڑنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ پرندوں کی تمام اجناس اس طرح اڑتی رہتی ہیں لیکن اگر کوئی آدمی ان کی طرح اڑنے لگے تو یقیناً یہ اس کا معجزہ ہوگا دیکھو خداوند عالم نے تمہارے اس معاملہ کو کتنا آسان کر دیا ہے اور کس عمدگی سے اس نے تمہارے لئے ثبوت اور دلیل کو فراہم کر دیا ہے اور پھر تم بے سوچے سمجھے اس قسم کے حکمانہ مطالبے کر رہے ہو کہ جو کسی صورت صورت میں بھی دلیل نبوت نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبد اللہ! خدائی تم نے جو یہ کہا ہے کہ تم جادو کے مارے ہو، تم نے آدمی ہو۔ ذرا بتاؤ میں کس طرح معجزہ ہو سکتا ہوں حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تیز و عقل میں تم سب سے افضل ہوں۔ کیا تم نے پیدائش سے لے کر چالیس سال کی عمر تک میرا تجربہ نہیں کیا ہے

تم نے کبھی مجھ میں ذلت و رسوائی کی کوئی بات دیکھی ہے یا کبھی جھوٹ یا المانت میں خیانت یا الغویات یا ملتے دینے میں بے وقوفی دیکھی ہو۔ پھر جب ایک مرد اتنی طویل مدت تک ان تمام مایوس و نقائص سے محفوظ ہو تو کیا یہ اس کی اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے ہے؟ یا خدا داد طاقت و قوت کی وجہ سے ہے۔ اور خداوند عالم کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے جو اُس نے فرمایا ہے:-

انظر كيف ضربوا لك الامثال فضلو ا فلا يستطيعون اليه سبيلا
الى ان يشبثوا عليك عمى بحجة اكثر من دعاويهم الباطلة التي تبين
عليك التحصيل ببطلانها۔

اے رسول! تم دیکھو انہوں نے کیسے مغرورین کی مثالیں اپنے مطالبات میں پیش کی ہیں۔ پس یہ گمراہ ہو گئے ہیں ان میں طاقت نہیں کہ انہیں ایسا راستہ ملے کہ تمہاری کوئی غلطی نکال سکیں، اور اپنے دعاوی باطلہ کو دلیل و حجت قرار دے کر ثابت کر سکیں اور تم ان کی دلیلوں کا دافع بطلان خود دیکھ لو گے۔

اس کے بعد جناب راس الثواب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عبد اللہ مغرور ہی تو نے جو یہ کہا ہے کہ میرے قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی عظیم شخص پر کسوں نہیں اتارا گیا۔ یعنی ولید بن مغیرہ جو مکہ میں ہے اور عروہ جو طائف میں ہے۔

اے عبد اللہ یاد رکھو کہ خداوند عالم مال دنیا کو تیری طرح عظمت کی نظر سے نہیں دیکھتا ہے اور نہ تیری طرح اس کے نزدیک یہ کوئی بڑائی کی چیز ہے بلکہ اگر تمام دنیا اس کے نزدیک چمکے ہوئے برابری بھی ہوتی تو وہ اس کی محبت میں کسی کافر اور اپنے مخالف کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

اے عبد اللہ مغرور خداوند عالم نے دنیا کی تقسیم تیرے سپرد نہیں کی ہے بلکہ وہ خود اپنی رحمتیں تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنے بندوں اور کنیزوں کے بارہ میں جس طرح چاہتا ہے خود عمل کرتا ہے۔ اور خدا ان میں سے نہیں کہ جو اپنے مال و مال کے لئے خائف ہوتے ہیں جس طرح تو ڈرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ نبوت کے لئے خود تقرر کا حق رکھتا ہے۔ اور خدا ان میں سے نہیں ہے کہ جو کسی مال میں طمع رکھتے ہیں جس طرح تو طمع رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے نبوت کے لئے کسی کو مخصوص کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور نہ وہ ان میں سے ہے کہ جو کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے محبت کرتے ہیں جس طرح تو محبت کرتا ہے ورنہ وہ اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے غیر مستحق کو مقدم کر دے۔ اس کا معاملہ تو عدل پر مبنی ہے۔ پس وہ اپنے عدل کی وجہ سے افضل مراتب دینی کے لئے صرف ایسے ہی مرد کو پسند کر لیتا ہے جو اس کی اطاعت میں اور دین کی خدمت میں سب سے افضل ہو۔ اور اسی طرح مراتب دینی میں صرف ایسے آدمی کو مؤخر کر دیتا ہے جو سب سے زیادہ اس کی اطاعت کو دیگر کاموں سے مؤخر کرے، اور یہ اس کی شان بے نیازی ہے۔ تو وہ لوگوں کے مال اور حال کو نہیں دیکھے بلکہ یہ مال اور حال تو اسی کا افضل ہے

اور بندوں میں کسی کا مقررہ خراج بھی اس پر واجب الادا نہیں ہے۔ لہذا اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تو اپنے اس کو مال دیا ہے تو نبوت بھی اسی کو دیدے کیلئے نہیں ہے کہ اس کے ارادہ کے خلاف اسے مجبور کر سکے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ لازمی طور پر مال دینے کے لئے مغلوب کرے کیونکہ اس نے توان کے وجود سے پہلے ہی اپنی نعمتیں جاری کر رکھی ہیں۔

اے عبداللہ غزوہ کی کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ اس نے کسی کو غنی بنایا ہے مگر اس کو بد صورت بھی بنایا ہے اور کسی کو حسین بنایا ہے مگر اس کو فقیر بھی بنادیا ہے۔ اور کسی کو شریف بنایا ہے مگر اس کو غریب بھی بنادیا ہے اور کسی کو غنی بنایا مگر اس کو رذیل بھی بنادیا ہے۔ پھر اس غنی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مجھے مال کے ساتھ فلاں جیسا حسن و جمال کیوں نہیں دیا اور نہ حسین کو یہ حق ہے کہ مجھے جمال کے ساتھ فلاں جیسا مال کیوں نہیں دیا اور نہ شریف کو یہ حق ہے کہ مجھے شرافت کے ساتھ فلاں جیسا مال کیوں نہیں دیا۔ اور نہ رذیل کو یہ حق ہے کہ مجھے رذالت کے ساتھ فلاں جیسا شرف کیوں نہیں دیا گیا۔ اے عبداللہ یاد رکھو کہ فیصلہ غزایں کے اختیارات میں ہے وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے اور جس طرح جو چاہے کرے۔ وہ حکیم ہے اپنے افعال میں اور عموماً ہے اپنے اعمال میں۔ اور اس کا خودیہ ارشاد ہے جبکہ کافروں نے کہا کہ یہ قرآن ان دوستوں میں سے کسی عظیم شخصیت کے لئے مردہ کیوں نہیں اُترا تو اس نے فرمایا:-

اھم یقسمون ماحمۃ مہربک نحن قسمنا بیدھو معشیتھو فی
الھیوۃ الدنیا۔

و کیا یہ لوگ اسے عہد تمہارے رب کی رحمتوں کو تقسیم کرنے میں ہم خود زندگانی دُنیا میں
ان کے درمیان ان کی معاش کو تقسیم کرتے ہیں۔ پس خدا نے ہم میں سے بعض کو بعض کا محتاج
بنایا کسی کو دوسرے کے مال کا محتاج بنادیا اور کسی کو اس کے فوائد یا خدمت کا محتاج بنادیا۔

تو خود دیکھ رہا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور بڑے سے بڑا امیر محتاج ہے بڑے سے بڑے فقیر کا کسی بد کسی
ضرورت کے لئے یا تو کسی صنعتی چیز کا محتاج ہے یا اس کی خدمت کا محتاج ہے کہ وہ ایسی خدمت کی صلاحیت رکھتا
ہے کہ جس کے بغیر بادشاہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یا اس کے علوم و حکمت کا محتاج ہے جو اس فقیر کو حاصل ہیں
پس علوم و حکمت سے فائدہ حاصل کرنے میں بادشاہ فقیر کا محتاج ہے اور مالی فائدہ حاصل کرنے میں فقیر بادشاہ
کا محتاج ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بادشاہ فقیر کا محتاج ہے فقیر بادشاہ کا محتاج ہے۔ لہذا بادشاہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے
کہ وہ یہ کہے کہ بادشاہت کے ساتھ مجھے علم و حکمت کیوں نہیں ملے۔ اور فقیر کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ علم و حکمت کے
ساتھ مجھے بادشاہت کیوں نہیں ملی۔ اے عبداللہ پھر خداوند عالم کیوں فرماتا ہے:-

ورفعنا بعضھم فوق بعض دمرجات یتخذ بعضھم بعضھم سخیرا۔
یعنی ہم نے بعض کو بلند درجہ دیا ہے بعض کے مقابلہ میں تاکہ بعض لوگ اپنا کلم نکالنے کے لئے

بعض کو کام کا معاوضہ ادا کریں۔

اور پھر خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ (درمحمۃ مرابط خیر مما یجعلن) یعنی اے محمدؐ میرے رب کی رحمت ان لوگوں کے بال ذریعہ جمع کرنے سے بہتر ہے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلا اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہؓ مغزومی! تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک زمین سے چٹے جاری نہ کر دے وغیرہ وغیرہ۔ تو اے عبداللہؓ مغزومی! تم لوگوں نے یہ بے سوچے سمجھے غلط مطالبات کئے ہیں۔ ان میں سے ایک مطالبہ کے لئے تم نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ اگر ہمارا مطالبہ پورا بھی کر دو گے تو تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نبوت کو قبول نہیں کریں گے حالانکہ خدا کا پیغمبر اس بات سے بلند ہے کہ جاہلوں کے جہل سے غمگین ہو کر ایسے دلائل پیش کرنے لگے جو درحقیقت دلیل نبوت ہی نہ بن سکیں۔

اور تم نے بعض ایسے مطالبات کئے ہیں کہ اگر وہ پورے کر دیئے جائیں تو تم ہلاک ہو جاؤ گے حالانکہ خدا کے پیغمبر کا تو یہ کام ہے کہ ایسے دلائل دیا جائیں کہ جس کی روشنی میں خدا کے بندے ایمان لائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں۔ تم نے بے سوچے سمجھے اپنی ہلاکت کا مطالبہ کیا ہے اور رب العالمین تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور وہ اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچانے کی تدبیریں خوب جانتا ہے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔ اور ان ہی مطالبات میں سے ایک امر محال کا مطالبہ ہے جس کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں ہے جس کو خدا کا رسولؐ تمہیں سمجھائے گا اور تمہارے تمام غدر قطع کر دے گا اور تمہاری مخالفت کی راہیں تنگ کر دے گا اور تمہیں خدا کے دلائل و براہین کی تصدیق و تسلیم پر ایسا مجبور کر دے گا کہ اس کے قبول کرنے کے سوا تمہارے لئے جلے فرار اور صورت گریز باقی ہی نہ رہے گی۔

اور ان میں سے ایک مطالبہ ایسا بھی ہے جس کے لئے تو نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ اس کو تو اپنی سرکشی اور دشمنی کی وجہ سے قبول ہی نہیں کرے گا۔ اور جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ خدا کی حجت و دلیل کو قبول نہ کرے تو اس کا علاج یا آسمانی آگ ہے یا جہنم ہے یا پھر خدا کے اولیاء کی تلواریں۔

اے عبداللہؓ مغزومی! اب تو اپنے ایک ایک مطالبہ کا جواب سن لے:-
تو نے کہا ہے کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ سرزمین مکہ کے سنگریزے اور پتھر صاف کر کے زمین کو دھو کر نہریں جاری نہ کر دے اور ہر طرف چٹے نہ بہا دے کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔

اے عبداللہؓ! تو نے یہ مطالبہ اس لئے کیا ہے کہ تو خدا کی دلیل و حجت سے ناواقف ہے۔ اچھا یہ بتا اگر میں ایسا کر دوں تو کیا میں ایسا کہنے سے نبی بن جاؤں گا۔
اے عبداللہؓ مغزومی! طاقت میں آج تیرے باغات موجود ہیں جہاں پہلے سخت زمین تھی اور سنگریزے

وغیرہ تھے۔ تو نے اس کو صاف کیا اور پھر اس میں نالیاں بنائیں اور زمین کو دگر پانی کے چٹے جاری کئے اور اسی طرح اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے تیری طرح زمین کی اصلاح کے نہیں بنائی ہیں اور باغ لگائے ہیں۔ تو کیا تو اور وہ لوگ جنہوں نے تیری طرح باغات اور نہریں بنائی ہیں یہ سب نبی بن گئے؟ عبد اللہ نے جواب دیا انہیں نبی نہیں بنے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تو محمدؐ سے اس مطالبہ کیوں کرتا ہے کہ جو پورا بھی کر دیا جائے تو دلیل نبوت نہیں بن سکتا۔

اے عبد اللہ پھر تیرے مطالبہ کے معیار کے مطابق یہ کہنا درست ہوگا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین پر چل پھر کر نہیں دکھاؤ گے اور ہماری طرح کھانا نہیں کھاؤ گے۔ (یعنی جس طرح تیرے معیار پر نہیں اور باغات دلیل نبوت بن سکتے ہیں اسی طرح چٹنا، پھرنا، کھانا پینا بھی دلیل نبوت بن سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بندہ کے اختیار میں ہے اور یہ بھی مترجم)

اور اے عبد اللہ تیرے مطالبہ کو اگر اور خرمے کے باغات ہوں جس سے خود بھی کھاؤ اور میں بھی کھاؤ اور ان باغات میں نہیں بہہ رہی ہوں۔ تو یہ بتا کہ طائف میں لوگوں کے اور خود تیرے اسی قسم کے باغات تھیں ہیں جن کا تو مطالبہ کر رہا ہے۔؟ عبد اللہ نے کہا کہ ہاں ایسے باغات ہیں۔ تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس صورت میں نبی بن جائے گا؟ عبد اللہ نے کہا نہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تم نے خدا کے رسولؐ سے اس مطالبہ کیوں کیا ہے کہ اگر وہ اس مطالبہ کو پورا کر دے تب بھی اس کی نبوت و صلاحت کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ اس کا اپنی ہمت سے ایسے کام کر کے دکھانا اس کے کذب ہی کی دلیل ہوگا کیونکہ وہ اسی چیز کو دلیل نبوت بنا رہا ہے جو درحقیقت دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اس غلط دلیل سے کمزور لوگوں کی عقلوں اور ان کے دین کو دھوکا دیتا ہے۔ اور خدا کا رسولؐ اس سے بلند و بالا ہے کہ لوگوں کو دھوکا دے۔

اس کے بعد جناب رسالتؐ اب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ مخدومیؓ تو نے جو یہ کہہا ہے کہ ”یا تم آسمان کے ٹکڑے ہمارے اوپر اپنے زعم کے مطابق گرا دو۔“ اس کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے اور تمہارے قول کا پتہ دیا ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ:

”اگر یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے کرتے ہوئے دیکھیں گے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہا ہوا ہے“
اے عبد اللہ یقین کر لے کہ آسمان کے ٹکڑے تم پر گرنے سے تمہاری ہلاکت اور موت ہوگی۔ کیا تو رسول اللہؐ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ خدا کا رسولؐ تجھے ہلاک کر دے حالانکہ خدا کا رسولؐ بہت زیادہ رحم والا ہے اور وہ کسی کو ہلاک کرنے نہیں آیا ہے بلکہ وہ خدا کی حجت و دلیل پیش کرنے آیا ہے اور خدا کے دلائل و براین جو اس نے اپنے نبی کو دیئے ہیں وہ تمہارے بے سوچے سمجھے مطالبات کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ تمہیں علم نہیں ہے کہ کون سی چیز اصلاح کے لئے مناسب ہے اور کون سی چیز فساد کی وجہ سے نامناسب ہے۔ مطالبات

اکثر مختلف اور متضاد ہوتے ہیں جن کا وجود وقوع امر محال ہوتا ہے۔ خدائے عزوجل تمہارے لئے طیب ہے اس کی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جس سے امر محال لازم آئے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ! تو نے کہا کہ یہ دیکھا ہے کہ طیب کی دو امراض کے بے کچھے مطالبہ کے مطابق ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ طیب وہ دوا دیتا ہے جس میں مریض کا فائدہ ہو خواہ مریض اس کو پسند کرے یا نہ کرے۔ پس تم لوگ درحقیقت مریض ہو اور خدا تمہارا طبیب ہے۔ لہذا اگر تم نے اس کی مجوزہ دوا کو استعمال کیا تو وہ تمہیں شفا عطا کرے گا۔ اور اگر تم نے سرکشی کی تو وہ تمہیں بیمار ہی چھوڑ دے گا۔

اے عبداللہ! اس کے علاوہ تو نے کیا بھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے حق کا دعویٰ کسی پر کرے تو حاکم کیا اس کو مجبور کرے گا کہ اپنا ثبوت مدعا علیہ کی مرضی اور اس کے بے سوچے کچھے مطالبہ کے مطابق پیش کرے؟ اگر ایسا رویہ اختیار کیا جائے تو پھر کسی کا کوئی دعویٰ ثابت ہوگا اور نہ حق و باطل میں اور نہ ظالم و مظلوم میں کوئی فرق ہو سکے گا۔ اور نہ جھوٹا اور سچا معلوم ہو سکے گا۔ اور اے عبداللہ! تو نے جو یہ کہہا ہے کہ خدا اور فرشتوں کو پہلے سامنے ضامن بنا کر لاؤ تاکہ ہم انہیں دیکھیں یہ مطالبہ تو قطعاً ایک امر محال ہے۔ اور یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خداوند عالم ہرگز مخلوق کی طرح نہیں ہے کہ کٹے اور جائے اور حرکت کرے اور کسی شے کے سامنے لٹے تو پھر اس کو کس طرح لایا جاسکتا ہے۔ تم نے اپنے اس مطالبے میں امر محال کا سوال کیا ہے۔ یہ صفت تو تمہارے کو دور اور ناقص قبول کی ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ تمہیں اور نہ کسی اور کو مستغنی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اے عبداللہ! کیا تمہارا مال و متاع اور باغات اور مکانات اور ساز و سامان اور جان و مال و مکہ میں نہیں ہے اور اس کے انتظام کے لئے تمہارا ہے نمائندے مقرر نہیں ہیں؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں سب کچھ ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا کو اپنی اس تمام جائیداد کی دیکھ بھال خود کرتا ہے یا کوئی ایسا سفیر مقرر کیا ہے جو تیرے اور تیری جائیداد کے پڑ دار اور مزارعین اور نوکر و غیرو کے درمیان تیری مرضی کے مطابق خدمت انجام دیتا ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے سفیر مقرر کئے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تیرے پڑ دار اور بیل چلانے والے مزارع اور نوکر وغیرہ تیرے سفیر سے کہیں کہ ہم تیری سفارت کو تسلیم نہیں کرتے تو آپے مالک عبداللہ بن ابی امیہ خزرجی کو ہمارے سامنے لا تاکہ ہم اس سے بلا مشافہ باتیں کریں اور خود اس کی زبانی معلوم کریں کہ تو اس کا سفیر ہے یا نہیں تو کیا تو ان کی اس بات کو پسند کرے گا؟ یا ان کے لئے یہ مطالبہ تیری نظر میں مناسب ہوگا؟ عبداللہ نے کہا نہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا پھر اس صورت میں تیرے سفیر کے لئے کیا چیز لازمی ہوگی کیا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سفیر تیری طرف سے ایک ایسی صحیح نشانی لے جائے کہ جو تیری عطا کردہ سند ہونے کی دلیل ہو، اور سفیر کی صداقت کا مکمل ثبوت ہو اور ان لوگوں پر واجب ہو جائے کہ وہ اس کی تصدیق کریں۔ عبداللہؑ نے کہا: ”ہاں“۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہؑ اگر تیرا سفیر ان لوگوں کی باتیں سن کر تیرے پاس آجائے اور تجھ سے کہے کہ اے عبداللہؑ کھڑا ہو، میرے ساتھ چل، وہ لوگ مطالبہ کر رہے ہیں کہ عبداللہؑ کو ساتھ لاؤ تو اس صورت میں وہ سفیر تیرا فرمان نہیں ہوگا اور کیا تو اس سے نہیں کہے گا کہ اے شخص تو میرا سفیر ہے مشیر نہیں ہے اور نہ تو میرا حاکم ہے۔ عبداللہؑ نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے۔

اس اقرار کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہؑ پھر تجھے یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ تو خدا نے رب العالمین کے سفیر سے مطالبہ کرتا ہے کہ خدا کو ہمارے سامنے لاؤ جب کہ تو اپنے لئے پسند نہیں کرتا کہ تیرے نوکر اور ملازم اور پڑدار تیرے سفیر سے مطالبہ کریں کہ عبداللہؑ کو سامنے لاؤ۔ اور تو نے کس طرح یہ خواہش کہ رب العالمین کا سفیر اپنے رب کے پاس جا کر داخلہ کی جرات کرے اس کو امر و نہی کرے جبکہ تو اپنے لئے ایسی بات پسند نہیں کرتا ہے کہ تیرا سفیر تجھے ایسا کہہ سکے۔

اے عبداللہؑ یہ وہ دلیل قاطع ہے کہ جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہؑ تو نے جو یہ کہاہے کہ تمہارے پاس سونے کے مکان ہوں تو کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ مصر میں ایک عظیم الشان شخص کے سونے کے مکان موجود ہیں؟ عبداللہؑ نے کہا کہ جی ہاں معلوم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا خدا اس مکان زر نگار کی وجہ سے نبی بن گیا؟ عبداللہؑ نے کہا نہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر محمدؐ کا بھی اسی طرح کا مکان ہوتا تو کیا وہ بھی نبی بن سکتا تھا۔ پھر محمدؐ کس طرح خدا کے دلائل کے مقابلہ میں تمہاری جہالت کے مطابق کو قیمت سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہؑ تو نے جو یہ کہاہے کہ آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور پھر یہ بھی کہاہے کہ اگر تم آسمان پر چڑھ بھی گئے تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے اوپر کتاب نہ اتار دو جس کو ہم پڑھیں گے اے عبداللہؑ آسمان پر چڑھنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اترنے کے اور تو خود اوپر آ کر کتاب اتار دے کہ اگر چڑھ بھی گئے تو ایمان نہیں لائیں گے۔ اور پھر اسی طرح اترنے پر بھی تو ایمان نہیں لائے گا اس کے بعد تو نے کہاہے کہ ہم پر کتاب اتار دو جس کو ہم پڑھیں گے۔ اور اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم ایمان لائیں گے یا نہیں لائیں گے۔ پس اے عبداللہؑ تو خود اقرار کر رہا ہے کہ تو خدا کے دلائل و براہین سے متاثر نہ ہو سکتا ہے لہذا ایسے آدمی کی دوا بس یہی ہے کہ خداوند عالم اپنے اولیاء کے ذریعہ اپنے ملائکہ و انجلیں

کے ذریعہ تیری تادیب کرے۔

حالانکہ خداوند عالم نے مجھ پر ایک ایسی حکمت بالغہ نازل کی ہے جو تمام مطالبات کے باطل کرنے پر حاوی ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ ملے مخمدم ہو

سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِمَّنْ سَوْفَ لَا

”خدا ہر عیب سے پاک اور اس سے اہل وارفع ہے کہ وہ جاہلوں کے جاہلانہ ناجائز مطالبات پر عمل کرے اور نہیں ہوں میں مگر صرف بشری شکل میں رسول۔ یعنی میں اس کا رسول بشری شکل میں ہوں۔ مجھ پر لازم ہے کہ اس کی عطا فرمودہ دلیل و حجت پیش کر دوں۔ اور میں چونکہ سفیر ہوں اس لئے مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنے رب پر حکم چلاؤں اور اُسے کسی چیز سے روکوں اور نہ یہ حق ہے کہ اس کو میں مشورہ دوں اور اس سفیر کے مانند ہو جاؤں کہ جس کو کسی بادشاہ نے اپنے مخالفوں کے پاس بھیجا ہو اور وہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس آکر اس کو حکم دے کہ لے بادشاہ تو اپنی مخالف قوم کے جائز و ناجائز مطالب کو پورا کر۔

یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ اے محمدؐ ایک بات رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ تمہارا یہ خیال تو نہیں ہے کہ قوم موسیٰ نے نزولِ برحق کا مطالبہ کیا تھا جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ تم خدا کو علانیہ طور پر دکھاؤ پس اگر تم نبی ہو تو ہم ضرور جل جائیں گے یعنی ہم پر بجلی ضرور گرے گی۔ کیونکہ ہم نے قوم موسیٰ سے بھی زیادہ شدید سوال کیا ہے۔ کیونکہ ان کا تو خیال ہی خیال تھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں خدا کو ظاہر بظاہر دکھا دو۔ مگر ہم تو صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم خدا اور ملائکہ کو ضامن بنا کر ہمارے سامنے حاضر نہیں کر دو گے کہ جس کا ہم خود معائنہ کریں گے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابو جہل تجھے حضرت ابراہیمؑ غلیل اللہ کے قصہ کا علم نہیں ہے جبکہ ان کو اٹھارہ ملکوت میں پہنچایا گیا جیسا کہ میرے پروردگار کا ارشاد ہے:-

وَكَذَٰلِكَ نَرْسِي اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤَقِنِيْنَ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے پرشیدہ ملکوت اور قوتیں دکھا دیں

تاکہ وہ موقنین (یعین الیقین والوں) میں شمار ہوں۔

خدا نے ان کی بصارت میں قوت عطا کر دی جبکہ ان کو آسمان کے نیچے بلند کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے زمین اور زمین کی ظاہر و پرشیدہ چیزوں کو دیکھا۔ پس انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو کاربد کرتے دیکھا تو دُعا نے بدی کی ہلاکت کے لئے ان کو اور وہ دونوں ہلاک ہو گئے۔ پھر دُعا اور دیکھے ان کے لئے بھی ہلاکت کی دُعا نے بدی کو بھی ہلاک ہو گئے۔ پھر دُعا اور دیکھے ان کے لئے بھی دُعا نے بدی کو بھی ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد دُعا اور دیکھے اور پھر دُعا نے ہلاک ارادہ کیا ہی تھا کہ خداوند عالم نے وحی کی کہ لے ابراہیمؑ میرے بندوں

اور میری کنیزوں کے لئے دُعائے بد روک دو۔ میں خود غفور و رحیم ہوں اور جبار و بردبار ہوں مجھے بندوں کے گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتے جس طرح ان کی اطاعت مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور میں ان کے معاملات کی تدبیر اپنے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے نہیں کرتا ہوں جس طرح تم نے تدبیر کی ہے۔ تم اپنی دُعائے بد کو میرے بندوں اور کنیزوں کے متعلق روک لو۔ کیونکہ تم ڈرانے والے عبد ہو تم میرے شریک نہیں ہو۔ اور تم مجھ پر اور میرے بندوں پر حاکم و نگران نہیں ہو۔ میرے بندے میرے ساتھ تین قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ یا تو وہ ہیں جو گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں اور میں توبہ قبول کر لیتا ہوں اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں اور ان کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہوں یا میں خود ان پر اپنا عذاب اس لئے روک لیتا ہوں کہ ان کی صلب میں ایسی ذریت ہے جو مومن ہونے والی ہے۔ اور میں ان کے کافروالذین کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں اور عذاب کو ان سے ہٹا دیتا ہوں تاکہ یہ مومنین ان کی صلب سے نکل آئیں۔ جب یہ مومنین ان سے جدا ہو جاتے ہیں تو پھر عذاب کر دیتا ہوں اور میری بلائیں ان کو گھیر لیتی ہیں۔ اور اگر وہ وجہ بھی نہ ہو اور یہ وجہ بھی نہ ہو تو تیسری بات یہ ہے کہ میں نے ان کے لئے آخرت میں وہ عذاب مہیا کیا ہے جو کہلے اور اڑے ہلاکت سے عظیم تر ہے۔ کیونکہ میرا عذاب میرے جلال اور میری کبریائی کے مطابق ہوتا ہے۔ اے ابراہیم! تم میرے اور میرے بندوں کے درمیان کوئی مداخلت نہ کرو کیونکہ میں جبار بھی ہوں اور صاحبِ حوصلہ بھی۔ اور عظیم بھی ہوں اور صاحبِ حکمت بھی۔ میں ان کی تدبیر اپنے علم کے مطابق کرتا ہوں اور اپنے فیصلے نافذ کرتا ہوں۔

آس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوجہل! تجھ پر بجلی کا عذاب اس لئے نہیں آیا ہے کہ تیری پشت سے عنقریب نیک اولاد ظاہر ہونے والی ہے۔ ایک تیرا بیٹا عکرمہ ہے جو مسلمانوں کے معاملات کا انتظام کرے گا اور جب تک وہ خدا کا فرمانبردار رہے گا اس وقت تک خدا کے نزدیک عزت دار رہے گا۔

اے ابوجہل! اگر یہ بات نہ ہوتی تو تجھ پر عذاب نازل ہو جاتا اور تیری ہی طرح ان تمام قریشیوں کا حال ہے جو اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ ان کو بھی اسی لئے عذاب سے مہلت دی گئی ہے کیونکہ خدا کو علم ہے کہ ان میں سے کچھ مومن ہو جائیں گے اور انہیں سعادتِ ایمان نصیب ہوگی۔ کیونکہ خدا اس سعادت کو ان کے لئے قطع کرنا نہیں چاہتا اور نہ وہ بخل کرتا ہے۔

اور یا ان کی اولاد میں مومن ہونے والے ہیں اس لئے خدا نے باپ کو بچایا جو اب ہے کہ اس کے بیٹے کو سعادت نصیب ہو جائے اور اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو تم سب پر عذاب نازل ہو جاتا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ذرا آسمان کی طرف دیکھو۔ اس نے نظریں تو کیا دیکھا کہ ذرا ہائے آسمان کھلے ہوئے ہیں اور آتش نازل ہو رہی ہے جو ان تمام لوگوں کے سروں کی طرف مائل ہو رہی ہے اور ان کے بالکل نزدیک آتی جا رہی ہے یہاں تک کہ انہوں نے اس کی حرارت کو محسوس کر لیا کہ ان کے کاندھوں تک پہنچ چکی ہے

بس اب کیا تھا کہ ابوجہل اور اس کی تمام جماعت کے بازو تھرانے لگے۔

جناب رسالتؐ نے فرمایا ڈرو نہ ہیں۔ خدا تمہیں اس آگ سے ہلاک نہیں کرے گا۔ یہ معجزہ تو تمہاری ہیوت کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔ ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ان کی پشتوں سے انوار نکلنے لگے اور وہ اس آگ کے مقابلہ میں آگے اور آگ کو رفع دفع کرنے لگے یہاں تک کہ اس آگ کو واپس آسمان کی طرف اسی طرح لوٹا دیا جس طرح وہ آئی تھی۔ جناب رسالتؐ نے فرمایا کہ ان انوار میں سے بعض نور تو ان کے ہیں جن کو خدا جانتا ہے کہ وہ ایسا کی سعادت حاصل کریں گے اور کچھ انوار تم ہی میں سے بعض ان لوگوں کی ذریت کے ہیں جو خود تو ایمان نہیں لائیں گے مگر ان کی اولاد میں ہوگی۔

سفر کارِ دو عالم کے جوابات کے نتائج

ہم نے مکمل طور پر جناب رسالتؐ کا منظرہ تحریر کر دیا ہے اس سے ہماری تحقیق لفظ بمعجزہ کی پوری تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہو گیا کہ اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مقابل کے مطالبہ کے وقت ظاہر جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف سند کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے اور نہ مبعوث الہیم کے دین کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے، اعتراضات اور چالانہ مطالبات سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس نے جو سند تجویز فرمائی ہے اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے وہی درست ہے۔ اور ناقابل اعتراض ہے اور اس میں کسی تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خردی ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل کو کوئی مشورہ دے کیونکہ یہ اقدام عہدہ سفارت کے بالکل خلاف ہے۔

لہذا جناب رسالتؐ مخالفین کے جواب میں صرف یہی فرما سکتے تھے کہ میں تو خدا کا سفیر ہوں اور میں کیونکہ مخالفین کے کسی بھی اعتراض یا مطالبہ سے متاثر ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ خدا کی تجویز کو ناقص سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے جناب رسالتؐ نے ان سب کا جواب حسب ارشادِ قدرت یہی دیا ہے ”سُبْحٰنَ رَبِّیْ“ یعنی خداوند عالم نقص و عیب سے بری ہے وہ غلط یا ناقص سند تجویز نہیں کر سکتا۔

لہذا جو مخالف کسی نئی سند کا مطالبہ کرے گا یا اس سند میں کوئی نقص سمجھے گا یا کوئی مؤلف یا مخالفین کے مطالبات کو کوئی اہمیت دے گا اس نے درحقیقت خدا کی ذات میں نقص و عیب کو تجویز و تسلیم کر لیا۔ لہذا اب یہ کہنا کہ اگر رسول میں کوئی قوت ہوتی اور کوئی کمال ذاتی ہوتا تو وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے کافروں کا منہ بند کر دیتے اور ان کے مطالبات کو پورا کر کے ان کو شکست دے دیتے۔ یہ انتہائی جہالت پر

یعنی ہے اور خداوند عالم کی ذات میں نقص و عیب تسلیم کرنے کی دلیل بتی ہے۔

لہذا مؤلف کا یہ دعویٰ کہ رسول میں کوئی قوت نہ تھی اور نہ کوئی کمال تھا بلکہ وہ چمک کی طرح تھے، انتہائی جہت اور انتہائی جنون و عناد کی دلیل ہے کیونکہ یہ سفارت کے معنی اور سفیر کے حدود ہی کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کا یہ اعتراض دلائل کرتا ہے کہ خدا میں نقص و عیب کے قائل ہیں اور خدا کی سُبھانیت کے منکر ہیں۔

اسی طرح مؤلف کا یہ سمجھنا کہ ”وہ ایک عاجز بشر تھے اور ہماری نوع کے تھے اس لئے وہ کوئی کمال نہ دیکھا کے اور صرف اپنی بشریت کا اظہار کر کے اپنا مجرور ظہر کر دیا۔“ بندہ خدا! وہ اپنی سفارت کے حدود میں رہے اور جاہلانہ مطالبہ کو قبول نہیں کیا۔ یہ بھی ان لوگوں کی انتہائی ناہنجی کا ثبوت ہے کیونکہ خدا کی اس تجویز پر اعتراض ہے کہ اس نے بشریت کو سفارت کے لئے کیوں تجویز کیا۔ اسی لئے مؤلف نے اس بشریت کو اپنی نوع کی طرح سمجھ کر رسول کو عاجز اور مجبور بنا دیا حالانکہ بشریت صرف تعلیم اور ہدایت و ارشاد نوع بشر کی وجہ سے خدا نے تجویز کی تھی نہ کہ بشر کی عاجزی کا مظاہرہ و مقصد تھا جیسا کہ مؤلف سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے خدا نے صرف بشریت کا اظہار نہیں کر لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ”یہ بشری صورت میں رسول ہیں“ نہ کہ صرف بشر ہیں اور اسی لئے آنحضرت صلیم نے صحابیوں کی جماعت پر آگ نازل کر کے اور ان کے سروں تک پہنچا کر ان کے اس خیال ناہنجی کو باطل کر دیا کہ یہ صرف ہماری طرح کے عاجز و بے بس بشر ہیں۔

لہذا مؤلف کو مفہوم سفارت سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور بشریت کی غرض و غایت کو معلوم کرنا چاہئے اور اپنی ناہنجی اور جہالت سے رسول کو کافروں کے مطالبات پر توجہ نہ کرنے کی وجہ سے عاجز و بے بس نہیں کہنا چاہئے۔

اسی طرح مؤلف صاحب کا یہ کہنا کہ نبوت و امامت اسی طرح ایک عارضی چیز ہے جس طرح فقری اور بیری ان کی حماقت کی دلیل تین ہیں۔ کیونکہ آنحضرت نے یہ مثالیں تو صرف خدا کے آزادانہ اختیار کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ خداوند عالم کو اختیار ہے جس کو جیسا چاہے بنادے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے اور نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے کہ فلاں کو عینی کیوں بنایا مجھے کیوں نہ بنایا۔ اور فلاں کو شریف کیوں بنایا مجھے کیوں نہ بنایا۔

اسی طرح اس کو اختیار حاصل ہے جس کو چاہے اپنا سفیر بنادے اور جس کو چاہے نہ بنائے۔ لہذا خدا کے اختیار میں کسی کو دخل نہیں ہے کہ اس پر اعتراض کرے کہ بشری شکل میں کیوں سفیر بنایا اور غریب آدمی کو کیوں بنایا کسی فرشتہ کو سفیر بنا کر کیوں نہیں بھیجا اور کسی امیر کبیر کو اپنی سفارت کا عہدہ کیوں نہ دیا۔ جناب یہ سائل صاحب نے مکرر دہرے کر رہی مثالیں دے کر خدا کے اختیار کلی کا اظہار فرمایا ہے۔ مگر مؤلف صاحب ان مثالوں کی غرض و غایت باوجود وضاحت کے بھی نہیں سمجھتے اور رسالت کو ایک عارضی عہدہ سمجھنے لگے۔ حالانکہ آنحضرت نے یہ بھی مثالیں دے کر سمجھایا کہ مجبور بشری فطرت میں داخل نہیں ہے ورنہ معجزہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک پرندہ اگر ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پرندوں کے لئے معجزہ نہیں ہے کیونکہ پرندوں کی تمام قسمیں اڑتی ہیں

ہاں اگر کوئی آدمی اُڑنے لگے تو وہ بشر کے لئے معجزہ ہوگا کیونکہ بشر کی فطرت میں اُڑنا داخل نہیں ہے۔
 جناب رسالتؐ کے اس بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ طیارے بشر میں قوت معجزہ نہیں ہے کیونکہ
 نبی جب معجزہ دکھاتا ہے تو بشر اس کو اس لئے قبول کرتا ہے کہ اس کے طیارے میں یہ قوت اعجاز نہیں ہے
 اور اسی لئے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیتا ہے لہذا بشریت کے ساتھ کمال رسالت و امامت کو ملنے
 کے بعد معجزہ کی قوت عطا ہوتی ہے جو عاقل بشر میں نہیں ہوتی ہے۔ لہذا منبع اعجاز کمال نبوت و امامت
 ہوتا ہے اور معجزہ اس کمال ذاتی اور جوہری ذاتی کا اثر قرار پاتا ہے جس کی وجہ سے نبوت ملی ہے۔
 مولف کو تو یہ کہ ناچاہئے کہ اعتبار اعجاز کا ظہور اسی قوت کا نتیجہ ہے جو عارضی نہیں ہو سکتی کیونکہ
 عرض کا قیام بغیر جوہر محال ہے۔ اور اگر عارضی طور پر ظہور اعجاز ہوگا اور یہ طاقت وقتی طور پر دی جاتی ہوگی،
 تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس پر بھی ظہور معجزہ ہوگا وہ صاحب معجزہ ہوگا اور اس کو نبی یا امام تسلیم کرنا پڑے گا
 یا کم از کم دلی کا درجہ تو ضروری دینا پڑے گا۔ لہذا جو ماسخیات سے تعلق خرق عادت ہوگا وہ حیرت منظر معجزہ اسی
 طرح ہوگی جس طرح نبی یا امام کیونکہ نبی یا امام بھی اس صورت میں مظہر یا مجبر ہے اور یہ اشیاء بھی مظہر یا مجبر
 ہیں۔ نہ اس میں ذاتی قوت اعجاز ہے اور نہ ان اشیاء میں اور فاعل ظہور دونوں کے لئے یکساں طور پر خدا ہے
 لہذا جس چیز سے بھی خرق عادت ظاہر ہوگا وہ اس کا اختیاری فعل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اختیاری نہیں ہے اور
 خدا نے اس کو ظہور خرق عادت کے لئے مظہر بنایا ہے اور وہ صرف بے اختیار مظہر ہے جس طرح نبی بے اختیار
 مظہر ہے اسی طرح یہ چیز بھی بے اختیار مظہر ہے تو پھر مولف کی نگاہ میں دونوں قابل مدح نہیں ہو سکتے کیونکہ
 مدح و ذم کا تعلق صرف اختیاری فعل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ جبری افعال کے ساتھ۔ اسی لئے آپ آگ کے جلانے
 کی صفت کا قصیدہ آگ کی شان میں نہیں پڑھتے کیونکہ جلانا اس کا جبری فعل ہے۔ اور اسی طرح آپ سانپ
 اور بچھو کے لئے ان کے کاٹنے کے فعل پر ہجونا نہ نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس کا ڈنگ مارنا اور اس کا ڈسنا اس کا
 اختیاری فعل نہیں ہے بلکہ جبری ہے اور یہ وہ عقلی نظریہ ہے کہ جس کو صبیان بھی سمجھتے ہیں۔
 لہذا جس پر ظہور معجزہ ہوگا وہ ہرگز قابل مدح نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں اور مولف صاحب خود
 بھی دیکھ رہے ہیں کہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام اور اولیاء کرام کی عظمتیں اور ان کی فضیلتیں انہی معجزات کے
 ذریعہ بیان کی جا رہی ہیں اور ان کے درجات انہی کمالات کے ذریعہ قائم کئے جا رہے ہیں۔ اور کافروں نے ان
 ذوات مقدسہ سے انہی کمالات کا مطالبہ کیا ہے اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان ہی آثار کو معیار فضیلت قرار
 دیا ہے جیسا کہ ہم ائمہ طاہرین کے احادیث متواترہ سے پیش کریں گے۔ اب اگر مولف صاحب کا اصول تسلیم کر لیا
 جائے تو مٹی جو پرند بن کر اُڑنے لگی اس میں اور حضرت یونس علیہ السلام میں کیا فرق ہے۔ مظہر خرق عادت ہونے کی
 وجہ سے نبی کیوں نہیں بنی۔ اور اسی طرح وہ سنگ نرے جنہوں نے تسبیح پڑھی اور مظہر خرق عادت بنے ان میں
 اور حضرت رسالتؐ میں کیا فرق ہے۔ وہ مظہر خرق عادت کی وجہ سے نبی کیوں نہیں بنے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام

اثر دہا میں کہ مظہر خرق عادت بنا مگر نبی نہیں بنا۔ ناقہ نبی سے باتیں کر کے نبی نہیں بنا۔ ماہتاب دُکھ سے ہو کر نبی نہیں بنا۔ آفتاب اپنی رحمت سے نبی نہیں بنا حالانکہ ان سب پر ظہور خرق عادت ہوا۔
لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی یا امام با اختیار مظہر تھے، اور یہ اشیائے مذکورہ بے اختیار مظہر تھیں۔
اور جب افعال کا صدور کسی با اختیار سے ہوتا ہے تو وہی اس کا فاعل قرار پاتا ہے، اور پھر مدح و ذم کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا کہ قوت معجزہ کا خالق خدا ہے اور اس کا فاعل نبی یا امام ہے یعنی اس کے افعال سے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے وہ قابل مدح و ستائش ہے ورنہ دیگر اشیاء جو ظاہرِ اعجاز دینے ہیں ان میں اور انبیاء و ائمہ ظاہر میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اب تک تو ان مولف صاحب نے ان ذوات مقدسہ کو چتر اور مکھی کے برابر سمجھا تھا لیکن ہماری اس تحقیق کے بعد بھی اگر ضد پر اٹھ رہے تو ان ذوات مقدسہ کو سنگریزوں اور درختوں اور جانوروں کے مقابلہ میں لے آئیں گے کیونکہ ظہور خرق عادت میں یہ سب مساوی ہیں۔

مولف صاحب کو نصیحت کی جاتی ہے کہ ان اشیاء سے ظہور خرق عادت ان کا کمال ذاتی نہیں ہے اور نہ ان کے اختیار میں ہے بلکہ کسی دوسری طاقت نے مجبور کیا ہے اور اسی لئے ان افعال کے ظہور کی وجہ سے ان کی مدح و ثنا نہیں کی جاتی یعنی عصلائے مومنے اور سنگریزوں اور درختوں، آفتاب و ماہتاب کے قصیدے نہیں پڑے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی مجبور قابل مدح و ذم نہیں ہوتا ہے بلکہ جس نے اپنے کمال سے ان امور کا اظہار کیا ہے وہ قابل مدح اور لائقِ ثنا ہوگا۔

اب اگر نبی یا امام کو بھی مجبور تسلیم کر لیا جائے گا تو اس کے افعال معجزانہ کا ظہور بلا اختیار ہوگا تو نبی اپنے معجزات میں اسی صف میں شمار ہوگا جس صف میں سنگریزے اور درخت ہیں حالانکہ عقل و قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے افعال معجزانہ ان کے فضائل میں محسوب ہیں۔ کیونکہ ان کے کمال ذاتی کے آثار ہیں اور اسی لئے قابل مدح و ستائش ہیں۔ اہل کے شوقِ فقر اور رجعت شمس اور قلعِ خیبر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایجاد موتی اور ابرائے اکہہ و ابرص اور خلقِ طیر اور حضرت داؤد کے نرمی آہن اور حضرت سلیمان کے منطقِ الطیر اور تسخیر ہوا اور اطاعت جن و انس و وحش و طیر کو ان کی مدح و ثنا کا اہم باب قرار دیا گیا ہے۔

لہذا علی الرغم تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حضرات با اختیار فاعل ہیں اور ان کی قوتوں کا خالق خدا ہے اور یقیناً خدا ہے۔ اور یہ قوت اعجازِ ذاتی و عارضی نہیں ہے بلکہ کمال ذاتی ہے جس سے ظہور خرق عادت ہوتا ہے۔
اب اگر خالق و معطی قوت کو فاعل حقیقی گردانا جائے اور تعدادِ قوتوں کے استعمال کرنے والوں کو مجازاً فاعل قرار دیا جائے تو تمام بندگانِ خدا جن کو قوتِ فعل خدا نے عطا کی ہے اور تمام افعالِ خیر و شر نیک و بد نماز و روزنا،

موم و شراب سب اسی خدا و قدرت کے آثار ہیں تو ان تمام افعال کا فاعل حقیقی خداوند عالم قرار پائے گا اور بندگانِ خدا من باب المجازہ "فاعل قرار پائیں گے۔

پھر اس صورت میں سزا و جزا کا استحقاق کون ہوگا فاعل حقیقی یا فاعل مجازی؟ خدا را قوم پر رحم کیجئے اور اپنے لفظ "من باب المجازہ" کو اپنے مدارس ہی میں رکھئے تاکہ آپ کے مدارس بقعہ نور میں جائیں اس حکمت کی قوم کو ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کو ابھی تک یہ علم بھی نہیں ہے کہ خلقِ قوت اور چیز ہے اور استعمالِ قوت اور شے ہے۔ قوت فعل کا خلق کرنا سبب استعمالِ قوت نہیں بلکہ اس کا استعمال بندگانِ خدا کے اختیار و اقتدار میں ہے۔ خواہ معصیت میں استعمال کریں خواہ طاعتِ خدا میں۔ لہذا یہ خود ہی فاعل حقیقی ہیں نہ کہ فاعل مجازی۔ اسی طرح خلقِ قوت، اعجاز کا فاعل حقیقی خدا ہے نہ کہ فاعل مجازی۔ اور مدح و ثنا استعمالِ قوت پر ہے نہ کہ خلقِ قوت پر۔

نیز آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جب فعلِ معجزہ خدا کی طرف منسوب ہو تو اس سے مراد فعلِ خلق ہے یعنی خلق کرنا خود فعل ہے اور اس کا فاعل خدا ہے نہ کہ تلبیس بالفعل کیونکہ خدا اس سے اجل و ارفع ہے

ارشادِ پیغمبرِ اسلام تازیانہ عبرت ہے

عن حسین بن علی ابن ابی طالب قال ان المسلمین قالوا الرسول الله لو اكره
يا رسول الله من قدرات عليه من الناس الى الاسلام لكثرت عدونا وقوتنا
على عدونا فقال رسول الله ما كنت لالقي الله عز وجل ببدعة لم يحدث
الي فيها شيئا وما انا من المتكلفين فانزل الله تعالى عليه يا محمد لو شاء
ربك لامن من في الارض كلهم جميعا على سبيل الالحاد ولا خطر لى الدنيا
كما يؤمن عند المعانيمة و مديّة الياس في الآخرة ولو فعلت ذلك بهم لم
يستحقوا منى ثوابا ولا مدحا ولكنى اريد منهم ان يؤمنوا مختارين
غير مضطرين يستحقوا منى التراضى والكرامة و دوام الخلود في الجنة الخلد
افانت تكرة الناس حتى يكونوا مومنين۔ (احتجاج طبرسى ص ۳۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے میرے جذبہ زور و ارادہ رسولِ خدا سے عرض کی کہ یا رسولِ خدا اگر آپ ان لوگوں کو جن پر آپ کا اقتدار ہے اسلام لانے پر مجبور کر دیں تو ہماری کثرت ہو جائے گی اور دشمنوں کے مقابلہ میں طاقت بڑھ جائے گی تو رسولِ خدا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے خدا کے دربار میں ایسی بدعت لے کر جاؤں کہ جس کی قطعاً خدا نے مجھے اجازت نہیں دی ہے۔ اور میں جبر کرنے والوں میں سے

نہیں ہوں۔

پس خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر اپنا یہ حکم نازل فرمایا کہ اے محمدؐ اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام اہل زمین یقیناً ایمان لے آتے۔ دنیا میں جبر و اضطراب کے طریقہ پر جس طرح آخرت میں عذاب اور پادوسی دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ اگر میں ایسا کرتا تو یہ لوگ نہ ثواب کے مستحق ہوتے اور نہ مدح و ثناء کے۔ اسی لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ یہ لوگ با اختیار ہو کر ایمان لائیں مضطر ہو کر ایمان نہ لائیں۔ تاکہ یہ میرے تقرب اور میری کرامت کے مستحق قرار پائیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ جنت الخلد میں رہیں اے رسولؐ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کو مجبور کر کے مومن بناؤ؟

اس حدیث رسولؐ سے معلوم ہوا کہ خدا نے جبر کی اجازت نہ رسولؐ کو دی ہے اور نہ خود جبر کر رہا ہے ورنہ تمام دنیا مومن بن جاتی۔ اور یہ جبر اس لئے نہیں کیا کہ وہ اس صورت میں مستحق مدح و ثناء نہیں ہو سکتے۔

لہذا استحقاق مدح و ثناء کا فاعل مختار ہی کے لئے مخصوص ہے بغیر اختیار نہ استحقاق ثواب ہے اور نہ استحقاق مدح و ثناء۔ اس حدیث کی روشنی میں بالتحقیق ثابت ہو گیا کہ قوت اعجاز جبری قوت نہیں ہے بلکہ خدا نے قوت عطا فرما کر استعمال کا اختیار دے دیا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نبوت عطا فرما کر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ کار نبوت میں نبی کو مختار بنایا گیا ہے۔ ورنہ کوئی نبی اپنی نبوت کے خدمات انجام دینے میں مدح و ثناء کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عطا ئے نبوت فعل خدا ہے اور ہدایت خلق و تبلیغ احکام فعل نبی ہے لہذا اگر عطا ئے نبوت کے بعد نبی اپنے کار تبلیغ کا فاعل ہے اور مستحق مدح و ستائش بھی ہے تو عطا ئے قوت مجبرہ کے بعد نبی اپنے استعمال مجبرہ کا فاعل ہے اور مستحق مدح و ثناء بھی ہے۔ اس صورت میں عطا ئے نبوت اور عطا ئے قوت مجبرہ میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا افعال نبوتی اور افعال مجبراتی دونوں کی ایک ہی مشیت ہے۔ لہذا نبی دونوں صورتوں میں فاعل حقیقی ہے جس طرح خلق قوت نبوت اور خلق قوت اعجاز کا فاعل حقیقی خدا ہے اور جس طرح عطا ئے نبوت کے بعد قول و فعل نبی مطابق مشیت خدا ہوتا ہے اور نبی بالجبر کار نبوت انجام نہیں دیتا اسی طرح قوت اعجاز حاصل ہونے کے بعد مطابق مشیت خدا اعجاز دکھاتا ہے اور دونوں صورتوں میں قابل مدح و ثناء ہوتا ہے۔

ہمارے اس بیان سے یہ مطلب واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کو قوت اعجاز اور قوت خرقی عادت خود خدا نے عطا کی ہے اور اس کا فاعل و فاعل خود خدا ہے مگر اس کا استعمال انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے اختیار میں دے دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ معجزات کے خود فاعل ہیں اور مستحق مدح و ثناء ہیں۔ لہذا کار تبلیغ رسالت جس طرح قابل مدح و ثناء ہے اسی طرح اظہار معجزات بھی قابل مدح و ثناء ہے۔

سندِ سفارت اور سندِ عظمت دونوں خرقِ عادت ہیں

اظہارِ معجزات مثل اظہارِ نبوت تابع مشیتِ خدا ہے خواہ اس کا اظہار وقتِ پیدائش ہی کرادے، یا چالیس سال انتظار کے بعد کرانے۔ یعنی خداوند عالم نے ان ذواتِ مقدسہ میں ایک ایسی قوتِ خلق فرمائی ہے جو ان کی ذات کا جوہر ہے اور اسی کے آثار خرقِ عادت و تحیر کا ثبات اور بیسوط دار و اح و ملائکہ اور نزولِ اُمر و نواہی ہیں اور ان تمام امور کا ظہور مشیتِ خداوندی کے تابع ہے۔ لہذا بالملاحظہ ان افعال کی نسبتِ خدا کی طرف ہے اور بالملاحظہ تمسک و استعمال ان ذواتِ مقدسہ کی طرف ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ اور دیگر بندگانِ خدا میں فرق یہ ہے کہ بندگانِ خدا اس قوتِ خدا داد کا استعمال امر و ارادہ خدا کے خلاف بھی اپنے اختیارات کے ماتحت کر لیتے ہیں مگر انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام باوجود اختیارات کے خدا کے ارادہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔

”لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْلَمُونَ“

اب صرف ایک مسئلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ جبر و اختیار ایک امر ہے یعنی انبیاء و ائمہ علیہم السلام نہ بالکل مجبور ہیں اور نہ بالکل مختار بلکہ بندگانِ خدا کی طرح ان حضرات میں بھی من و دمج ہے اور من و دمج اختیار۔ اور ان کی ایک حیثیت جبران کی خلقت ہے۔ یعنی خداوند عالم نے ان کو اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق خلق فرمایا ہے۔ اس تخلیق میں ان حضرات کو کوئی مدخلیت حاصل نہیں ہے۔ جس کو جس کمال پر چاہا خلق فرمادیا ہے تلافی الرسول فضلنا بعضہم علی بعض رہم نے خود ان رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس میں جتنی قابلیت و استعداد چاہی ہے خود خلق کر دی ہے لہذا اس حیثیت سے یہ حضرات مجبور ہیں لیکن ان میں جو قوت و ودیعت فرمادی ہے اور اس کے استعمال کا اختیار بھی دے دیا ہے اس کے استعمال میں یہ حضرات مختار ہیں۔ اور اسی طرح اُمر و نواہی خداوندی میں بھی ان دونوں صنفوں یعنی انبیاء و ائمہ اور دیگر بندگانِ خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہی وہ نازک مسئلہ ہے جس کو تمام مذاہب کے پیشوا انہیں سمجھ سکے اور صرف ائمہ طاہرین علیہم السلام نے مشکل کشائی فرمائی ہے:-

فَأَمَّا التَّقْوِيَةُ الَّتِي ابْطَلَهَا الصَّادِقُ وَخَطَمَ مِنْ دَانِ بِهَا فَهُوَ قَوْلُ الْقَائِلِ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَضَّ إِلَى الْعِبَادِ اخْتِيَارًا أَمْرًا وَفَهِيمًا وَاهْتِلَامًا وَهَذَا الْكَلَامُ دَقِيقٌ لَمْ يَذْهَبْ إِلَى غَوْمَةِ وَدَقَّتْهُ إِلَّا الْأُتَمَّةُ الْمَهْدِيَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ عَتَرَةِ آلِ الرَّسُولِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ فَانْهَمُوا قَالُوا لَوْ فَوَضَّ اللَّهُ إِلَيْهِمْ عَلَى جِهَةِ الْإِهْمَالِ لَكَانَ لَانْزِمًا لَهُ مَرْضَا مَا اخْتِيَارًا وَدَةً وَاسْتَوْجِبُوا بِإِلْثَوَابٍ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمْ نِيْمًا اجْتَرَمُوا الْعِقَابَ إِذْ كَانَ الْإِهْمَالُ دَاقِعًا وَتَتَصَرَّفُ

ہذا المقالة على معنيين اما ان تكون العباد تقاها و اعليه فالزومه قبول اختيارهم باسما الله ضروره كره ذالك امام احب فقد لازموا الوهن او يكون جل و تقدس عجز من تعبد هم بالامر والنهي على امرادته ففوض امره و نهيه اليهم و اجراهه على محبتهم ادعجز عن تعبد هم بالامر والنهي على امرادته فجعل الاختيار اليهم في الكفر والايمان. (احتجاج ٢٣٥)

ليكن و قد تفيض من جس کو حضرت صادق علیہ السلام نے غلط فرمایا ہے اور جو اس کو اختیار کریگا، اس کو بھی خطا کا فرمایا ہے۔ وہ توفیق یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ ”خدا نے بندوں کو بالکل آزاد کر دے دی ہے اور اپنے امر و نہی کا اختیار بندوں کے حوالہ کر دیا ہے“ یہ کلام اتنا دقیق ہے کہ اس کی نزاکت اور باریکی کی طرف کسی کی نظر نہ پہنچ سکی سوائے ائمہ طاہرین کے جو عزت آل محمد صلی اللہ علیہم ہیں۔ اگر خدا نے بندوں کو آزادی دے دی ہے تو پھر خدا کے لئے لازم ہوگا کہ وہ جو کچھ پسند کریں خدا اس پر راضی ہو۔ اور وہ لوگ اس پسند پر ثواب کے حق دار بھی ہوں، اور جو بھی گناہ کریں ان پر عتاب کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اس نے خود آزادی دی ہے اور اس قول آزادی کی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو یہ آزادی اس لئے دی گئی کہ بندے خدا پر غالب آگئے اور انہوں نے خدا کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کی اختیار کردہ رائے کو ضرور قبول کرے۔ خواہ اس کو ان کی رائے ناگوار ہو یا گوارا۔ اس صورت میں خدا یقیناً کمزور ثابت ہوگا۔ اور اگر یہ آزادی اس لئے دی گئی ہے کہ وہ ان سے اپنے امر و نہی کی اطاعت اپنے ارادہ کے مطابق کرانے میں عاجز رہا اس لئے اپنا امر و نہی ان کے سپرد کر دیا اور امر و نہی کو ان کی محبت کے مطابق قرار دے دیا کیونکہ وہ اپنے ارادہ کے مطابق اطاعت امر و نہی نہ کر سکا اس لئے کفر و ایمان کی پسندیدگی ان کے سپرد کر دی۔ کیونکہ وہ عاجز ہو گیا۔ اس سے بھی خدا کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی آزادی کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بندے خدا پر غالب آگئے اور وہ مغلوب ہو کر ان کی مرضی کا پابند ہو گیا اور ان کو آزادی حاصل ہو گئی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بندے اس کے قبضہ میں نہ آ سکے، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اطاعت نہ کر سکا اس لئے ان کو آزادی حاصل ہو گئی۔

یہ دونوں طریقے خدا کے عجز اور اس کی کمزوری کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی قدرت کا انکار لازم آتا ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے جس چیز کو وہ پسند کریں وہ خدا کی بھی پسندیدہ ہو جائے اور جس چیز کو نا پسند کریں وہ خدا کی بھی نا پسندیدہ ہو جائے۔ اور جب صورت مذکورہ باطل ہے تو پسندیدگی یا

نا پسندیدگی کا اختیار صرف خدا کو ہوگا اور اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بندوں کو ہوگا۔ لہذا بندے
من ورج مجبور میں اور من ورج مختار ہیں۔ نہ ان کو بالکل مجبور کیا گیا ہے اور نہ بالکل مختار بنایا گیا ہے۔ یہ توفیق
جس کی وضاحت کی گئی ہے ان ذوات مقدسہ کے لئے بھی حاصل نہیں ہے اور نہ دیگر بندگان خدا کے لئے

حضرت امیر المومنین کا ارشاد گرامی

عتابہ بن ربیع سئل امیر المومنین علیہ السلام عن الاستطاعة فقال
امیر المومنین علیہ السلام تملکھا من دون اللہ او مع اللہ فسکت
عتابہ بن ربیع فقال له قل یا عتابہ قال وما اقول قال ان قلت تملکھا
مع اللہ قتلک او قلت تملکھا من دون اللہ قتلک قال وما اقول
یا امیر المومنین قال تقول تملکھا باللہ الذی تملکھا من دونک
فان ملکھا کان ذالک من عطائہ وان سلبکھا کان ذالک من بلائہ
وهو مالک لما ملکک والما لک لما علیہ اقدمک اما سمعت الناس
یسئلون حیث یقولون لاحول ولا قوة الا باللہ فقال الرجل وما تأویلہ
یا امیر المومنین قال لاحول بنا عن معاصی اللہ الا بعصمتہ ولا قوة
لنا علی طاعة اللہ الا بعون اللہ قال فوشب الرجل وقبل ید یدہ ورجلیہ
(احتجاج طبرسی ص ۲۳۳)

عتابہ بن ربیع اسدی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے بندوں کی استطاعت کا
مطلب دریافت کیا تو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عتابہ تم جس استطاعت
کے مالک ہو یعنی فعل و ترک پر قدرت رکھتے ہو یہ استطاعت بغیر خدا کے حاصل ہے یا
خدا کے ساتھ مل کر حاصل ہے؟ یہ سن کر عتابہ خاموش ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بولو عتابہ
کچھ بولو۔ اس نے عرض کی کہ مولائیں کیا عرض کر دوں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم یہ کہو گے کہ خدا
کی معیت میں تم اس استطاعت کے مالک ہو یعنی دونوں کے ہم ہو جانے سے تمہیں استطاعت
حاصل ہے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا کیونکہ تم شریک خدا بن گئے، اور اگر تم یہ کہو گے کہ تم
بغیر خدا اس استطاعت کے مالک ہو تب بھی میں تمہیں قتل کر دوں گا کیونکہ تم مثل خدا
بن گئے، عتابہ نے عرض کی پھر یا مولائیں کیا کہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ توں کہو کہ تم اس
استطاعت کے مالک اس خدا کے ذریعہ سے بنے ہو جو تمہارے بغیر وہ خود اس کا مالک
ہے۔ پس اس نے اگر تمہیں مالک بنایا ہے تو یہ اس کی عطا ہے اور اگر اس استطاعت کو

سلب کر لے تو یہ اس کا امتحان ہے۔ اور اے عتابہ وہ اس کا بھی مالک ہے جس کا تمہیں مالک بنایا ہے اور اس کا بھی مالک ہے جس پر تمہیں قدرت عطا کی ہے کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ لوگ سوال کرتے ہیں جب کہ اپنی زبان پر یہ لفظ جاری کرتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ عتابہ نے عرض کی یا مولا اس کا مطلب سمجھائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے کہتے ہیں لاحول تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے گناہوں سے بچنے کی طاقت ہم میں نہیں ہے بلکہ اسی کے بچانے سے ہم بچتے ہیں۔ اور ولا قوۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی قوت ہم میں نہیں ہے بلکہ ہم اسی کی مدد سے اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سن کر عتابہ خوشی میں اُچھلا اور فوراً آپ کے دست مبارک اور پائے مبارک کے پوسے لینے لگا۔ امام کے دست مبارک کے ساتھ قدم مبارک کا بوسہ بھی ایمانی رفعت ہے، فافهم ولا تکن من الجاهلین۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

ان الله خلق الخلق فعلم ما هم اليه بصيرون فامرهم ونهاهم فما امرهم به من شيء فقد جعل السبيل الى الاخذ به وما نهاهم عنه من شيء فقد جعل السبيل لهم الى تركه ولا يكونون اخذين ولا تاركين الا باذنه وما جبر الله احدا من خلقه على معصيته بل اختبرهم بالبلوى كما قال ليس بلكم ايكوا احسن عملا قوله ولا يكونون اخذين ولا تاركين الا باذنه اي بتخليته وعلمه۔ (احتجاج ۱۹)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بالتحقیق خداوند عالم نے خلق کو پیدا کیا اور اسے علم تھا کہ یہ کس طرف مائل ہوں گے اس لئے ان کو امر اور نہی فرمائی۔ اور جس چیز کا بھی امر کیا اس کے حاصل کرنے کی سبیل بھی بنادی اور جس چیز سے بھی روکا اس کے ترک کرنے کی بھی سبیل بنادی۔ اور امر پر عمل کرنے اور نہی کے ترک کرنے میں اس کا اذن ساتھ ہوتا ہے۔ اور خدا نے کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزمائش کے لئے تکلیف دی جیسا کہ خود فرماتا ہے کہ تمہیں اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ تمہارا امتحان لے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔

اس ارشادِ عالم میں جو یہ لفظ ہے کہ عمل نیک اور گناہ اذنِ خدا کے ساتھ ہوتے ہیں اس کا

مطلب یہ ہے کہ ہر پابندی کو بٹالیتا ہے۔ اور خدا کو اس کا علم ہے۔ یعنی خدا نے دونوں صورتوں میں مجبور نہیں کیا ہے۔

نتیجہ ارشادات معصومین علیہم السلام

یعنی خداوند عالم نے جس طرح اپنے بندگان کو قوت فعل عطا کی ہے اسی طرح انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو بھی عطا کی ہے۔ نہ بندگان کو مجبور کیا ہے اور نہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کو۔ کیونکہ جو فعل بھی جبر کے ذریعہ ہوگا اس کی مدح و ثناء نہیں ہو سکتی۔ اور یہ دونوں صورتیں صنف انبیاء و ائمہ اور امت کے لئے برابر ہیں۔ اور اسی طرح حالت جبر میں نہ بندگان خدا جزائے فعل کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام۔ اور اسی طرح خدا کے امر و نہی کی تعمین و تجویز میں نہ بندگان خدا کو اختیار ہے اور نہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو۔

اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ”ما یكون لی ان ابدل من تلقاء نفسی“ (قرآن مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں خود اپنی خواہش نفس سے کوئی تبدیلی کر سکوں۔)

اور آنحضرتؐ نے ایک طویل خطبہ میں فرمایا ہے :-
معاشر الناس وکل حلال وکلمہ علیہ احوام نہیتم عنہ فانی لہا جم
عن ذالک ولہا ابدل فاذا کرم اذالک واحفظوہ وتواضوبہ ولا تبدلوہ
ولا تغیروہ۔ (احتجاج طبری ص ۳۲)

اے گروہ مردم! میں نے تمہیں جس حلال کی رہنمائی کی ہے اور جس حرام سے منع کیا ہے
میں نے یقیناً اس سے روگردانی نہیں کی ہے اور نہ میں نے اس میں کوئی تبدیلی کی ہے
تم میرے اس اعتراف کا ذکر لوگوں سے بیان کرتے رہنا اور اس کو یادداشت میں رکھنا
اور اس کی وصیت بھی کرتے رہنا۔ اور دیکھو تم بھی اس میں تبدیلی اور تغیر نہ کرنا۔

نیز آنحضرتؐ معلّم نے اپنی آخری زندگی کے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے :-

لا حلال الا ما احلہ اللہ ولا حرام الا ما حرّمہ اللہ عرفنی الحلال والحرام
وانا افضیلت بما علمت من ربی من کتابہ وحلالہ وحرامہ الیہ۔

(احتجاج طبری ص ۳۲)

اور نے لوگو! یاد رکھو کہ حلال بس وہی ہے جس کو خدا نے حلال کیا ہے۔ اور حرام بھی
بس وہی ہے جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ خدا نے خود مجھے حلال و حرام کی معرفت کرائی
ہے۔ اور میں نے وہ سب کچھ جو اس نے مجھے پڑھایا تھا یعنی اس کی کتاب اس کا حلال اس کا

حرام۔ سب کچھ علی ابن ابی طالب کو پہنچا دیا ہے۔“

ہم اسے ان دلائل و براہین قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کو امور تشریعی میں تبدیلی کا حق نہیں ہے۔ لہذا جو تفویض معنی اختیار فعل ہے وہ صحیح و درست ہے یعنی بندگان خدا اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو خدا نے جو قوتیں اور قدرتیں عطا فرمائی ہیں ان کے استعمال کا حق تفویض فرمایا ہے اور اس میں جبر نہیں کیا ہے۔ لہذا انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو امور تکوین و امور مخلیق کے جو اختیارات عطا فرمائے ہیں ان امور میں مجبور نہیں ہیں تابع مشیت خدا ہیں۔

ہم نے سابق اور اوراق میں انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بعض اختیارات تحریر کئے ہیں اور خلق و رزق اور ایثار و منن اور علم و ماکان و مایکون کے آثار اور تمام کائنات پر اقتدار کا تذکرہ حوالہ قرطاس کر دیا ہے۔ مگر اب ایک ایسی جامع حدیث تحریر کرتے ہیں کہ اس کے بعد ناصیبوں کے تمام اعتراضات کا مکمل جواب ہو جائے گا اور پھر ان کے لئے جلے دم زدوں باقی نہیں رہے گی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد حق بنیاد!

حضرت امام رضا علیہ السلام نے غالیوں اور مفتوحہ کی گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور ان کی وجہ گمراہی پر روشنی ڈالی کہ یہ اپنی نافرمانی اور نالافتی سے محبت خدا کے کمالات اور اقتدار کی علت نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو خدا کا شریک کار اور خدا کو معمولی حیثیت کا قادر مختار سمجھ بیٹھے اور گمراہ ہو گئے۔ ارشاد فرمایا ہے:-

اذ لم يعلموا انه القادر بنفسه والغني بذاته الذي ليست قدته
مستعارة ولا غناه مستفاد او الذي من شأوا فقره ومن شاء
اغناه ومن شاء اعجزه بعد القدمة واقفره بعد الغنى ما
نظروا الى عبد قد اختصه الله بقدمة ليبين بها فضله
عنده واثره بكرامة ليوجب بها حجة على خلقه۔

(احتجاج طبرسی ص ۲۲)

ان غالیوں اور مفتوحہ نے چونکہ نہیں سمجھا کہ خداوند عالم قادر اور غنی بالذات ہے اور وہ ذات ہے کہ جس کی قدرت عاریت لی ہوئی نہیں ہے اور اس کی بے نیازی اور لا پرواہی کسی سے حاصل کی ہوئی نہیں ہے۔ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے فقیر کر دے اور جس کو چاہے غنی کر دے اور جس کو چاہے قادر بنا کر عاجز کر دے اور غنی بنا کر فقیر بنا دے۔ (اس شان کبریائی کو عالی نہیں سمجھے،

ان لوگوں نے جب خدا کے ایسے بندہ خاص پر نظر ڈالی کہ جس کو خدا نے ایک ایسے اقتدار کا مالک بنا دیا ہے یعنی ایسی قدرت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی درگاہِ احدیت میں اس کا مرتبہ فضل ظاہر کرنا چاہتا ہے اور اس کو ایسی کرامت سے نواز رہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی حجت کو لازمی طور پر مخلوق سے منوانا چاہتا ہے۔ تو یہ لوگ اس راز کو نہ سمجھ سکے اور قدرت و کرامت کو دیکھ کر گمراہ ہو گئے،

امام رضا علیہ السلام کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا نے ان ذات مقدسہ کو جو خدا کے عہد خاص ہیں ایسی بے پناہ قدرت و کرامت عطا کر دی ہے کہ جس سے ان کی شان کے جلوے نظر آتے ہیں اور تمام مخلوق کی عاجزی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر یہ قدرت و کرامت اس لئے دی تھی کہ لوگوں کو ان کی عظمت کا احساس ہو اور خدا کی بارگاہ میں ان کا تقرب خاص معلوم ہو سکے۔ اور پھر لوگ ان کی اطاعت کریں اور ان سے خدا کے احکامات حاصل کریں اور اپنے ضروریات کو ان کے ذریعہ پورا کریں۔ مگر غالیوں اور مغوضہ نے یہ راز نہ سمجھا اور گمراہ ہو گئے۔

ناظرین کرام ہر سلیم الطبع اور صاحب عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان ذات مقدسہ سے یقیناً ایسے امور ظاہر ہوتے جو غالیوں کے لئے خدا یا شریک خدا تسلیم کر لینے کا سبب قرار پائے اور یہ امور ان کی قدرت و کرامت خدا داد کے آثار تھے۔ لہذا اگر یہ امور صرف احکام شرعیہ ہی ہوتے تو کوئی معمولی عقل والا بھی ان کو خدا کی گادرہ نہ دیتا اور نہ شریک خدا قرار دیتا۔ کیونکہ حلال و حرام کی تبلیغ اور امر و نہی کی اطلاع اور وہ بھی لا اکراہ فی الدین کو ملحوظ رکھ کر کسی طرح بھی خدا یا شریک خدا منانے کا سبب نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ اقتدار امور تکوین و امور تخلیق ہی میں عطا کیا گیا ہے۔ اور صرف اسی لئے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مخلوق کو ان کے سامنے جھکا دیا جائے اور لوگ اپنی عاجزی تسلیم کر لیں تاکہ انسانی فطرت کے تقاضے ان کی اطاعت پر مجبور کر دیں اور پھر اس کے بعد ان حضرات کے لئے احکام خداوندی کی تعمیل کرانا آسان ہو جائے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قدرت و کرامت کا تعلق امور تکوین و تخلیق ہی سے ہے اور ان کی گمراہی کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ وہ ان حضرات کے صاحب کمالات و کرامات و معجزات ہونے کی علت غائی اور من اللہ اس اقتدار کے عطا کرنے جانے کی صحیح وجہ نہ سمجھے اور اپنی رائے اور اپنے قیاس کی وجہ سے مثل خدا یا شریک خدا بنا دیا۔ مگر ان کی غلطی کو ان کی گمراہی قرار دیا جاسکتا ہے اور ان پر لعنت بھی کی جاسکتی ہے اور ان کی توہین و تذلیل بھی۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ غلطی غالیوں اور مغوضہ سے سرزد ہو اور اقتدار محمد و آل محمد سے سلب و غضب کر لیا جائے اور پھر ان ذات عالیہ کی قدرت و کرامت کی نفی کی جائے۔ اور ان کے مراتب کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے، اور ان کے ذات مقدسہ میں کیڑے نکلے جائیں اور ناصبیت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

اگر غالی اپنی قیاسی غلطی سے غالی بن گئے تو یہ لوگ اپنی قیاسی غلطی سے ناموسی قرار پائے۔ یعنی گمراہ دونوں ہیں۔ ایک نے حد سے بڑھا دیا اور دوسرے نے حد سے گرا دیا۔ ”محب غالی و محب قتال“ دونوں ہی ہلاک ہیں۔ یعنی وہ دوست جو حد سے بڑھا دے اور وہ دشمن جو حد سے گھٹا دے۔ نامصیبت مرہ باد)

لہذا درمیانی درجہ اور صحیح مسلک یہی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے کمالات و معجزات و مراتب حیرت انگیز و تعجب خیز کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی شانِ عالی کے ادراک سے اظہارِ عجز و قصور کرتے ہوئے ان حضرات کو عبدِ خدا مانا جائے۔ اور صرف خدا ہی کو ان بزرگواروں کا حاکم و مالک تسلیم کیا جائے۔ اور ان حضرات کے اقوال و افعال کو خدا کے اقوال و افعال سمجھ کر حجۃ اللہ علیہ الخلق تسلیم کیا جائے اور ان حضرات کی کسی نفیست کا نہ انکار کیا جائے اور نہ اس کی رد کے لئے قیاس آرائی اور تاویلات تحیفہ کی زحمت کی جائے۔ کیونکہ یہ صورت باعثِ ہلاکت اور ناصہبت کی نشانی ہے۔

البتہ اگر کوئی فضیلت ایسی ہو جو قرآن مجید کے آیات محکمہ کے یا احادیث متواترہ کے یا دلائل قطعیہ عقلیہ کے یا ضرورت دین کے خلاف نظر آئے تو پہلے تاویل کرو۔ اور اگر قابل تاویل نہ ہو تو پھر اس کو غالیوں کے مفوات سمجھو۔ مگر کسی غاصی کے انکار سے تم کوئی اثر نہ لو۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا متکلم و محدث ہو۔ کیونکہ وہ معرفتِ اہلبیت سے قاصر و عاجز ہے۔ اور اس کے عدم علم و معرفت کی وجہ سے فضیلتِ اہلبیت کا عدم لازم نہیں آتا ہے۔

یہ ہے وہ اصول و معیار جس کو خواص بکار اخبار علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ اور ان سے بہتر سمجھ بھی کون سکتا ہے۔ اس معیار کے بعد کسی مؤلف کا بار بار لکھنا کہ اعتقاد کے لئے اخبار احاد کافی نہیں ہیں بلکہ اخبار متواترہ کی ضرورت ہے، بالکل لایعنی اور لغوبات ہے۔ کیونکہ جب مسلمہ عقیدہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام عالمین سے افضل ہیں اور جامع کمال است امکانہ ہیں اور تمام کمالات و معجزات انبیاء بلکہ ان سے افضل ان کی ذوات مقدسہ میں موجود ہیں تو اس دلیل قطعی اور برہان عقلی اور ثبوت قرآنی اور حجت نصی کے بعد اخبار احاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواہ ایسے مضامین سند کے لحاظ سے ضعیف ہوں یا قوی۔ خطبۃ البیان میں ہوں یا کسی مقطوع السند حدیث میں ان کو رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان ذوات مقدسہ کو ایسے فضائل سے عاری و خالی کہا جاسکتا ہے۔ جب تک کہ اقسام غلو میں سے کسی قسم کے غلو میں داخل نہ ہوں اور یا مذکورہ بالا چار معیار صحت کے خلاف نہ ہوں۔ ہمارے اس بیان کو موالیائی اہلبیت اپنے دلوں پر نقش کر لیں اور کسی نا صبی ملّا کے نہ فریب "احاد" میں آئیں اور نہ "من باب المجازتہ" کے دام میں گرفتار ہوں اور نہ متکلمین و محدثین کے عجز و قصور سے مرعوب ہوں۔ کیونکہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اور وہ بزرگوار خود

فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ حصہ ان ذوات مقدسہ کا بیان کر دوں تو لوگ مجھے جہنم کہہ دیں گے اور میرے قاتل کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے۔

اہلبیت کے باب میں اعتقادِ سلمانؓ پر ربوبیت کا الزام

جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہستی ہیں کہ جن کے دسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اسی لئے ان بزرگوار کی تجہیز و تکفین جناب امیر علیہ السلام نے اپنے دست حق پرست سے فرمائی ہے۔ کیونکہ نبی یا دینی نبی کو نبی یا دینی نبی ہی غسل و کفن دیتا ہے جیسا کہ ہم اپنے رسالہ ”سلمانؓ ایران میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔

ان بزرگوار نے بعد وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر علیہ السلام کے استحقاق خلافت ظاہری کے دلائل پیش کئے اور فرمایا کہ اگر تم لوگ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اپنا بادی اور ولی امر تسلیم کر لیتے تو تمہارے تحت و فوق میں نعمت ہوتیں۔ اور اگر تم ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو بلاتے تو وہ لپیکٹ کہتے ہوئے حاضر ہو جاتے۔ اور اگر تم دریاؤں کی مچھلیوں کو پکارتے تو وہ بھی لپیکٹ کہتی ہوئی حاضر ہو جاتیں۔ مگر تم نے رسول کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا، اب قیامت میں عذاب کے لئے تیار رہو۔ یہ سن کر ایک صحابی نے جو خاص طور پر ”ثانی“ کے لفظ سے پہچانے جاتے ہیں سلمان کو یہ جواب دیا کہ اے سلمان اب تم جو چاہو کہو اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ خدا نے امر خلافت لہبیت سے جدا کر دیا جن کو تم نے اپنا ”رب“ بنایا ہوا ہے۔ سلمان فارسی نے یہ سن کر ایک آیت جہنم و عذاب کی بابت پڑھی۔ (اجتہاد طبری ص ۴۸)

اس حدیث سلمانؓ سے بالکل واضح ہو گیا کہ خرق عادت خود ذات امیر المومنین علیہ السلام کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر حضرت کو تمام لوگ ولی امر مان لیتے تو ان کے لئے بھی خوارق عادت ظاہر ہوتے اور ہوا کے پرندے اور دریا کی مچھلیاں ان کی آواز پر لپیکٹ کہتیں۔ ”ثانی“ نے سلمان کے لئے یہ لفظ کہے کہ تم نے اہلبیت کو ”رب“ بنایا ہوا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو کہ سلمان فارسی ایسا اعتقاد رکھتے تھے کہ جس کی وجہ سے ”ثانی“ نے سلمان فارسی سے کہا کہ تم اہلبیت کو ”رب“ کا درجہ دیتے ہو۔

اب مؤلف صاحب بتائیں کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کیا ان ذوات مقدسہ کو رب سمجھتے تھے۔ نہیں نہیں۔ رب نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ یہ لفظ ان کی شان میں استعمال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے عقائد سے ”ثانی“ نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ اہلبیت کو رب سمجھتے ہیں۔ آج ”ثانی“ کے مقلدین و تابعین ان کی سنت پر عمل کر رہے ہیں اور ہمیں غالی کہتے ہیں۔ یعنی گویا ان کی نظر میں ہم نے اہلبیت کو رب

بنایا ہوا ہے۔ لہذا عمار احشر سلمان فارسی کے ساتھ ہوگا۔ اور ہمیں غالی کہنے والوں کا حشر ثانی کے ساتھ ہوگا۔

معجزات کا تعلق امور تکوین و تخلیق سے وابستہ ہے

لفظ ”معجزہ“ کا مطلب ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں اور اس کا استعمال بھی قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے۔ اور اس کے عام معنی کسی کو عاجز کر دینا بھی ہیں خواہ اس کے اسباب عجز کچھ ہوں مگر انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے امور تکوین اور امور تخلیق میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی خارق عادت فطری ہوتا ہے اور اس کے متعدد و مختلف طریقے ہیں۔ کبھی خرق عادت تبدیلی جنس کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے عصا کو اتر دیا جانا۔ سنگ یزوں کو انگوڑا بنانا۔ بانی کو زمر و یاقوت بنانا۔ اور کبھی فطری طاقت کو سلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت سادہ کی طرف بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا اور وہ خشک ہو گیا۔ کبھی مومنین کو نجات دینے کے لئے ہوتا ہے جس کے شواہد ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں اور اب بھی ایسے معجزات ہوتے رہتے ہیں۔

اور کبھی عظمت نبی و امام ظاہر کرنے کے لئے جیسے شکیم مادر میں باتیں کرنا اور پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھنا۔ اور قصر کسریٰ کے کنگرے گرنا۔ نہر سادہ کا خشک ہو جانا۔ آتش کدہ فارس کا خاموش ہو جانا۔ والدین کی پیشانیوں سے قبل پیدائش نور ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام خوارق عادات کسی بد مقابل کو شکست دینے کے لئے نہیں ہیں۔ لہذا لفظ معجزہ اور معنی معجزہ کو صرف مقابلہ ہی کے لئے مخصوص کرنا جہالت ہے اور کثرت معجزات کو تماشا خانہ لکھنا گمراہی بلکہ صریحی ناصبیت ہے۔

خرق عادت کے طریقے

خرق عادت کے طرق کا احصاء تو مشکل ہے مگر متقدمین نے مندرجہ ذیل طرق تحریر فرمائے ہیں۔

- ۱۔ مقابلہ اور تحدی - وہ خوارق عادات جو بطور چیلنج ظاہر ہوں۔
- ۲۔ اعصاب - وہ خوارق عادات جو قبل بخت ظاہر ہوں۔
- ۳۔ کرامت - وہ خوارق عادات جو صلحائے مومنین سے ظاہر ہوں۔
- ۴۔ استدراج - وہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں ان کی سزا کے لئے۔
- ۵۔ معونت - وہ خوارق عادات جو مومنین کی گھوغھامی کے لئے ظاہر ہوں۔
- ۶۔ ابانت - وہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں ان کی توہین کے لئے۔
- ۷۔ اعظام - وہ خوارق عادات جو ائمہ و انبیاء سے ان کے اظہار عظمت کے لئے ظاہر ہوں۔

۸۔ اقوال بالآثار وہ خوارق عادات جو اقوال انبیاء و ائمہ سے ظاہر ہوں جیسے درخت کو بلانا، جانوروں سے باتیں کرنا۔

۹۔ اخبار بالمستقبلات والماضیات :- وہ خوارق عادات جو آئندہ و گزشتہ واقعات سے متعلق ہوں۔

یہ تمام طرق خرق عادت ہیں۔ اور ان میں سے بعض کا خالق و فاعل خدا ہوتا ہے اور بعض کا فاعل نبی یا امام ہوتا ہے مگر خالق خدا ہی ہوتا ہے۔

کثرت معجزات رحمت خدا ہے نہ کہ تماشا

مؤلف صاحب نے اپنی اصول الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر ہر وقت خرق عادت کا ظہور ہوگا تو نبی و امام کی بزم تماشا خانہ بن جانے لگی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

صاحب اعجاز کا کام صرف دُعا کرنا ہے۔ معجزہ کا اظہار خدا نے قہار کرتا ہے۔ کسی خارق عادت امر کی دُعا پر اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔

معجزہ میں تکرار و تعدد ضروری نہیں ہے۔ پس جب نبی و امام اپنے دعویٰ کے اثبات پر معجزہ دکھادیں اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وقت لوگوں کی خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا کر اپنی بزم نبوت و امامت کو تماشا خانہ عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔ (اصول الشریعہ ص ۱۳)

معلین صاحبان کو کتاب ”مدینۃ المعاجز“ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور جناب سرکار علامہ مجلسیؒ کی تحقیق کو تسلیم

کر لینا چاہئے جس میں صاف صاف یہ عبارت ہے:-

واجب علی جمیع الاشیاء طاعتهم و اجری طاعتهم علیہا ای اوجب والزم علی جمیع الاشیاء طاعتهم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر و اقبال الشجر و تسبیح الحصاء و امثالہا مما لا یحصى۔ (نکار الانوار جلد ۳ ص ۳۲)

یعنی خداوند عالم نے ان ذوات قدسیہ کی اطاعت تمام اشیا، عالم پر واجب و لازم قرار دی ہے حتیٰ کہ جمادات بھی اطاعت کرتے ہیں اور تمام اشیا، سماوی و ارضی اطاعت کرتے ہیں جیسے شق القمر اور درختوں کا حاضر ہونا اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا اور اسی طرح دیگر معجزات جن کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ علامہ کی اس تحقیق کے بعد مؤلف صاحب اپنا سر

دیوار سے دے ماریں۔

عام مسلمانوں نے بھی ایک ہزار سے زیادہ معجزات کی تعداد تحریر فرمائی ہے اس پر بھی نظر رکھنا چاہئے۔ اور

سرکارِ علامہ مجلسی کے محققانہ ارشاد کے مطابق کائنات کو تالیفِ فرمانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام بمحمدؐ چاہئے اور اسی کو اقتدارِ معجزہ کہتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم موالیانِ اہلبیت کا یہی اعتقاد ہے۔ اسی پر زندہ ہیں اسی پر مریں گے انش۔

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے نبی و امام کی شناخت کے لئے فرمایا ہے:-
قال صدوق "وانما لایکون لہ قنّی لانہ مخلوق من نور اللہ -
(بحار الانوار ج ۲۶)

یعنی ان حضرات کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا ہے چونکہ ان کی خلقت نورِ خدا سے ہوئی ہے۔
کیا یہ خرقِ عادت نہیں ہے۔ کیا کسی مؤلف کے لئے آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ جسم کا سایہ ہی نہ ہو۔ اور مطابق احادیث صحیحہ نبی و امام کی یہ شان ہے کہ "یرى من خلقه کما یرى من بین یدیه - (بحار الانوار ج ۲۶)

یعنی یہ حضرات جس طرح آگے دیکھتے ہیں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔ کیا کسی مؤلف کے لئے بھی یہ بصارت و بصیرت ہے، کیا یہ خرقِ عادت نہیں ہے۔ اور یہ معجزات وہ ہیں جو ہر وقت ہر حالت میں ان کی ذات سے جدا نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان حضرات کی نبوت و امامت کی علامات ہیں۔ مؤلف صاحب کیا ان ذواتِ قدسیہ کو تماشا کہہ کر اسلام کو سلام کرنا چاہتے ہیں۔

انکارِ معجزات تو دہریوں کا اعتقاد ہے۔ مسلمانوں نے کبھی معجزات کا مذاق نہیں اڑایا ہے اور نہ کمالات کو تماشا خانہ جیسے گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ہم اس کی رد سابق اوراق میں سپردِ قلم کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ قوتِ معجزہ کا خالق خدا ہے اور اس کا فاعل جبرائیل علیہ السلام ہے۔ اور یہ معجزات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کے لئے اختیاری ہیں بلکہ وہ خود معجزہ ہیں۔ اب ہم صرف اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خرقِ عادت کا ظہور اگر کسی شخص کا فریب ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص صاحبِ معجزہ ہے۔ اور یہ معجزہ خدا نے دکھایا ہے۔ وہی اس کا فاعل ہے تو اس صورت میں اشارہ و کفار کے لئے کیا صورت ہوگی۔ کیونکہ ظہورِ خرقِ عادت کا محل و مقام دشمنِ خدا ہے۔ فرعون ہے۔ نمرود ہے۔ تو کیا ان کافروں اور فرعونوں کو صاحبِ معجزہ کہا جائے گا اور ان کافروں اور انبیاء و ائمہ میں محل و مقامِ ظہور کے لحاظ سے کیا فرق ہوگا۔ کیونکہ عدمِ قابلیت میں دونوں یکساں ہیں اور دونوں میں فاعلِ خدا ہے۔ اور وہ محض محل و مقامِ ظہور ہیں۔ تو اس صورت میں جس طرح "من باب الجائزہ" نبی و امام کے لئے معجزہ کا اطلاق مؤلف نے تحریر کیا ہے اسی طرح "من باب الجائزہ" کفار و اشرار بھی فاعلِ معجزہ ہوں گے۔ ان کے اس عقیدہ کا بلکہ کوئی ایسا اہلبیت کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو ہیں انبیاء و ائمہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ نتیجہ اس اعتقاد کا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں کوئی کمالی ذاتی نہیں ہے بلکہ عارضی اور وقتی طور پر ظہورِ خرق

عادت ہوتا ہے جیسے اشتراک و کفار پر بھی ہوتا ہے۔ مگر ان ذوات مقدسہ کے اجسام کا سایہ نہ ہونا اور آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا اور آگے پیچھے کیساں دیکھنا وغیرہ جو عارضی اور وقتی آثار نہیں ہیں ان کے لئے کیا فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ ہر وقت اور ہر لمحہ چیخ و پکار اور دعا بھی ثابت نہیں ہے جس کو معجزہ بتایا گیا ہے اور کافروں اور فرعونوں کے لئے تو قطعاً دعا کا وجود ہی نہیں ہے۔ مگر معجزہ ان پر ظاہر کیا گیا مولف نے دعا پکار کا نظریہ پیش کر کے اپنی انتہائی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوجھا۔

لہذا ان کو اپنا نظریہ بدلتا ہی پڑے گا۔ اور خرق عادت کے لئے نہ چیخ و پکار اور نہ دعا و طلب کی شرط لازمی ہوگی اور نہ ظہور خرق عادت کا محل بن کر کوئی صاحب معجزہ بن سکے گا۔ جیسا کہ ہم سابق ادوار میں لکھ چکے ہیں بلکہ ان لوگوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں کمال ذاتی من جانب اللہ موجود ہے جس کے آثار خوارق عادات ہیں۔ یہ کمال ذاتی وقتی اور عارضی نہیں ہوتا ہے۔ البتہ صلحہ مومنین میں خرق عادت یہ سبب کرامت ظہور پذیر ہوتا ہے مگر نبی و امام کی ذات میں یہ قوت پیدا نشی ہوتی ہے اور وہ شکم مادر میں بھی باتیں کرتا اور کھینچتا ہے اور غلاف فطرت بشہ پیدا ہوتے ہی تکبیر کرتا ہے اور قرآن کی تلاوت بھی کر لیتا ہے۔ اور مخنون پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تمام امور خرق عادت ہیں اور فطرت نوع انسانی کے خلاف ہیں اور بغیر چیخ و پکار اور بغیر دعا و طلب حاصل ہیں۔ لہذا مولف صاحب کا یہ اجتہاد کہ دعا و پکار سے جو خرق عادت ظاہر ہو وہ معجزہ ہے۔ بالکل باطل بلکہ قیاس الیسی ہے بلکہ جہل مرکب ہے بلکہ نیا فتنہ ہے نئی بدعت ہے۔ خداوند عالم اس مکر و فریب سے پناہ دے۔ معجزہ نبی و امام کے لئے فضل خدا ہے جس کے لئے امام رضا علیہ السلام نے اپنے خطبہ تعریف امام میں یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:-

مخصوص بالفضل کلمہ من غیر طلب منہ ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوہاب۔ (اصول الشریعہ ص ۲۲)
یعنی امام اس خدا کی طرف سے جو بہترین فضل و عطا والا ہے "کل فضل" کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور یہ فضل و کمال نہ دعا و پکار سے ملتا ہے اور نہ اکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ عطیہ خدائے وہاب و مفضل ہے۔

اب مولف کو چاہئے کہ ٹٹاٹٹیں مارتے ہوئے دریا اور اچلتے ہوئے چشمہ معرفت سے کوئی قطروہ حاصل کر لیں اور چیخ و پکار اور دعا و طلب والا نظریہ جہل مرکب قرار دیں۔ اور اسی کمال ذاتی کو تسلیم کر کے معجزات کو اسی کے آثار مان لیں اور اسی کمال کو قوت معجزہ کا مبداء و منشاء قبول کر کے اس کا بااختیار استعمال نبی و امام کے لئے منظور فرمائیں۔ یہی حق ہے۔ یہی صدق ہے، یہی صحیح ایمان ہے اور یہی صحیح اعتقاد ہے۔ اس میں نہ غلو ہے نہ تاہیبت۔ درمیانی مسلک ہے اور نجات کا ضامن ہے اور ہم

نجات کے بعد اللہ ٹھیکیدار ہیں اگر یہ شرط آپ قبول کر لیں۔ کیونکہ ہمیں اہلبیت طاہرین نے یہ حق دیا ہے کہ جن کے شکوک و شبہات ہم نے رفع کئے ہیں انہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔
کثرتِ معجزات سے مومنین کے دل قوی ہوتے ہیں اور شاکیں و مرتائین کے شکوک و زائل ہوتے ہیں اور کافرین و منکرین کو دعوتِ حق نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے یہ تماشا انہیں ہے بلکہ رحمت پر در در دگار ہے مگر ناصیبوں کے لئے عذابِ خدا ہے۔

مؤلف کو اپنی اجتہادی تعریفِ معجزہ (دعا و پکار) سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنی اکڑ کو اپنے طالب علموں تک ہی محدود رکھنے میں خیریت و عافیت ہے۔ کیونکہ اس جاہلانہ تعریفِ معجزہ کو طالب العلم مجبوراً قابلِ واہ و داہ سمجھیں گے۔ مگر باضمیر و باحیث طلبہ اس فتنہ کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ایسی تعریفِ معجزہ آج تک نہ متقدمین نے کی ہے نہ متاخرین علماء نے۔ یہ مدعی اجتہاد ہی کا حصہ ہے جس سے ذریتِ ایلیس خوش ہوگی اور موایا بن اہلبیت بے شمار کریں گے۔ یہ سب کچھ شانِ اہلبیتؑ لکھانے کے اچھے ہتھیار ہیں۔

باب المعجزات

اب ہم حضرات محمدؐ و آل محمدؑ علیہم السلام کے کچھ معجزات تحریر کرتے ہیں تاکہ مویا ابان الہیبت طاہرین علیہم السلام کے قلوب صافیہ میں جلا پیدا ہو اور نا صیبوں کے لئے صاعقہ طور ثابت ہو۔
ان ذوات قدسیہ کے معجزات کا احصاء ناممکن ہے جس طرح ان کے فضائل کا احصاء ہماری طاقت سے باہر ہے۔ مگر خاص معجزات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ امور تکوین و تخلیق میں اُن کے خدا داد اقتدار کا پتہ لگے، اور ان ذوات مقدسہ کو صرف ایک بڑا عالم سمجھنے کا نظریہ باطل ہو جائے۔ لہذا پہلے ہم سردار دُجہاں سردر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتدار کی مثالیں پیش کرتے ہیں:-

معجزات رسولؐ اور جنگ تبوک!

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کچھ فاجروں نے حضرت رسالتؐ کے قتل کی سازش کی اور کچھ منافقوں نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے قتل کی اسکیم بنائی۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب آنحضرتؐ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنی جگہ مقرر فرمایا۔ حضرت رسالتؐ کے قتل کی سازش "بیانہ العقیبة" کے نام سے مشہور ہے۔

اور یہ سازشیں اس لئے کی گئیں کہ آنحضرتؐ علیؑ کو کیوں بلن کرتے ہیں اور کیوں اتنی عظمت و عزت دیتے ہیں۔ اس حسد کی وجہ سے یہ اسکیمیں بنائی گئیں مگر خداوند عالم نے ان کو ناکام بنا دیا۔

جب آنحضرتؐ جنگ تبوک کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے تو جبرائیلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدا کی طرف سے تحفہ درود و سلام پہنچا کر یہ پیغام دیا کہ آپؐ مدینہ میں رہیں اور علیؑ بن ابی طالبؓ کو روانہ کر دیں اور یا آپؐ خود تشریف لے جائیں اور علیؑ کو مدینہ پر اپنی نیابت میں مقرر فرمائیں کیونکہ میں دُجہاں میں سے ایک چیز کے لئے علیؑ کو مخصوص کیا ہے اور میری اس اطاعت سے جو عظمت و جلالت حاصل ہوگی اور جو ثواب عظیم حاصل ہوگا اس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو مدینہ میں مقرر کر دیا اور خود آنحضرتؐ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے مدینہ میں علیؑ بن ابی طالبؓ کے قیام کی وجہ سے منافقوں نے طعن و تشنیع کی اور کہنے لگے کہ آنحضرتؐ کو ٹی کی بیماری ناگوار خاطر تھی اور ان کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ان کو اپنے سے جدا کر دیا اور مدینہ میں چھوڑ کر خود اپنے اصحاب کے ہمراہ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔

اس قسم کی توہین آمیز اور طعنہ زنی کی باتیں حضرت علیؑ کو ناگوار گذریں اور آپؐ نے ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ

سے راستہ میں ملوں اور ان لوگوں کی یہ طعن آمیز گفتگو حضور کے گوش گزار کروں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے عزم سفر کیا اور آنحضرتؐ سے کسی منزل سفر میں ملاتی ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مدینہ کو چھوڑ کر یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے تمام حال سنایا اور لوگوں کی طعنہ زنی سے جو رنج ہوا تھا اس کا اظہار کیا۔ جناب رسالتؐ آپؐ نے فرمایا کہ

يَا عَلِيُّ اِمَّا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مَعِيَ بِمَنْزِلَةِ هَازِنٍ مِنْ مَوْسَى الْاَنْه لَا نَبِيَّ بَعْدِي
اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؓ یہ خوشخبری سن کر مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ اس اثناء میں منافقوں نے نہایت تیزی کے ساتھ اس راستہ میں کہ جس سے گزرنا لازمی تھا ایک گہرا گڑھا کھود دیا اور اس پر برزخ کی لمبی لمبی شاخیں اور گھاس ڈال کر چھپا دیا اور ہلکی ہلکی مٹی اوپر ڈال دی کہ گڑھے کا پتہ نہ لگے اور اس گڑھے کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر جمع کر لئے۔ ان منافقوں نے یہ سازش کی کہ جب علیؓ گھوڑے سمیت اس گڑھے میں گر جائیں گے تو ان کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

چنانچہ جب حضرت علیؓ رسول خداؐ سے رخصت ہو کر اپنے فرس پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف واپس روانہ ہوئے اور اس گڑھے کے نزدیک پہنچے تو گھوڑے نے اس جگہ کو دیکھ لیا اور چلتے چلتے رُک گیا۔ اور اپنا منہ حضرت علیؓ کے کان کے برابر کیا خدا نے اس کی گردن کو اتنا طویل کر دیا کہ اس کا منہ حضرت کے کان تک پہنچ گیا اور اس نے عرض کی مولا آگے گڑھا ہے اور آپ کے دشمنوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اور آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا مجھے اس کا اجر عطا کرے جو تو نے مجھے اطلاع دی ہے۔ خداوند عالم تجھے اپنی مرحمت جیل سے محروم نہیں کرے گا۔ چنانچہ گھوڑا چل پڑا۔ مگر جب بالکل گڑھے کے کنارے پر پہنچا تو پھر رُک گیا اور خوف زدہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ باذن خدا قدم بڑھا سلا متی کے ساتھ استواری کے ساتھ شان عجیب کے ساتھ، نئے انداز کے ساتھ۔ چنانچہ گھوڑا روانہ ہو گیا۔ اور آپ نے اس سے فرمایا دیکھ لے زمین کو خدا نے سخت کر دیا ہے، اور بالکل سلی حالت پر موڑ دیا ہے۔ اب کوئی گڑھا نہیں ہے۔ دیگر زمین کی طرح پختہ ہو چکا ہے۔ جب حضرت نے گڑھے کو پار کر لیا تو پھر گھوڑے نے آپ کے کان کے برابر منہ کیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کو خدا نے کس قدر بزرگی عطا کی ہے کہ آپ کو اس خطرناک جگہ سے گزار دیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے تجھے بھی یہ سلامتی اس لئے عطا کی ہے کہ تو نے مجھے اس خطرناک جگہ کی اطلاع دی تھی۔ پھر گھوڑے کا منہ اس کے پیچھے حصہ کی طرف کر دیا اور اسی وقت کچھ لوگ آپ کے آگے اور کچھ پیچھے تھے اور آپس میں کہنے لگے کہ چلو ذرا اس گڑھے کو دیکھیں۔ چنانچہ جب

انہوں نے گھاس وغیرہ اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی طرح گہرا گڑھا تھا جس سے کوئی نہیں گزر سکتا تھا اگر گڑھے تو گڑھے میں اوندھا جا کرے۔ یہ مجرہ دیکھ کر خوف زدہ بھی ہوئے اور سخت متعجب ہوئے۔ (ناصیتِ مردہ باد) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تمہیں معلوم ہے کہ کس نے یہ سازش کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا ہمیں معلوم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا گھوڑا جانتا ہے کہ کس نے یہ سازش کی ہے، اور کس طرح کی ہے۔ چنانچہ گھوڑے نے عرض کی یا امیر المومنین جب خداوند عالم تجہال قوم کی سازش کو توڑنے کا فیصلہ کرے یا ان کے پختہ ارادوں کو توڑ دے تو خدا ہمیشہ اپنے فیصلہ میں غالب ہوتا ہے اور مخلوقات مغلوب ہوتی ہے۔ یا امیر المومنین یہ سازش فلاں فلاں نے کی تھی۔ دس نام گھوڑے نے صاف صاف بتا دیئے۔ اور اسی سلسلہ میں چوبیس نام ان لوگوں کے بتا دیئے جنہوں نے رسول خدا کے قتل کی سازش کی، ہوئی تھی کہ جب آنحضرت شب کے وقت پہاڑ کی خط ناک گھاٹی سے گزریں تو انہیں غار میں گرا کر قتل کر دیا جائے۔ حضرت امیر کے بعض اصحاب نے یہ سن کر عرض کی مولا آپ اس سازش کی اطلاع تحریری طور پر رسول خدا کو جلد بھیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا قاصد اس کے رسول کے پاس پہنچنے میں زیادہ سریع ہے اور اس کا خط پہلے ہی اس کے رسول کو پہنچ چکا ہے لہذا تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔

چنانچہ جب آنحضرت اس گھاٹی کے نزدیک پہنچ گئے کہ جہاں منافقوں نے سازش کی تھی اور ان کی رسوائی ہونے والی تھی تو آنحضرت نے اس جگہ نزول اہلال فرمایا اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ:- ”دیکھو یہ جبریل ہیں۔ انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ علی کے قتل کی سازش کی گئی تھی اور اس طرح اس طرح کی گئی تھی۔ مگر خدا نے اپنے لطف و کرم اور مغزات عجیبہ کے ذریعہ جو اس طرح ظہور پذیر ہوئے تھے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور زمین و آسمان پر عفت کر دی گئی اور گھوڑا اور علی کی ساتھی جماعت اپنے قدم رکھتے ہوئے وہاں سے بخیر و عافیت گزر گئے۔ اور پھر وہ گڑھا اپنی حالت پر آگیا۔ اور گھاس ہٹا کر دیکھا تو وہ گڑھا موجود تھا۔ یہ کرامت علی کا اظہار خدا نے کیا تھا۔ اس وقت لوگوں نے علی سے کہا کہ آپ بہت جلد اس سازش کی خبر رسول خدا کو پہنچا دیں تو علی نے کہا کہ خدا کا قاصد ہمارے قاصد سے سریع تر ہے اور وہ خط پہنچانے میں سابق تر ہے۔

آنحضرت نے اپنے قتل کی سازش کی خبر نہیں دی کہ علی نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول خدا کے قتل کی جو سازش منافقوں نے کی ہوئی ہے خدا اس کو بھی ناکام بنا دے گا۔

جب ان چوبیس منافقوں نے آنحضرت سے یہ قہقہہ اور سازش قتل کی ناکامی کا واقعہ سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ محمدؐ کتنا ہوشیار کاہن اور ماہر جادوگر ہے۔ اس کو مدینہ سے قتل علی کی خبر پہنچ چکی

ہے اور ہمارے آدمی سازش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ مگر یہ اس کو اٹکایا نہ کر رہا ہے تاکہ اپنے ہمراہیوں کو تسکین دے کر اپنے ساتھ لٹنے رکھے اور کوئی مخالف اس کو نقصان نہ پہنچائے حالانکہ علیؑ کو مدینہ میں موت آپہنچی ہے اور اس کو بھی موت ہی گھر کر لائی ہے۔ وہ ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بھی ہلاک ہونے والا ہے۔ لیکن ہم سب اس کے پاس جلیں اور اس کو علیؑ کی سلامتی کی تہنیت دیں اور خوشی و مسرت کا اظہار کریں تاکہ ہم پر اس کو اطمینان و تسلی رہے اور ہم اپنی تدبیر و سازش میں کامیاب ہو جائیں۔

چنانچہ یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور علیؑ کی سلامتی پر مبارکباد دی اور اپنی مسرت و خوشی کا اظہار کیا کہ خدا نے علیؑ کو دشمنوں سے بچایا۔ پھر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمیں یہ بتائیے کہ علیؑ افضل ہیں، یا ملائکہ مقربین۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ملائکہ کو جس قدر بھی شرف ملا ہے وہ صرف اس لئے کہ علیؑ و محمدؐ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی ولایت کے قائل ہیں۔ اور علیؑ کا جو دوست پاکیزہ قلب اور عیبوں سے محفوظ اور گناہوں سے مجتنب ہوگا۔ وہ بھی ملائکہ سے افضل ہے۔ اور خداوند عالم نے فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم اس لئے دیا تھا کہ فرشتے اپنے نفوس میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان سے افضل داعی کوئی مخلوق ہی نہیں اور یہی سب سے دین و علم میں افضل ہیں۔

خداوند عالم نے ان کے اس اعتقاد اور گمان کو غلط ثابت کرنے کے لئے آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں اسمائے مبارکہ کی تعلیم دی۔ اور فرشتوں سے سوال کیا تو وہ ان اسماء کے سنی بتانے سے عاجز آ گئے۔ اور آدمؑ نے ان کے اسمائے مبارکہ بتا دینے اور آدمؑ کی فضیلت ان پر واضح کر دی۔ پھر آدمؑ کے صلب سے ایسی ذریت پیدا کی جن میں انبیاء و رسل اور بہترین عباد منتخب فرمائے جن میں سب سے افضل محمدؐ اور ان کی آل ہے۔ اور ان کے بعد ان کے اصحاب جو بہترین امت ہیں اور خدا نے فرشتوں کو بتایا کہ یہ سب ان سے افضل ہیں کیونکہ ان ہستیوں نے بڑے بڑے بار برداشت کئے ہوئے ہیں اور بڑی بڑی تکلیفیں جھیل رہے ہیں۔ شیطانوں سے الگ مقابلہ اور اپنے نفوس سے علیحدہ جہاد اور اپنے اہل و عیال کا بار جہاد۔ اور پھر حلال روزی کے لئے سعی و کوشش الگ۔ اور دشمنوں کے خوف کی اذیت برداشت کرنا علیحدہ۔ اور ان پر بادشاہوں کے ظلم و ستم الگ۔ اور صعوبات سفر جہاد اور قسم کے راستوں کی تکلیفیں جدا اور اپنے اور اپنے عیال کے لئے کمائی کی مشقتیں علیحدہ۔

خداوند عالم نے فرشتوں کو بتایا کہ مومنین یا تمکین ان مصائب کو برداشت کرتے ہیں اور اپنی خلاصی ان بلاؤں سے کرتے ہیں اور شیطانوں سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو شکست دیتے ہیں اور اپنے نفوس سے بھی جہاد کرتے ہیں۔ خواہشات نفس کو شکست دیتے ہیں حالانکہ ان میں خواہشات مردانہ اور خواہشات لباس و غذا و عزت و ریاست و برتری و فخر موجود ہیں۔ اور پھر ایلیس سے مقابلہ کر کے تکلیفیں جھیل کر اس کو شکست دیتے ہیں۔ اور شیطانوں کے لشکر سے مقابلہ کرتے ہیں جو ان کو بہکا تا ہے

اور مکرو فریب کرتا ہے اور پھر طعن و تشنیع دشمنانِ خدا پر صبر کرتے ہیں اور ادلیاۃ اللہ پر جو لوگ سب و شتم کرتے ہیں اس کی اذیت کو برداشت کرتے ہیں اور باوجود ان مصائب و آلام کے اپنی روزی بھی کماتے ہیں۔ اور کبھی دشمنانِ دین سے دُور بھاگنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور کبھی دشمنانِ دین سے کہیں دین کی جستجو کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا کہ اے ملائکہ تم ان تمام تکالیف و مصائب سے محفوظ ہو نہ تم میں مردانہ قوت ہے جو تمہیں اُبھارے، اور نہ تم میں خواہشِ طعام ہے جو تمہیں حقیر کرے اور نہ تمہیں دنیا و دین کے دشمنوں کا خوف ہے جو تمہارے دلوں میں رنج و غم پیدا کرے۔ اور نہ تمہارے پاس کوئی ابلیس ہے جو تمہیں درغلائے۔

اے ملائکہ جو شخص ان بنی آدم میں سے میری عبادت کرے گا اور اپنے دین کو تمام عیبوں سے محفوظ رکھے گا تو اس نے اپنے پہلو میں میری دُجھت رکھ لی ہے جس بار کو تم نہیں اٹھا سکتے۔ اور اُس نے میرا وہ تقرب حاصل کر لیا ہے جو تم نہیں حاصل کر سکتے۔

جب خداوند عالم نے فرشتوں کو محمدؐ عربی اور شیعیان علیؑ کے فضائل سے آگاہ کیا اور ان کی قوت برداشتِ محبت کا ذکر فرمایا جو ملائکہ برداشت نہیں کر سکتے اور بنی آدم کے عزیز و متقی حضرات کا فضل و کمال بتا کر فرمایا کہ اے ملائکہ اسی وجہ سے تمہیں آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا ہے کہ آدمؑ کی پشت میں ان بزرگواروں کے انوار موجود ہیں اور یہ سجدہ آدمؑ کو نہ تھا بلکہ آدمؑ تو قبلہ تھے کہ جن کی طرف رُخ کر کے خدا کو سجدہ کیا گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ معظم و مکرم تھے کہ انہیں قبلہ بنایا گیا اور کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کو ایسا سجدہ کرے جس طرح خدا کے سامنے کرتا ہے اور خدا کی عظمت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اگر میں سجدہ کا حکم غیر خدا کے لئے دیتا تو تمام علم شیعوں اور تمام مکلفین کو حکم دیتا کہ اس عالم کو سجدہ کر جس نے وصی رسولؐ علی ابن ابی طالبؑ کے علوم پہنچائے ہیں اور محمدؐ عربی کے بعد علی ابن ابی طالبؑ کی محبت پیدا کرانی ہے۔ اور اس کی نشر و اشاعت و ترویج میں تکالیف اور مصائب برداشت کئے ہیں۔ اور ہمارے اور خدا کے حقوق کی نگرانی کی ہے اور ان کا انکار نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابلیس اس لئے ہلاک ہوا کہ اس نے آدمؑ پر تکبر کر کے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ اور آدمؑ نے درخت کا پھل کھایا مگر تکبر کی وجہ سے حکم عدولی نہیں کی تھی اس لئے وہ ہلاکت سے محفوظ رہے کیونکہ انہوں نے محمدؐ و آلہ الطاہرینؑ پر اپنی بڑائی نہیں کی تھی۔

اور درحقیقت بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا تھا کہ:۔
اے آدمؑ! تم پر ابلیس نے تکبر کر کے میری نافرمانی کی تھی اس لئے وہ ہلاک ہو گیا اگر وہ تمہارے

ساتنے میرے حکم کی عزت کرتے ہوئے جھگ جاتا تو ضرور نجات و فلاح حاصل کر لیتا جس طرح اے آدم تم نے درخت کا پھل میرے حکم کے خلاف کھایا مگر محمد و آل محمد کے سامنے تم جھگ گئے اس لئے تم فلاح یافتہ ہو جاؤ گے اور لغزش مشن معاف ہو جائے گی۔ لہذا تم محمد و آل محمد کے وسیلہ سے دعا کرو۔

چنانچہ آدم نے محمد و آلہ الطاہرین کے وسیلہ سے دعا کی اور مکمل کامیابی حاصل کر لی کیونکہ انہوں نے ہم اہلبیت کے دامن سے متمسک کر لیا۔

جناب رسالتؐ نے اس خطبہ بلینہ کے بعد آدمی رات کے اوّل حصہ میں کوحج کے لئے منادی کا حکم دیا کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ قافلہ کا کوئی آدمی رسولؐ اللہ سے آگے اس گھاٹی پر نہ چڑھے جو خطرناک گھاٹی ہے جب تک رسولؐ اللہ اس گھاٹی کو عبور نہ کر لیں۔

اس کے بعد حضرتؐ نے حذیفہ بن یمان کو حکم دیا کہ گھاٹی کے نچلے حصہ میں چپ کر بیٹھ جائے اور دیکھتا رہے کہ کون اس گھاٹی پر رسولؐ خدا سے پہلے گزرتا ہے اور اس کی خبر رسولؐ خدا کو پہنچائے۔ اور آنحضرتؐ نے اس کو حکم دیا کہ پتھر کی شکل اختیار کر کے بیٹھ کر لوگوں کو تہ نہ لگے۔ حذیفہ نے عرض کی

یا رسولؐ اللہ میں جب اس ارادہ سے چپ کر بیٹھوں گا کہ ان کی سازش کا پتہ لگاؤں اور لشکر کے سرداروں کی تفتیش کے لئے کوشش کروں تو یا رسولؐ اللہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی آپ سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور آپ کے قتل کی تدبیر کے لئے دیکھ بھال کرنے لگا اور مجھے دیکھ لیا تو مجھے قتل کر دے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:-

جب تم گھاٹی کے نچلے حصہ میں پہنچو اور اس کے قریب ایک بڑے پتھر تک پہنچو تو اس پتھر سے یہ کہو کہ اے پتھر خدا کے رسولؐ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو اپنے درمیان میں مجھے جگہ دے اور شگافہ بوجا اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ مجھے اندر لے کر اپنے شگافہ کو ملائے اور اپنے اندر ایک اتنا سوراخ کر لے کہ میں اپنی آنکھوں سے سازش کرنے والے کو دیکھتا رہوں اور مجھے تازہ ہوا بھی آتی رہے کہ ہلاکت سے بچ جاؤں۔ (مجموعہ فعل نبوی پائندہ باد) اسے حذیفہ جب تم میرا یہ حکم پتھر کو دو گے تو وہ باذن خدا فوراً تعمیل کرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حذیفہ نے حضرت کا پیغام پہنچایا اور پتھر نے حرف بحرف حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی اور حذیفہ اس پتھر کے اندر اطمینان سے بیٹھ گئے اور سوراخ سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ حذیفہ نے دیکھا کہ جو بیس آدمی اپنے آؤٹوں پر سوار اور ان کے آگے آگے کچھ لوگ پیادہ پہنچ گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص یہاں نظر آئے تو فوراً اس کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو تاکہ محمدؐ کو یہ خبر نہ دے دے کہ کچھ لوگ آپ سے

پہلے خطرناک گھاٹی پہنچ گئے ہیں یہ سن کر محمدؐ واپس نہ ہو جائے اور شب کے بجائے پھر دن کو سفر کا انتظام کرے اور ہماری تدبیر ناکام ہو جائے۔

ان لوگوں کی اس بات کو حذیفہ نے خوب اچھی طرح سن لیا اور اپنے دل میں محفوظ کر لیا۔ پھر ان لوگوں نے ہر طرف دیکھ بھال شروع کی اور پوری تسلی کی کہ کوئی شخص اس جگہ نہیں ہے۔ مگر خدا نے حذیفہ کو چھپایا ہوا تھا جو کہ ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

پس یہ لوگ اپنی اسکیم کے مطابق چلا چلا تقسیم ہوئے۔ کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے اور مردف راستہ سے الگ ہو کر چھپ گئے اور کچھ پہاڑی کے دائیں بائیں بٹ گئے اور چھپ گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ اب دیکھیں گے کہ محمدؐ نے کس طرح دھوکہ دے کر لوگوں کو گھاٹی پر چڑھنے سے روکا تھا تاکہ وہ سب سے پہلے گھاٹی کو عبور کر کے نکل جائے۔ ہم اپنی سازش میں کامیاب ہوں گے۔ خداوند عالم ان لوگوں کی تمام باتیں حذیفہ تک پہنچا رہا تھا اور حذیفہ اپنے دل میں محفوظ کر رہا تھا۔

جب ان لوگوں نے قتل رسولؐ کا مکمل انتظام کر لیا تو پھر نے حذیفہ سے کہا کہ اب تو تمام حالات رسولؐ خدا کی خدمت میں جا کر بتادے۔ حذیفہ نے کہا اگر میں تجھ سے باہر نکلوں گا تو وہ مجھے دیکھ لیں گے اور فوراً قتل کر دیں گے اس خیال سے کہ ہمیں یہ رسولؐ خدا کو تمام حالات سازش نہ بتادے۔ پھر نے کہا:

”جس خدا نے تجھے خوف سے بچایا اور پھر میں جگہ دی اور سورخ سے ہوا آتی نہی دہی خدا تجھے رسولؐ تک پہنچائے گا اور دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔“

یہ سن کر حذیفہ تیار ہوا اور قدرت خدا سے پھر شگافتہ ہوا اور حذیفہ ایک طائفہ کی شکل میں ہو کر ہوا میں اڑا۔ چکر لگاتا ہوا آنحضرتؐ کے سامنے آگیا۔ اور پھر اپنی شکل میں نمودر آیا اور تمام ماجرا جو دیکھا تھا اور سنا تھا رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کر دیا۔ تمنا تھے قدرت زندہ باد

آنحضرتؐ نے فرمایا اے حذیفہ تم نے ان سب کو اچھی طرح پہچان لیا ہے؟ حذیفہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ لوگ اپنے چہروں پر کپڑے لپیٹ کر اپنے منہ چھپائے ہوئے تھے لیکن ان کے اڈنٹوں کے ذریعہ اکثر کو پہچان لیا تھا۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی غیر یہاں نہیں ہے اور پوری تسلی کر لی تو انہوں نے اپنے ڈھانے کھولے اور چہرے صاف نمایاں ہو گئے۔ اور میں نے خوب ایک ایک کو پہچان لیا ان کے جسم بھی ان کے نام بھی۔ اور یا رسول اللہ وہ فلاں فلاں ہیں۔ یہاں تک کہ حذیفہ نے جو بیس آدمی نام بنام گن کر بتا دیئے۔

پس رسولؐ خدا نے فرمایا اے حذیفہ جب خدا محمدؐ کو رکھنا چاہتا ہے تو ان کی بلکہ تمام دنیا کی کیا مجال ہے کہ محمدؐ کو مٹا سکیں۔ اللہ تعالیٰ محمدؐ کے بارے میں جو فیصلہ کر چکا ہے وہ ٹوڑا ہو کر رہے گا۔ خولہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

پھر حضرت نے فرمایا اے حذیفہ اٹھو تم اور سلمان اور عمار میرے ساتھ تیار ہو جاؤ اور خدا پر توکل کرو۔ جب ہم اس خطرناک گھاٹی سے بھجرت گزر جائیں تو پھر تم لوگوں کو آواز دو کہ وہ بھی ہمارے پیچھے آجائیں۔

پس رسول خدا اُونٹنی پر سوار ہوئے اور سلمان و حذیفہ ناقہ کے آگے اور پیچھے ہو گئے۔ ایک نے چار پکڑ لی اور دوسرا پیچھے ہٹا تا رہا اور عمار اُونٹنی کے برابر برابر چلتے رہے۔ اور وہ لوگ کچھ اپنے اُونٹوں پر اور کچھ پیادہ اس خطرناک گھاٹی کے موڑوں پر تھے۔ ان لوگوں نے جو ادھر کی جانب تھے ایک کپڑے میں پتھر بھر کر لڑھکایا تاکہ وہ کسی جگہ رُک نہ جائے اور یہ تدبیر آنحضرت کی اُونٹنی کو بھڑکانے کے لئے کی گئی تاکہ اُونٹنی ڈر کر ادھر ادھر غار میں گر جائے جو اتنا گہرا تھا کہ اوپر سے دیکھنے والا بھی خوفزدہ ہو جائے۔ جب وہ کپڑہ اوپر سے چل کر آنحضرت کی سواری کے نزدیک پہنچا تو خدا نے اس کپڑے کو اوپر کی جانب بلند کر دیا کہ وہ کافی اونچا ہو گیا اور آنحضرت کی اُونٹنی موڑوں سے گزر گئی۔ پھر وہ کپڑے نیچے گرا اور پہاڑیوں سے ٹکراتا ہوا غرغراہٹ کرتا ہوا غار میں گر گیا۔ مگر اس غرغراہٹ کی آوازیں آنحضرت کی اُونٹنی کان میں پہنچتی تھیں۔ (تماشا ئے قدرت زندہ باد)

پھر حضرت نے عمار سے کہا کہ ذرا پہاڑی پر چڑھ کر جہاں یہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں اپنا عصا ان کی سواریوں کے منہ پر لگاؤ۔ چنانچہ عمار نے جب ایسا کیا تو ان کی سواریاں بھڑک گئیں اور کوئی کدھر کدھر کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی کسی کا بازو ٹوٹ گیا کسی کا پہلو شکستہ ہو گیا اور شدت کا درد ہوا۔ ہائے وائے کرنے لگے۔ جب یہ زخم اچھے ہو گئے تب بھی نشانات باقی رہے اور مرتے دم تک نشانات نہیں مٹے۔

اسی لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حذیفہ اور امیر المومنین اچھی طرح منافقین کو پہچانتے ہیں کیونکہ حذیفہ نے تو خود پتھر میں بیٹھ کر پہچان لیا تھا کہ کون کون ہیں جو رسول اللہ سے پہلے گھاٹی سے گزرے ہیں۔ اور علی سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ خداوند عالم نے خود اپنے رسول کی حفاظت کی اور منافقوں کی سازش کو ناکام بنا دیا اور آنحضرتؐ کو سلامتی دار مدینہ ہوئے اور خداوند عالم نے ان لوگوں کو ذلت و رسوائی کا لباس پہنا دیا جو آنحضرتؐ کو چھوڑ گئے تھے اور جنہوں نے قتل کی سازش کی تھی اور خدا نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور سازش کو ناکام بنایا۔ (احقاق طبری ص ۲۳-۲۴)

تماشا ئے قدرت زندہ باد

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا معجزہ

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آبا، طاہرین کے سلسلہ سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز

حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ ایک یونانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو فلسفہ اور فن طب میں کمال کا مدعی تھا۔ اس نے کہا اے ابوالحسن مجھے تمہارے صاحب رسول محمد مصطفیٰ کے متعلق خبر ملی ہے کہ معاذ اللہ! اُن کو جنوں کا مرض ہے۔ میں اُن کے علاج کے لئے آیا ہوں۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اور مجھے اُن کے علاج کا موقعہ نہیں مل سکا۔ اور مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اُن کے غم زیادہ برادر اور داماد ہیں۔ میں آپ کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ آپ مرض صفرو میں مبتلا ہیں صفرو غالب آگیا ہے اور آپ کی پینڈلیاں بہت زیادہ کمزور ہو چکی ہیں جو آپ کے جسم کا بار بھی برداشت نہیں کر رہی ہیں۔

میرے پاس مرض صفرو کی دوا تو موجود ہے مگر پینڈلیوں کے لئے کوئی علاج کی صورت نظر نہیں آتی کہ ان کو فربہ کیا جائے۔ مگر آپ ایسا کریں کہ ٹانگوں پر بار کم ہو، چلنا پھرنا کم کر دیں اور آہستہ آہستہ چلا کریں اور اپنی کمر پر یا سینہ سے لگا کر کوئی بار اٹھائیں مگر وہ بھی بہت کم ہو۔ پینڈلیوں پر زیادہ وزن نہ پڑے کیونکہ آپ کی پینڈلیاں بہت کمزور ہیں زیادہ وزن اٹھانے میں خطرہ ہے کہ پینڈلیاں کچ نہ ہو جائیں یا ٹہری شکستہ نہ ہو جائے۔

ہاں مرض صفرو کی دوا میرے پاس موجود ہے اور وہ یہ دوا ہے۔ چنانچہ یونانی نے دوا نکال کر کہا لیجئے اس کو استعمال کیجئے۔ اس سے آپ کو کوئی تکلیف و اذیت نہیں ہوگی لیکن آپ کو چالیس روز تک گوشت سے پرہیز کرنا ضروری ہوگا آپ کا یہ مرض بالکل زائل ہو جائے گا۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا:- اے یونانی! تم نے یہ دوا میرے صفرو کے لئے فائدہ بخش بتائی ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ مرض صفرو کس چیز سے زیادہ ہو سکتا ہے اور کس چیز سے اس کو زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے؟ یونانی نے کہا کہ اس دوا کے ایک دانہ بخود کی برابر کھانے سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور مریض صفرو اگر کھلے تو اُسی وقت مر جائے گا۔ اور جس کو مرض صفرو نہ ہو اور وہ کھلے تو یہ مرض پیدا ہو جائے اور اُسی وقت مر جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ ذرا یہ دواٹے ضرر رساں دکھاؤ۔ اس نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کتنی ہوگی۔ اس نے کہا یہ دو مثقال ہوگی اور ایک دانہ کے برابر سم قاتل ہے۔ حضرت نے وہ تمام دو مثقال دوا نوش فرمائی۔ اور ذرا سا پسینہ آیا اور بس۔ (راقتدار اہلبیت پائندہ باد) یونانی نے یہ دیکھ کر تھراتے ہوئے کہا کہ میں ابوطالب کے فرزند علی کی موت کا ذمہ دار بنایا جاؤں گا۔ اور ان کے قتل کا الزام مجھ پر ہوگا۔ اور کوئی شخص یہ میرا عذر قبول نہیں کرے گا کہ غلطی فرزند ابوطالب کی ہے۔

یہ سُن کر حضرت علی مکرائے اور فرمایا اے بندہ خدا دیکھ میرا بدن صحیح و سالم ہے اور کسی قسم کا

کوئی نقصان تیری، اس دوائے نہیں پہنچایا ہے جس کو تو زہر قاتل سمجھتا تھا۔ (عقیدہ نوع واحد مردہ باد) اس کے بعد حضرت نے یونانی کو حکم دیا کہ ذرا اپنی آنکھیں بند کر لے اس نے آنکھیں بند کیں آپ نے فرمایا کھول لے اس نے آنکھیں کھول لیں اور حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ چہرہ پر نور و سرخ و سفید ہے جیسے جسم و مبارک کو سُرخی پلا دی گئی ہو۔ یونانی یہ حال دیکھ کر کانپنے لگا اور حضرت مسکراتے رہے اور فرمایا اے یونانی وہ مرض کہاں گیا جو تو نے میرے لئے تجویز کیا تھا۔ یونانی کہنے لگا کہ آپ وہ نہیں ہیں کہ جن کو میں نے پہلے دیکھا تھا آپ پہلے ضرر رسیدہ مریض تھے اور اس وقت آپ گلاب کے پھول کی طرح ہیں، آپ نے فرمایا کہ مرض مفرد تیرے اس زہر کی وجہ سے رفع ہو گیا جس کو تو زہر قاتل کہتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے یونانی سے فرمایا کہ یہ میری پنڈلیاں دیکھ کیونکہ تو کہتا ہے کہ یہ بہت کمزور ہیں اور مجھے آرام کے ساتھ چلنا چاہیے اور باریش اٹھانا چاہیے ورنہ یہ پنڈلیاں ناقص ہو جائیں گی۔ میں تجھے خدا کا علم طب دکھاتا ہوں جو تیرے علم طب کے بالکل خلاف ہے یہ کہہ کر آپ نے ایک بہت بڑے ٹکڑیوں کے بنے ہوئے مکان پر ہاتھ ڈالا جس کے بالائی حصہ پر بیٹھنے کی ہموار جگہ تھی اور اس کے اوپر دو حجرے تھے ایک پر دوسرا بالا خانہ تھا حضرت نے اس کو حرکت دے کر دست مبارک پر اٹھالیا اس کی سطح اور دیواریں اور اس کے روشن دان وغیرہ بلند کر دیا اور صرف ایک ہاتھ پر اٹھالیا۔ (تماشا ئے قدرت زندہ باد)

یہ دیکھ کر یونانی کو خش آگیا۔ بے ہوش طاری ہو گئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر پانی چھڑ کو۔ چنانچہ پانی کے چھینے مارے گئے جس سے کچھ ہوش میں آگیا اور کہنے لگا خدا کی قسم آج جو عجائبات دیکھے ہیں وہ کبھی نہیں دیکھے تھے۔ (اقدار منظر العجائب پائندہ باد)

حضرت نے فرمایا کہ یہ علم آنحضرتؐ کی علم سے ہے اور یہ فہم بھی ان ہی کے فہم سے ہے اور یہ قوت بھی ان ہی کی قوت سے ہے۔ اے یونانی! آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک ثقفی حاضر ہوا تھا جو عرب کا سب سے بڑا طبیب تھا اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ کو مرض جنون ہے تو میں اس کا علاج کروں۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ ثقفی کیا تو یہ پسند کرے گا کہ میں تجھے ایک معجزہ دکھاؤں جو تیری طب سے مستغنی کر دے اور تجھے خود میری طب کی ضرورت پڑے۔ ثقفی نے کہا ہاں دکھائیے۔ وہ کیا معجزہ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو اس ہنر شجر کو پکارا اور آپ نے ایک طویل درخت خرما کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے درخت کو پکارا تو وہ فوراً اپنی جڑوں سمیت

زمین سے نکلا اور زمین کو شکافتہ کرتا ہوا سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ (فصل نبی پائندہ باد)
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا یہ معجزہ تیرے لئے کافی ہے اس نے عرض کی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا چاہتا ہے۔ اس نے
عرض کی۔ آپ اس درخت کو حکم دیجیے کہ یہ پھر اپنی جگہ پر اسی طرح واپس جا کر جڑوں سمیت قائم ہو جائے جس طرح
پہلے تھا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا اور وہ درخت اپنی سابقہ حالت پر آگیا اور اپنی جگہ پر قائم ہو گیا۔

(اقتدار محمد و آل محمد پائندہ باد)

یہ واقعہ سن کر یونانی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپؐ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے یہ محمدؐ
کی بابت ذکر کیا ہے جو اس وقت موجود نہیں ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس سے بھی کم معجزہ دکھادیں۔ میں آپ
سے دور ہوں آپ مجھے پکاریں اور قریب کر لیں اور میں آپ کا حکم قبول نہیں کروں گا پس اگر آپ مجھے اپنے پاس لے
آئے تو یہ آپ کا معجزہ ہوگا۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ معجزہ صرف تیرے ہی لئے ہوگا کیونکہ خود ہی اس بات کو جانتا ہے کہ
تو نے ارادہ نہیں کیا تھا اور میں نے تیرے اختیار کو زائل کر دیا بغیر اس امر کے کہ تیرے جسم کا کوئی حصہ مجھ سے ملا ہو یا
کسی ایسے شخص کا کوئی حصہ مجھ سے ملا ہو جس کو میں نے حکم دیا ہو کہ تیرے جسم سے ملے ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ یہ
باہمی مشورہ ہوگا یعنی یہ معجزہ تمام لوگوں کے لئے نہیں ہو سکتا میں تجھے اختیار دیتا ہوں کہ تو جو معجزہ چاہتا ہے طلب کر
(اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

یونانی نے عرض کی کہ آپ اس درخت کو حکم دیں کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ایک ایک جزا الگ الگ ہو جائے اور
پھر آپس میں مل کر مثل سابق درخت بن جائے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ معجزہ دکھانا منظور ہے اور میں تجھے اپنا
پیغامبر بناتا ہوں تو خود اس درخت کے پاس جا کر کہہ دے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی تجھے حکم دیتا ہے کہ تو
ریزہ ریزہ ہو جا اور تمام اجزا جدا جدا ہو جائیں۔ چنانچہ یونانی نے آپ کا پیغام پہنچایا اور جس وقت درخت کو جناب
امیر المومنین علیہ السلام کا حکم پہنچا وہ فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے تمام اجزا جدا جدا ہو گئے۔ اور اس قدر باریک
ریزہ ریزہ ہوا کہ نظر نہیں آتا تھا گویا کہ درخت کا وجود ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر یونانی کا بچنے لگا اور اس کے بازو تھرانے لگے
پھر یونانی نے کہا کہ آپ نے مجھے مطالبہ کا اختیار دیا تھا آپ تے میرا مطالبہ پورا کر دیا اب آپ میرا یہ مطالبہ بھی قبول
فرمائیے کہ یہ درخت اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ جا میری طرف سے پھر اس کو حکم دے کہ اپنی

اصلی حالت پر آجائے۔ چنانچہ یونانی نے کہا کہ اے درخت تجھے مجھ عربی کا وحی حکم دیتا ہے کہ اپنی اصلی حالت پر آ جا۔ یہ حکم سنتے ہی فوراً اس کے اجزاء جو غبار کی طرح ظاہر ہوئے اور آپس میں ملنے لگے۔ یہاں تک کہ شاخیں بنیں پتے بنے اور جڑ اور تار اور پھر اس میں کچا پھل بھی لگا اور اپنی جگہ پر مکمل درخت بن گیا (امرامام پائندہ باد)

پھر یونانی نے عرض کی کہ اس میں تازہ تازہ پھل لگیں اور پختہ ہوسرخ ہو جائیں اور آپ مجھے اور تمام حاضرین کو اس کے پھل کھانے کا موقعہ عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا تو میرا بیٹا مبرا ہے جا اس کو کہ دے کہ علی ابن ابی طالب نے حکم دیا ہے کہ فوراً تازہ تازہ ربط پختہ خرے تیار ہوں۔ یہ کہتا تھا کہ فوراً مطابق خواہش یونانی تازہ ربط تیار ہو گئے۔

(اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

اس کے بعد یونانی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک ہاتھ اتنا طویل ہو جائے کہ میں اس کے خرے اپنے ہاتھ سے لے سکوں اور دوسرا ہاتھ اصلی حالت پر رہے اور خود شاخ خرہ جو ربط سے لدی ہوئی ہو میرے پاس آ جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس ہاتھ کو طویل کرنا چاہتا ہے اس کو آگے کر اور یہ کلمات زبان پر جاری کر۔

”یا مقرب البعید قرب یدی منها“ اے بعید کو قریب کرنے والے میرے ہاتھ کو اس کے پھلوں سے ملا دے۔ یہ کلمات کہے تھے کہ فوراً ہاتھ لبا ہو گیا۔ اور ربط توڑ لئے، پھر آپ نے فرمایا۔ اب جس ہاتھ میں خود ربط کو بلانا چاہتا ہے اس کو بند کرے اور یہ کلمات زبان پر جاری کر۔

”یا سہل العسیر سہل لی تناول ما بعد عنی منها“ اے مشکل کو آسان کرنے والے جو ربط مجھ سے دور ہیں مجھ تک پہنچا دے۔ یہ کلمات کہے تھے کہ خرہ کی شاخیں طویل ہو گئیں اور ربط اس کے ہاتھوں تک پہنچ گئے۔ (تماشا قدرت پائندہ باد)

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اگر تو یہ خرہ کھا کر ایمان نہیں لائے گا تو پھر خدا ایسے عذاب میں تجھے جلا کرے گا کہ عاقل و جاہل سب کے لئے عبرت ہو۔ یونانی نے کہا اب بھی اگر میں کافر ہوں پھر تو میرا یہ انتہائی عناد ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت کے پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے مخصوص بندہ ہیں اور اپنی ہر بات میں سچے ہیں اب آپ جو دل چاہے مجھے حکم دیجئے میں تعمیل کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اقرار کر کہ خدا اپنی وحدانیت میں یکا ہے اور جو وہ حکمت والا ہے اور عبث و فساد سے مبرا ہے اور اپنی کنیزوں اور اپنے بندوں سے عدل و انصاف کرتا ہے ان

ظلم نہیں کرتا اور گواہی دے کہ یہ علی جنہوں نے عجے معجزات دکھائے ہیں جو بھی دکھائے ہیں اور عجے خدا کی نعت سے نوازا ہے جتنا بھی نوازا ہے وہ بعد محمد مصطفیٰ تمام خلائق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور مقام محمد عربی کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ شریعت و احکام خدا کا انتظام کرنے میں اور ان کے دوست خدا کے دوست اور ان دشمن خدا کے دشمن (اجتاج طبری ۱۱۰) (اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

”معجزات معصومین حصر و احصار سے بلند ہیں“

مسئلہ خرق عادت کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھ کر ہم نے ثابت کر دیا کہ قوت اعجاز عطیہ خدا ہے اور فعل اعجاز نبی و امام سے صادر ہوتا ہے اور یہ حضرات خود بھی جس پر معجزہ ظاہر کرنا چاہیں تو اس کی زبانی حکم معجزہ عطا کر دیتے ہیں اور ان ذوات مقدسہ کا قول اور امر بھی معجزہ ہے اور یہ طاقت بھی خدا ہی کا عطیہ ہے اور خدا ہی نے ان بزرگواروں کو یہ اقتدار عطا کیا ہے یہ قوت اعجاز و قوتی نہیں ہے بلکہ ہر وقت ان کی ذات میں موجود ہے اور اسی کمال ذاتی کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اس کے اظہار کا بھی اختیار خدا ہی نے عطا فرمایا ہے کیونکہ ان حضرات کی مشیت تابع مشیت خدا ہے لہذا ان کو کئی اختیارات حاصل ہیں۔ کائنات میں تصرفات کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کیونکہ حجت اللہ علی الخلائق ہیں اور واسطہ ظہور صفات خدا بھی چنانچہ حضرت محسن الاسلام علامہ فیض صاحب تفسیر صافی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال الصادق عليه السلام نحن والله الا سماء الحسنی التي لا يقبل الله من العباد عملا الا بمعرفتنا و ذلك لانهم عليهم السلام وسائل معرفته ذاته و سائط ظهور صفاته سبحانه (کتاب الحقائق ۲۰۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم ہم خدا کے اسماء حسنیٰ ہیں خداوند عالم اپنے بندوں کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا ہماری معرفت کے بغیر اور یہ اس لئے کہ یہ ذوات مقدسہ علیہم السلام ذات خدا کی معرفت کا وسیلہ ہیں اور اللہ سبحانہ کے صفات کے ظہور کا ذریعہ واسطہ ہیں۔

اس کے بعد علامہ فیض علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

الحجة بمنزلة روح العالم جسده فكما ان الروح انما يدبر الجسد و يتصرف فيه بما يكون له القوى الروحانية و الجسمانية

كذلك الحجة يدبر العالم ويتصرف فيه بأذن بواسطة الاسماء
الالهية التي اودعها فيه وعلمها اياه ومكبتها في فطرته فانها
منه بمنزلة القوى من الروح ولهذا تخرب الدار الدنيا بانتقال
الحجة عنها كما ان الجسد يبلى ويفنى بمفارقة الروح عنه -
كتاب الحقائق ص ۲۱

حجت خدا بمنزلہ روح عالم ہے اور عالم اس کا جسد ہے لہذا روح جس طرح ہمارے جسم
کی مدد کرتے اور تصرف کرتی ہے اُن روحانی و جسمانی قوتوں کے ذریعہ جو جسم میں موجود ہیں
اسی طرح باذن خدا حجت خدا بھی تدبیر عالم کرتا ہے اور عالم میں تصرفات کرتا ہے۔ اور اس
کے لئے وہ اسمائے الہیہ جو خدا نے اس میں ودیعت کر دیئے ہیں اور اس کو تعلیم دے دیئے
ہیں اور اس کی خلقت و فطرت میں جز و ترکیبی قرار دے دیئے ہیں یہ اس کی قوتیں اور
طاقتیں ہیں جن کے ذریعہ مدد و متصرف عالم ہے اور چونکہ حجت خدا روح عالم ہے اس
لئے جب وہ عالم سے جدا ہو جائے گا تو عالم فنا ہو جائے گا جس طرح روح نکلنے کے بعد
ہمارا جسم فنا ہو جاتا ہے۔ (اقتدار المہیبت زندہ باد)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو امور شریعت کے علاوہ امور
تکوین و تخلیق میں بھی اقتدار حاصل ہے اور اس اقتدار کی وجہ سے ان کا حجت خدا ہونا ثابت ہوتا ہے
اور اسی اقتدار کی وجہ سے کمالات خدا کی معرفت ہوتی ہے اور اسی لئے جس قدر ان حضرات کی معرفت
بلند ہوگی اسی قدر خدا کی معرفت بلند ہوگی۔

ان حضرات کے خوارق عادات و معجزات کا حصہ و احصاء اسی طرح ناممکن ہے جس طرح ان حضرات
کے فضائل کا۔ لہذا ان حضرات کی بزم کو تماشا خانہ تحریر کرنا اور سمجھنا عدم معرفت و عدم علم و عدم فہم کی
دلیل ہے بلکہ ناصبیت کے آثار ہیں۔

چنانچہ علامہ فیض علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :-

کثرت معجزات کو تماشا کہنا دلیل ناصبیت ہے

والاخبار فی کرامتہم علیہم السلام من الاخبار بالضمائر والمغیبات والمفتر
بمنطق الطیر وجميع اللغات وایراء اصحاب الامراض المزمنة دفعة
واحیاء الاموات ووسائل المعجزات وخوارق العادات تتجاوز عن
حد الحصر والاحصاء کتاب الحقائق ص ۲۱

ان ذوات مقدسہ علیہم السلام کے کرامات و معجزات و خوارق عادات غیب کی خبریں دینا اور لوگوں کے قلوب کی خبریں بتانا، اور پرندوں سے باتیں کرنا اور تمام کائنات کی زبانوں کا جاننا اور مریضوں کو دفعتاً دور کر کے صحت مند کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ کے باب میں اس قدر احادیث کثیرہ وارد ہیں کہ جن کا شمار اور جن کی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی اطاعت جمیع اشیاء پر لازم ہے:-

واجری طاعتهم علیہا ای اوجب والزم علی جمیع الاشیاء طاعتهم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر واقبال الشجر وتسبیح الحصاة وامتثالها مما لا یحصى۔ (بحار الانوار ج ۳ ص ۳۶۳)
خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کی اطاعت تمام اشیاء پر واجب و لازم قرار دے دی ہے حتیٰ کہ جمادات بھی مطیع زبان میں اور کل سماوی و ارضی اشیاء تابع حکم ہیں جیسے شق القمر اور حضوری شجر اور تسبیح سنگ زیہ، اور اسی طرح کے بے شمار معجزات جن کا احصاء ناممکن ہے۔

مولف اصول الشریعہ نے کثرت معجزات کو تماشہ تحریر کر کے اپنی جہالت و عداوت الہییت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ حضرت علامہ مجلسیؒ و علامہ کاشانیؒ کے مقابلہ میں جاہل مطلق ہیں۔

تحقیق معنی امر و الیان امر!

لفظ امر کے معنی متعدد ہیں اور ان کی تخصیص بذریعہ استعمال ہوتی ہے جیسا کہ کتب لغت میں مرقوم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کا استعمال متعدد و مختلف معانی میں وارد ہوا ہے۔ اس کے صحیح معنی کی تعیین محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات ہی سے ہو سکتی ہے جو مبسوط اور مفسر حقیقی ہیں۔ لہذا جن آیات کی تفسیر کلام معصوم سے ثابت ہو اس میں رائے زنی اور قیاس آرائی باطل ہے اور مطابق حدیث معصوم بالرائے تفسیر کرنا جہنم میں اپنی جگہ بنانا ہے۔ اس لئے سب مقدم حدیث معصوم ہی قرآن فیہی کا ذریعہ ہے۔

لہذا ہم آیہ قرآن ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ کی تفسیر کلام معصوم سے پیش کرتے ہیں۔

ایک سائل نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے امر کے معنی دریافت کئے ہیں اور حضرت نے تفصیلی جوابات عطا فرمائے ہیں:-

قال السائل من هو لاء الحجيم قال هم رسول الله ومن حل محله من اصفياء الله الذين قرنهم الله بنفسه ورسوله وفرض على البيا من طاعتهم مثل الذي فرض عليهم منها لنفسه هم ولاة الاموال الذين قال الله فيهم اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم وقال فيهم ولو هم دوة الى الرسول والى اولى الامر منكم لعلمه الذين يستنبطونه منهم قال السائل ما ذالك الا مرقال عليه السلام الذي به تنزل الملائكة في الليلة التي يفرق فيها كل امرئ من خلقه ورازق واهل وعمل وعمر وموت وعلم غيب السموات والارض والمعجزات التي لا ينبغي الا الله واصفيائه والسفراء بينه وبين خلقه .

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ وہ حجۃ اللہ کون ہیں، جن کو خدا نے اقتدار عطا فرمایا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حجج اللہ خدا کا رسول ہے اور ان کے نائب جن کو خدا نے برگزیدہ فرمایا ہے اور انہیں اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ مقرون کیا ہے اور بندگان خدا پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کی ہے جس طرح اپنی اطاعت۔ اور یہی والیان امر ہیں۔ اور ان ہی کے لئے ارشاد رب العزت ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم واللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں، اور انہیں کے لئے فرمایا ہے ولو هم دوة الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم۔ اگر رسول واولی الامر کے پیر و اس معاملہ کو کر دیتے تو یقیناً اندوہ و فتنی حالات معلوم کرنے والوں کو صحیح علم ہو جاتا، سائل نے دریافت کیا کہ اولی الامر میں لفظ امر کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ حضرات جس امر کے والی و ولی ہیں اس کے معنی کیا ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا اس امر کے معنی وہی ہیں جو لیلۃ القدر میں فرشتے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جو فیصلہ شدہ امر ان کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کے معنی خلق، رزق، اجل، عمر، عمل، حیات، موت، علم غیب، ارض و سما اور وہ معجزات جو خدا اور حضرات سفراء و حجج اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔

اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ آیہ ”اطیعوا اللہ“ میں جو ”اولی الامر“ کا فقرہ ہے اس میں امر سے مراد وہ تمام صفات و کمالات ہیں جو ایلاتہ القدر میں فرشتے اُن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور خدا کے وہ تمام فیصلے ہیں جو سال بھر کے لئے فرماتا ہے۔ لہذا آیہ مذکورہ میں امر سے مراد خلق کرنا، رزق دینا، مدت مقرر کرنا، عمر کی کمی و زیادتی اور عمل کا دیکھنا، اور حیات و موت کا فیصلہ اور علم غیب اور تمام معجزات جو خدا اور ان حضرات کے لئے مخصوص ہیں۔

اب کسی قیاس یا رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جناب امیر علیہ السلام نے اولی الامر کے معنی جو مراد خدا ہیں اس کی تشریح فرمادی ہے۔ لہذا ائمتہ و آل محمد علیہم السلام چونکہ امر خدا کے والی و ولی اور صاحبان امر ہیں اس لئے ان کے اقتدار میں خلق و رزق، اور احیاء و امات و داخل ہیں اور یہی اقتدار اولی الامر کی شناخت ہے نہ کہ بادشاہت و سلطنت جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں اور صاحب حکومت بادشاہ کو اولی الامر کہہ دیتے ہیں۔

مولف صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اپنے احتمالات و شکوک و شبہات کو اس حدیث کے بعد دفن کر دیں اور پھر اس تفسیر معصوم کے بعد گڑھے مرنے نہ نکالیں کیونکہ صاحبان وحی و الہام کے مقابلہ میں کسی مولوی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک رائے ہو سکتا ہے۔ مگر رائے کو دین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہذا باذین خدا اُن کو خالق و رازق و وحی و مہیت تسلیم کیجئے ورنہ شیعت سے دست بردار ہو جائیں۔

شب قدر میں فرشتوں کی حاضری صرف سلام کے لئے ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کا کام سفارت ہے جو خدا اور حجۃ اللہ کے درمیان انجام دیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ زمین پر حاکم و خلیفہ یا امام و نبی بن کر نہیں آتے ہیں جیسا کہ حضرات معصومین علیہم السلام نے تشریح فرمادی ہے اور ہم سابق میں تحریر کر چکے ہیں اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ”اللہ لا یشککھ خدا امناء“ کا یہی مطلب ہے کہ وہ بھی تابع فرمان ہیں جس طرح تمام کائنات تابع فرمان ہے اور ان کی فضیلت بھی ان ہی حضرات کی خدمت کا نتیجہ ہے اور چونکہ یہ بوط فیصلہ ہائے خدا اور نزولِ ارادہ و مقررات خدا ان کی خدمت میں ہوتا ہے اور پھر ان ہی حضرات کے دربار سے اجلئے حکم ہوتا ہے اور تمام فیصلہ جات کی تعمیل کرائی جاتی ہے جس کے لئے فرشتے مامور ہیں۔ لہذا اجلئے احکام صرف ایلاتہ القدر ہی سے تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ سال بھر کے فیصلے تمام سال اپنے اپنے مقررہ اوقات پر جاری ہوتے رہتے ہیں اس لئے اولی الامر کا تعلق تاسال آئندہ تمام امور سے رہتا ہے۔ ہاں سال بھر کے فیصلوں کا نزول صرف ایلاتہ القدر سے مخصوص ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح تا قیامت جاری رہے گا۔ ایلاتہ القدر آتی رہے گی۔ خداوند عالم فیصلے فرماتا رہے گا۔ اور اولی الامر اجراء کرتے رہیں گے۔ اور فرشتے تعمیل حکم پر مامور ہو کر یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے ورنہ قصد مومن بیوتکم کی تخصیص ہی غلط ہو جائے گی۔

یعنی صدور حکم تمہارے ہی گھروں سے ہوتا ہے۔ لہذا مولف کو چاہئے کہ اب اس تفسیر مصوم کے بعد اپنی شکست تسلیم کر کے تکبر پر لعنت بھیجتے ہوئے ان ذوات مقدسہ کی تفسیر و حدیث پر ایمان لے آئیں۔ ورنہ جو حشر زندقہ کا ہو گا اس کا تصور رکھیں۔ اور تفسیر بالرائے کا ارتکاب کر کے خود جہنم میں اپنی جگہ نہ بنائیں۔

انبیاء و ائمہ کے معجزات دلیل ربوبیت نہیں ہیں

مولف صاحب کا درحقیقت یہ خیال غام ہے کہ اگر معجزات فعل نبی و امام ثابت ہو گئے تو وہ خدایں جائیں گے اور شرک لازم آئے گا۔ درحقیقت اسی خیال سے انہوں نے معجزات کو فعل خدا قرار دیا ہے۔ یہ ان کی اقتیاط معدوم ہوتی اگر خدا کو معجزات میں محدود کر دینا ممکن ہوتا۔ مگر خدا کی حد بندی امر محال ہے اور کسی مخلوق کا طائر فہم اس کی نہ صفات تک پہنچ سکتا ہے نہ اس کی ذات تک۔

اسی لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے عقول میں جس قدر بھی دقیق سے دقیق تصور توحید پیدا کرو گے وہ تمہاری عقل کی حد ہے خدا کی حد نہیں ہے۔ اور وہ تصور تمہارا مخلوق ذہنی ہے جو تمہاری ہی طرف رد کر دیا جائے گا۔ لہذا معجزہ دلیل توحید نہیں ہے بلکہ عظمت توحید کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب خدا کے سفر و امانہ کو یہ اقتدار حاصل ہے تو ان کا خالق کیسا مقتدر ہو گا جس نے یہ اقتدار عطا کیا ہے۔

درحقیقت معجزہ اُمت کے لئے معجزہ ہے اور اُمت ہی کے لئے خرقی عادت ہے نوع انسان کی فطری طاقتوں سے بالاتر ہے۔ اسی لئے انسان کو اپنی عاجزی تسلیم کرنا پڑتی ہے مگر انبیاء و ائمہ ظاہری علیہم السلام کے لئے ان کی عادت ہے جو آدم سے حضرت صاحب الامر تک مسلسل چلی آئی ہے۔ جیسا کہ ہم سابق اوراق میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ جو لوگ مؤلف کی طرح خدا کا محدود تصور رکھتے تھے وہ لوگ گمراہ ہو گئے اور صاحب معجزہ کو خدا کہہ دیا کیونکہ ان گمراہوں کا نظریہ بھی مؤلف ہی کی طرح کا تھا کہ وہ معجزہ کو فعل خدا سمجھتے تھے اور خدا کا محدود تصور رکھتے تھے۔ حالانکہ خدا نے یہ قوت معجزہ ان ذوات مقدسہ کو عطا فرما کر بشری شکل میں مبعوث فرمایا تھا مگر پھر بھی گمراہ ہو گئے۔ اور معجزات دیکھ کر ان حضرات کو ربوبیت کا درجہ دے دیا۔ اور جو لوگ ان حضرات کو بشر سمجھے اور اپنی نوع کے افراد سمجھتے رہے وہ کافر ہو گئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم، ہماری نوع کے افراد ہو اس لئے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

ان دونوں میں سے ایک فرقہ حد سے بڑھ گیا، خدا کہہ دیا۔ اور دوسرے نے حد سے گرا دیا کہ

ہو گیا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ایک نمرائی سے منظر فرمایا ہے:-

قال الرضا عليه السلام لقد اجتمعت قریش الى رسول الله
فستلوه ان يحيى لهم موتاهم فوجه معهم علي بن ابي طالب فقال اذهب
الى الجبانة فناد باسماء هؤلاء الرهط الذين يستلون عتھم يا علي
صوتك يا فلان يا فلان يا فلان يقول لكم رسول الله محمداً قوموا
ياذن الله عزوجل فقاموا ينقضون التراب عن رؤسهم فاقبلت
قریش تستلھم عن امورهم ثم اخبروھم ان محمداً بعث نبيا
فقالوا و دوننا ان ادر كنا فنومن به وقد ابرأ الاكمه والابرص
والمجانين وكلهم البھائم والطير والجن والشياطين ولم تتخذ
مربا من دون الله عزوجل ولم ننكر من هؤلاء فضلھم فان
اتخذتم عيسى رباً جائز لكم ان تتخذوا اليسع والحزقيل ربين
فانھما قد صنعنا مثل ما صنع عيسى بن مريم عليهما السلام من
احياء الموتى وغيره - ثم ان قوماً من بنى اسرائيل خرجوا من
بلادهم من الطاعون وهم الوف حذر الموت فاما تھم الله في
ساعة واحدة فعمد اهل تلك القرية فخطروا عليهم خطيرة
فلم يزالوا فيها حتى نخرت عظامهم وصاروا رماً نثر بهم نبي
من بنى اسرائيل فتعجب منهم ومن كثرت العظام البالية
فاوحى الله عزوجل اليه اتحب ان يحييھم لك فتنذھم قال
نعم يا رب فاوحى الله عزوجل اليه ان نادھم فقال ايتها العظام
البالية قومي باذن الله عزوجل فقاموا احياء اجمعون ينقضون
التراب عن رؤسهم - ثم ابراهيم خليل الله اتخذ الطير فقطع من
قطعا ثم وضع على كل جبل منهم جزء ثم ناداهن فاقبلن سعياً
اليه ثم موسى بن عمران واصحابه السبعون الذين اختارهم
صامراً وامعه الى الجبل فقالوا الاله انك قد مرايت الله فارأنا
كما مرأيتھ فقال لھم اني لما رآه فقالوا لن نومن لك حتى نرى الله

جھڑا فاختہ الصاعقة فاحترقوا عن آخرهم فبقی وحیداً فقال رب اخترت سبعین رجلاً من بنی اسرائیل فجئت بهم فاجمع انا وحدی فیکف یصدقنی قومی بما اخبرهم به فلو شئت اهلكتهم من قبل وایا ی افتهلکنا بما فعل السفهاء منا فاحیاهم الله عز وجل من بعد موتهم وکل شیء ذکرک لک من هذا لا تقدس علی دفعه لان التوراة والانجیل والزبور والفرقان قد نطقت به فان کان کل من احی الموتی وایراً لاکمه والابرص والمجانین یتخذ من ینا من دون الله فاتخذ هؤلاء کلهم ارباباً ما تقول یا نصرانی فقال الجاثیق القول قولک ولا اله الا الله -
(احتجاج ص ۲۱۴)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نصرانی ایک واقعہ سُن اور غور کر:-
ایک مرتبہ کچھ قریشی لوگ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ ہمارے مردوں کو زندہ کر دیں۔ آپ نے یہ سوال قبول فرمایا اور اُن کے ہمراہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھیجا کہ ان کو صحرائے قبرستان میں لے جاؤ اور جن مردوں کو یہ لوگ زندہ کرنا چاہتے ہیں تم ان کے نام لے کر پکارو اور بلند آواز سے کہو کہ اے فلاں اے فلاں اے فلاں۔ تمہیں رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ فوراً کھڑے ہو جاؤ یا دین خدا۔ چنانچہ یہ کہنا تھا کہ وہ تمام مردے زندہ ہو گئے۔ رسول کی خاک جھاڑتے ہوئے سامنے آکھڑے ہوئے۔ قریش اُن سے حالات پوچھنے لگے اور انہیں خبر دی کہ محمدؐ مبعوث برسات ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ مسکات پہنیں اور ایمان لائیں۔

اے نصرانی! حضرت رسول اللہ نے مادر زاد اندھوں کو بھی بینا کر دیا ہے اور مردوں اور مجنونوں کو بھی صحت بخشی ہے۔ اور آنحضرتؐ سے چوپایوں اور پرندوں اور جنات اور شیاطین نے گفتگو کی ہے۔ مگر باوجود ان تمام معجزات و خوارق عادات کے ہم نے رسول اللہ کو اپنا رب نہیں سمجھا بلکہ خدائے عزوجل کو ہی رب تسلیم کیا ہے۔

اے نصرانی اگر تم نے علیؑ علیہ السلام کو اسی لئے رب تسلیم کیا ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے تو پھر حضرت مسیح اور حضرت حرقیل کو بھی رب مانتا چاہئے کیونکہ ان دونوں نے بھی وہی معجزات دکھائے ہیں جو حضرت علیؑ نے دکھائے تھے اور انہوں نے بھی

مردوں کو حضرت عیسیٰ کی طرح زندہ کیا ہے۔
 تمہیں معلوم ہے کہ ایک قوم طاعون کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکلی تھی۔ اور
 یہ بنی اسرائیل میں سے کئی ہزار آدمی تھے جو موت کے ڈر سے نکلے تھے۔
 خداوند عالم نے ان سب کو آن واحد میں موت دے دی اور دیہاتیوں نے ان کی میتوں پر
 سردی اور گرمی سے بچانے کے لئے گھاس پھوس ڈالا یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ
 ہو گئیں اور وہ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ پھر بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کا وہاں
 سے گزر ہوا اور اس نے ہزاروں مردوں کی بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھا اور متحجب ہوا۔
 تو خدا نے وحی فرمائی کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو میں زندہ کر دوں اور یہ تمہاری امت
 بن جائیں اور تم ان کو ہدایت و تنبیہ کرو۔ اس نبی نے عرض کی ہاں اے میرے رب۔
 پس خدا نے وحی کی کہ تم ان کو پکارو۔ نبی نے آواز دی کہ اے بوسیدہ کھڑے ہو جاؤ
 باذن اللہ۔ پس وہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور اپنے سروں سے خاک
 جھاڑنے لگے۔

پھر اسی طرح اسے نصرانی حضرت ایراہیم خلیل اللہ کو دیکھو جب انہوں نے چار پرندے
 پکڑے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دس پہاڑوں پر ڈال دیا اور پھر ان گوشت کے
 ٹکڑوں کو پکارا اور وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے اُن کے پاس آ گئے۔
 اسی طرح اسے نصرانی حضرت موسیٰ اور اُن کے ستر ہمراہیوں کا واقعہ دیکھو جن کو وہ منتخب
 کر کے کوہ طور پر لے گئے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہمیں خدا کو دکھاؤ
 جس طرح تم نے دیکھا ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا ہے۔ انہوں
 نے کہا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر یہ ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پھر ان پر بجلی
 گری اور وہ سب جل گئے اور موسیٰ تنہا رہ گئے۔

حضرت موسیٰ نے درگاہ خدا میں عرض کی کہ اے میرے پالنے والے میں ان ستر آدمیوں
 کو ہمراہ لایا تھا اور اب میں تنہا رہ گیا ہوں۔ جب میں واپس اپنی قوم میں جاؤں گا اور
 انہیں اس واقعہ کی خبر دوں گا تو وہ کس طرح میری تصدیق کریں گے۔ اگر ہلاک کرنا چاہتا
 تھا تو پہلے ہی مجھے اور ان کو ہلاک کر دیتا۔ اے ہمارے مالک کیا ان طالب دیدار
 بے وقوفوں کی دہرے ہمیں ہلاک کرے گا۔ پس خداوند عالم نے ان کو زندہ کر دیا ان کی
 موت کے بعد۔

اے نصرانی! میں نے تجھے جو کچھ بتایا ہے یہ ایسے واقعات ہیں جی کا تم انکار نہیں کر سکتے

کیونکہ یہ تمام واقعات انجیل توریت اور زبور و قرآن میں موجود ہیں۔ پس اگر مردوں کو زندہ کرنے والا، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے والا، مبروض کو شفا دینے والا اور مجنوں کو صحت دینے والا رب بنایا جاتا ہے تو پھر ان سب کو ارباب بناؤ۔ کیا خیال ہے تمہارا اسے نصرانی؟ یہ سُن کر نصرانی جاہلیتی نے عرض کی جو کچھ آپ نے بیان فرمایا ہے ایک ایک حرف صحیح و درست ہے لا الہ الا اللہ۔

اس حدیث امام رضا علیہ السلام سے ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو خدا بنایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھے اور اپنی ناہنجی اور جہالت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

اگر یہ معجزات فعلِ انبیاء نہ ہوتے تو حضرت رضا علیہ السلام ان کو سمجھاتے کہ تم غلطی پر ہو یہ معجزات فعلِ خدا ہیں انبیاء کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ تو ایک پتھر سے بھی یہی کام لے سکتا ہے جیسا کہ مؤلف اصول الشریعہ کا خیال باطل ہے۔ مگر حضرت نے تصدیق فرمادی کہ معجزات فعلِ انبیاء ہیں اور مثالیں دے کر انبیاء کے اہیاء موتی اور اہراء امکہ و غیرہ کا ثبوت پیش کیا اور فرمایا کہ یہ ایسے معجزات ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ چاروں آسمانی کتاب میں ان کی مصدق ہیں۔ اور باوجود ان معجزات کے ہم نے ان کو رب نہیں بنایا ہے۔

معلوم ہوا کہ معجزہ علامتِ ربوبیت نہیں ہے۔ اسی لئے امام رضا علیہ السلام کے فرمان کو موالیاہی اہلیت اپنا ایمان سمجھتے ہوئے معجزات کو فعلِ نبی و امام سمجھتے ہیں۔ اور معجزہ نما کو خدا کا بعد تسلیم کرتے ہیں اور قوتِ معجزہ کا خالق خدا کو مانتے ہیں۔ مولف صاحب اپنے زعمِ باطل میں معجزات کو فعلِ خدا سمجھ کر نبی و امام کو پھر دلوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور نبی و امام پر ظہورِ معجزہ کو فعلِ خدا قرار دے کر نبی و امام کو بے اختیار اور مجبور ثابت کرتے ہیں جس کے بعد ان کا عقیدہ اور مجبور کا عقیدہ بالکل یکساں ہو جاتا ہے جس کے بعد ان کا فہمِ حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث معصوم میں مجبور کے لئے امور مذکورہ کی حرمت ہم سابقہ ادلائق میں من حوالہ حدیث تحریر کر چکے ہیں۔

معجزات انبیاء و ائمہ ان ہی کے افعال ہیں

حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہودیوں سے گفتگو کے دوران ارشاد فرمایا ہے:-
قال الرضا علیہ السلام ما الحجة علی ان موسى ثبت نبوته قال
اليهودی انه جاء بمالہ یجئ احد من الانبیاء قبلہ قال

علیہ السلام لہ مثل ما اذا قال مثل خلق البحر وقلیہ العصاحیہ تسعی
 وضربہ الحجر فانفجر منه العیون واخراج یدہ بیضاء للناظرین
 وعلامات لا یقدر الخلق علی مثلها قال لہ الرضا صدقت فی
 انها كانت حجة علی ثبوته انه جاء بما لا یقدر الخلق علی
 مثله افلیس کل من ادعی انه نبی ثم جاء بما لا یقدر الخلق
 علی مثله وجب علیکم تصدیقه قال لان موسی لم یکن لہ
 نظیر لکنانہ من ربہ وقربہ منه ولا یجب علینا الاقرار بنبوۃ
 من ادعاه حتی یأتی من اعلام بمثل ما جاء قال الرضا علیہ السلام
 فکیف اقررہم تبعا للانبیاء الذین کانوا قبل موسی ولم
 یفلق البحر ولم یفجروا من البحر اثنی عشرۃ علینا ولم
 یمضوا یدہم مثل اخراج موسی یدہ بیضاء ولم یقبلوا
 العصاحیہ تسعی قال لہ الیہودی قد خبرتک انه متی جاء
 داعی نبوتہم من الآیات بما لا یقدر الخلق علی مثله ولی
 جاء بما لم یجی بہ موسی او کانوا علی ما جاء بہ موسی وجب
 تصدیقہم قال الرضا یا ہر اس البات فما یمنعک من
 الاقرار بعیسی بن مریم وقد کان یحیی الموتی ولیراکبہ
 والابرص ویخلق من الطین کھیئۃ الطیر ثم ینغم فیہ
 فیكون طیرا باذن اللہ قال ہر اس الجالوت یقال انه فعل ذلک
 ولم نشہد قال الرضا ہر اثبت ما جاء بہ موسی من الآیات
 وشاہدہ الیس انما جاء الاخبار من ثقاة اصحاب موسی
 انه فعل ذلک قال بلی قال فلذلک ایضا اتکوا الاخبار
 المتواترة بما فعل عیسی بن مریم فکیف صدقتہم بوسی
 ولم تصد ابوعیسی فلم یمضوا یا فقال الرضا وکذلک امر
 محمداً وما جاء بہ وامر کل نبی بعثہ اللہ ومن آیاتہ انه
 کان یتیمًا فقیرا ہر اعیاء اجیرا ولم یتعلم ولم یختلف الی معلم
 ثم جاء بالقرآن الذی فیہ قصص الانبیاء علیہم السلام و
 اخبارہم حرفا حرفا من ماضی ومن بقی الی یوم القیمۃ ثم

كان يخبرهم بأسرارهم وما يعملون في بيوتهم وجاء بآيات كثيرة لا تحصى قال: راس الجالوت لم يصم عندنا خبر عيسى ولا خبر محمد ولا يجوز لنا أن نقر لهما بما لا يصم قال الرضا فالشاهد الذي يشهد بعيسى ومحمد وشاهدنا ورفلهم يحرر جواباً - (احتجاج طبرسي ٢١٥)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے راس الجالوت یہودی سے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی نبوت کی کیا دلیل ہے؟ یہودی نے کہا کہ انہوں نے وہ معجزات دکھائے جو ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں دکھائے تھے۔ حضرت نے فرمایا مثلاً کیا دکھائے؟ یہودی نے کہا کہ انہوں نے دریا میں شگاف دیا، اور عصا کو دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا اور پتھر پر عصا مار کر چشے جاری کر دیئے۔ اور ہاتھ کو ید بیضا بنا کر ناظرین کو دکھایا۔ اور یہ معجزات وہ ہیں کہ جس پر خلق خدا قادر نہیں ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم نے سچ کہا ہے۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی کہ انہوں نے ایسے کمالات دکھائے کہ خلق خدا ان کے مثل لانے پر قادر نہیں ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر ایک مدعی نبوت، جو اپنی نبوت کے ثبوت میں ایسے معجزات دکھائے جن کے مثل پر خلق خدا قادر نہ ہو تو ایسے نبی کی تم پر تصدیق واجب ہے۔ یہودی نے کہا کہ نہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کا کوئی نظیر و مثل ہی نہیں ہے۔ ان کو خدا نے جو مرتبہ اور اپنا تقرب عطا کیا ہے وہ کسی کے لئے حاصل ہی نہیں ہے۔ اس لئے ہم پر کسی نبی کی نبوت کا اقرار واجب نہیں ہے جب تک وہ حضرت موسیٰؑ ہی کی طرح معجزات نہ دکھائے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تم نے ان انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کس طرح کی ہے جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے گزر گئے اور انہوں نے نہ دریا شگاف کیا نہ پتھر سے چشے نکالے اور نہ ید بیضا دکھایا اور نہ عصا کو اڑدیا بنایا۔

یہودی نے کہا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان انبیاء نے ایسے معجزات دکھائے تھے جن پر خلق خدا قادر نہیں ہے۔ اگرچہ وہ حضرت موسیٰؑ والے معجزات نہ سہی مگر ایسے معجزات تھے کہ جن کے مثل پر خلق خدا قادر نہیں ہے اس لئے ان کی تصدیق واجب ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ لے راس الجالوت پھر تم حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر کیوں ایمان نہیں لاتے حالانکہ انہوں نے بھی مردوں کو زندہ کیا، اور مادر زاد اندھوں کو بھی بینا بنایا اور مبرص کو بھی شفا دی اور مٹی سے پرندے خلق کئے اور بچوں کو ساری اور

وہ باذن خدا اڑنے لگے۔

راس الجالوت نے کہا کہ ہاں یہ باتیں کہی جاتی ہیں کہ عیسےؑ نے یہ کیا یہ کیا مگر ہم نے چونکہ خود مشاہدہ نہیں کیا ہے اس لئے تصدیق نہیں کی۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا مشاہدہ بھی نہیں کیا ہے بلکہ معتبر اخبار کے ذریعے تم نے یہ معجزات تسلیم کئے ہیں۔ راس الجالوت نے کہا کہ جی ہاں درست ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی متواتر و معتبر اخبار موجود ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے ہیں۔ پھر تم نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کیوں کی اور حضرت عیسےؑ کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر راس الجالوت سے کوئی جواب بن نہیں پڑا اور خاموش ہو گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے راس الجالوت بالکل یہی ثبوت حضرت محمد مصطفیٰؐ کا بھی ہے۔ کہ ان کو خدا نے مبعوث فرمایا ہے۔ اور ان کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ وہ یتیم تھے۔ فقیر و محتاج تھے۔ بکریاں چراتے تھے۔ مزدوری کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہیں تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی معلم کے پاس درس لینے کبھی گئے۔ اور پھر ایسا قرآن لائے ہیں کہ جس میں قصص الانبیاء ہیں۔ اور ان کے اخبار و واقعات حرف بحرف موجود ہیں۔ اور اس میں گزشتہ کے واقعات بھی ہیں اور آئندہ کے بھی۔ اور قیامت تک کے حالات و واقعات موجود ہیں۔ اور اس کے علاوہ آنحضرتؐ لوگوں کے دل کی باتیں پوشیدہ راز بتاتے تھے۔ اور جو کچھ لوگ اپنے گمروں میں کرتے ہیں وہ بھی بتا دیتے تھے۔ اور آنحضرتؐ نے اتنے معجزات دکھائے ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ راس الجالوت نے کہا کہ ہمیں حضرت عیسےؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحیح خبریں نہیں پہنچی ہیں اس لئے بغیر خبر ہم نے ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا یہ تمام شہادتیں غلط ہیں جو متواتر ثابت ہیں۔ یہ سن کر راس الجالوت بالکل خاموش ہو گیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس حدیث میں راس الجالوت کی تصدیق فرمائی ہے جس نے معجزات حضرت موسیٰؑ بیان کئے ہیں اور حضرت نے ان معجزات کو افعال حضرت موسیٰؑ تسلیم فرماتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ بے شک یہ حضرت موسیٰؑ ہی کے کمالات ہیں اور یہ بھی تصدیق فرمائی ہے کہ ہر

مدعی نبوت نے اپنا کمال پیش کیا ہے اور وہ اسی کا فعل ہے۔

راس الجالوت نے صاف صاف امام کے سامنے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ کمالات و معجزات موسیٰ علیہ السلام خدا کے عطا فرمودہ ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کو انتہائی تقرب خدا حاصل تھا اس لئے یہ کمالات حاصل تھے۔

اب مولف صاحب کی تمام دیواریں جو ریت پر کھڑی کی تھیں راس الجالوت یہودی نے اپنی معرفت نبوت کے ذریعہ ڈھادیں۔ اور ان کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کمالات حضرت موسیٰؑ کو تقرب خدا کی وجہ سے انہیں حاصل ہوئے تھے اور امام رضا علیہ السلام نے تصدیق فرمادی کہ معجزات کا حصول تقرب خدا اور نبوت و رسالت کی نشانی ہے۔

لہذا معجزہ فعل نہیں ہے؛ اس کو فعل خدا کہنا غلط، باطل، لغو اور قول مجتر ہے۔ بلکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ نبی جو معجزہ دکھاتا ہے اُس کا قائل وہ خود ہے۔ اور قوت معجزہ کا خالق و قائل خدا ہے اور نبی کی طرف معجزہ کی نسبت ”حقیقتاً“ ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت ”مجازاً“ ہے۔

مولف صاحب نے اس حقیقت و مجاز کو اپنی نا فہمی کی وجہ سے الٹ دیا ہے اور قول مجترہ کی تقلید و پیروی کی ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث معصوم کے مصداق قرار پاتے ہیں کہ ان کا ذبیح حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ہے۔ جیسا کہ ہم مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ مولف صاحب کو اپنی کوتاہ نظری بلکہ جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت امام رضا علیہ السلام کی تصدیق پر ایمان لانا چاہئے۔ اس کے لئے شیخ راستہ تو یہ ہے۔ ورنہ اپنے کو شیعیت سے خارج سمجھیں۔

مظلومیتِ انبیاء و ائمہ علیہم السلام باعث حفاظتِ توحید ہے

حضرات انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام نے جب معجزات و کمالات دکھائے تو سفیہوں اور بے وقول کی گراہی کا خطرہ تھا کہ ان ذوات مقدسہ کو خدا نہ سمجھ لیں اس لئے خداوند عالم نے ان کی مظلومیت کا اظہار کرایا۔ چنانچہ حضرت حجت عجل اللہ وجہہ سے جناب حسین بن روح نے جو کچھ اس سلسلہ میں سناعت کیا تھا اس کو ہم احتجاج طبری سے بطور ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ایک شخص نے جناب حسین بن روح سے دریافت کیا کہ کیا امام حسین علیہ السلام ولی اللہ تھے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک ولی اللہ تھے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ ان کا قاتل عدو اللہ تھا؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک عدو اللہ تھا۔ اس نے عرض کی کہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا اپنے ولی پر اپنے دشمن کو مسلط کر دے؟

حضرت حسین بن روح نے فرمایا کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں اُس کو سُن اور سمجھ:-
خداوند عالم بذات خود کسی کے سامنے آکر لوگوں سے خطاب نہیں کرتا ہے اور نہ اُن
سے بالمشافہ کلام کرتا ہے۔ بلکہ اس کی ذات اجل و اعظم اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ وہ لوگوں
کی ہدایت کے لئے اپنا سفیر بشری شکل میں مبعوث کرتا ہے جو ان کی جنس اور صنف
میں ان کے مثل ہوتا ہے۔ اگر خدا ایسے رسول "سفیر" مبعوث فرماتا جو ان کی صنف اور
صور توں کی طرح نہ ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے اور ان کی کوئی بات قبول نہ کرتے۔
پس جب خدا کے فرستادہ ان کے پاس آئے جو ان ہی کی جنس کے تھے۔ کھانا کھاتے
اور بازار میں چلتے پھرتے تھے تو لوگوں نے ان سفیروں سے کہا کہ تم تو ہماری ہی مثل ہو،
ہم تمہاری بات قبول نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے سامنے ایسا کمال نہیں دکھاؤ گے
جس کے مثل سے ہم عاجز ہوں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تم مخصوص ہستی ہو اور ہم
تمہارے جیسے کمال پر قادر نہیں ہیں۔ پس خداوند عالم نے ان حضرات کو ایسے معجزات
عطا فرمائے جن سے تمام خلائق عاجز ہے۔

ان ہی میں سے ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے طوفان لا کر اپنا کمال دکھایا اور یہ اس وقت
جب کہ اس نے اپنی حجت تمام کر دی اور لوگوں نے پھر بھی نہ مانا، اور سرکشی و نافرمانی
کی۔ ایسے لوگ غرق ہو گئے۔

اور ایک وہ ہستی ہے جس کو آگ میں ڈالا گیا اور اس کے کمال سے وہ آگ سلامتی کے
ساتھ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور ایک وہ ہستی ہے جس نے سخت پتھر سے اذیت نکل کر اپنا
کمال دکھایا اور اس کے حق سے دودھ جاری کر دیا۔ اور ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے
اپنے اظہار کمال کے لئے دریا کو شگافہ کیا اور پتھر سے چشمے جاری کئے اور خشک لکڑی کا لڑوا
بنادیا جس نے جادو گردوں کے کرتب کو فیل کر دیا اور ان کے رتوں کو جو سانپ کی شکل میں
تھے، نگل گیا۔ اور ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے مادرِ زاد اندھوں کو بینا اور کورھی کو صحت مند
بنایا اور مردوں کو زندہ کر دیا اور یہ سب کمالات خدا کے اذن سے دکھائے اور لوگوں کو یہ
بھی بتادیا کہ انہوں نے اپنے گھر کیا کھایا ہے۔ اور یہ بھی بتادیا کہ ان کے گھروں میں کیا کیا
ذخیرہ ہے۔ اور ایک ہستی کا کمال یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آذوقہ اور
بھڑیلوں نے ان سے باتیں کیں۔

جب ان حضرات مفرد و امنا اللہ نے ایسے کمالات دکھائے جن سے خلائق عاجز ہو گئی۔
وہ ایسے کمالات نہیں دکھا سکی تو خدا کی حکمت اور لطف کے پیش نظر ضروری قرار پایا کہ

وہ ان انبیاء میں ایسے کمالات و معجزات کے ہوتے ہوئے ان کو کبھی دشمنوں کی ایذا رسائیوں کے مقابلہ میں غالب رکھے اور کبھی مغلوب۔ کبھی ظالموں پر غالب آجائیں اور کبھی مظلوم بن کر مغلوب ہو جائیں۔ کیونکہ اگر خدا ان کو ہمیشہ غالب رکھتا اور امتحان و ابتلا اور مصائب میں نہ ڈالتا، تو لوگ ان ہی کو خدا تسلیم کر لیتے اور حقیقی خدا کو چھوڑ دیتے۔ اسی لئے ان کو آزمائشوں میں مبتلا کیا۔

اس ارشاد حق بنیاد سے مولف کے تمام دلائل کی رگ جیات قطع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر معجزات و کمالات کے فاعل حقیقی انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام نہ ہوتے تو خدائی کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ کمالات عطیہ خداوندی تھے جو ان کی ذات میں تھے۔ ورنہ لوگ ان کو بھی مکتی اور پتھر کی طرح عاجز و مجبور اور فاعل مجازی قرار دیتے جس طرح مولف کا اعتقاد ہے۔

دلیل الوہیت کامل بالذات ہونا ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام لانه علمان براہین الانبیاء تکبر فی صدورهم و ان منهم من يتخذ بعضهم الھما کالذی کان من النصاری فی ابن مریہ فذکرھا دلالة علی تخلفهم من الکمال الذی تقر دہ عزوجل المتسم الی قوله فی صفة عیسیٰ حیث قال فیہ و امہ کانا یا کلان الطعام یعنی من اکل الطعام کان له ثقل و من کان له ثقل فهو بعيد مما ادعته النصی لابن مریہ۔ (احتجاج ص ۱۲)

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ معجزات انبیاء ان کی امتوں کے قلوب میں اس قدر عظیم ہو جاتے تھے کہ بعض لوگ ان کو خدا بنا لیتے تھے جس طرح ابن مریہ کو بنایا۔ لہذا خدا نے ان کے کمال بالذات کی نفی کا اظہار فرمایا جس کا مستحق صرف خدا ہی ہے۔ اور فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جو شخص کھانا کھائے گا اس میں ثقل ہوگا۔ اور جو ایسا ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ یعنی کامل بالذات صرف خدا ہے اور انبیاء میں یہ کمال بالذات نہیں ہے لہذا یہ خدا نہیں ہو سکتے۔

کمال علم امام کمال اقتدار کا سبب ہے

عن ابان بن تغلب قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام

فدخل عليه رجل من اهل اليمن فقال له يا اخا اهل اليمن
عندكم علماء قال نعم قال فما بلغ من علم عالمكم قال يسير
في ليلة سيرة شهرين يزجر الطير ويقفوا لا شرف قال ابو عبد الله
عليه السلام عالم المدينة اعلم من عالمكم قال فما بلغ من علم
عالم المدينة قال يسير في ساعة من النهار مسيرة الشمس
سنة حتى يقطع اثني عشر الف مثل عالمكم هذا ما يعلمون
ان الله خلق آدم ولا ابليس قال فيعرفونكم قال نعم ما افترض
عليها الا ولايتنا والبرائة من عدونا۔ (بحار الانوار ج ۳۲ ص ۳۷۲)

ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا
کہ ایک مروینی آپ کی بزم میں داخل ہوا۔ جناب نے فرمایا اسے مروینی تھا ہے یہاں
علماء ہیں؛ اس نے عرض کی جی ہاں۔ جناب نے فرمایا کہ ان کا مبلغ علم کتنا ہے؛ اس نے
عرض کی کہ ہمارا عالم ایک شب میں دو ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ تفاعل اور کہانت
جانتا ہے۔ جناب نے فرمایا عالم مدینہ تمہارے عالم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس نے
عرض کی کہ اس کا مبلغ علم کتنا ہے؛ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک ساعت میں آفتاب کی
ایک سال کی مسافت طے کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس تمہاری دنیا جیسے بارہ ہزار
عالم کی مسافت قطع کر لیتا ہے۔ اور وہ عالم ایسے ہیں کہ جی کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ آدم
کو خدا نے پیدا کیا ہے اور نہ وہ ابلیس ہی کے واقف ہیں۔ اس نے عرض کی کہ وہ تمام
عالم آپ حضرات کی معرفت رکھتے ہیں۔ جناب نے فرمایا بے شک۔ ان پر ہماری ولایت
اور ہمارے دشمنوں سے برأت فرض ہے۔

چالیس جگہ جہانی

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سرعت رفتار کی وجہ سے چالیس جگہ
کیا چیز ہے چالیس ہزار جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو یہی معلوم ہو گا کہ ہمارے جہان تھے کیونکہ
ہم جس وقت اور جس لمحہ کو بھی اپنے دماغوں میں تجویز کریں گے وہ اس لمحہ میں دوسری جگہ بھی ہیں۔ کیونکہ
ہم لمحات کی حد بندی کریں گے اور وہ اس حد بندی سے بالآخر ہوں گے۔ لہذا ہمارے مجوزہ وقت
واحد میں وہ امکانہ متعدد ہیں ہو سکتے ہیں۔ اور یہ محال و ناممکن نہیں ہے بلکہ ہماری علمی و ذہنی
کمزوری ہے جس طرح بجلی کے پنکھے میں کئی کئی غلا ہوتے ہیں مگر سرعت رفتار کی وجہ سے وہ غلامعلوم

نہیں ہوتے۔ اور خلا کے ساتھ ساتھ بالکل متصل پنکھے کے کئی کئی مادی حصے ہوتے ہیں اور وہ مادی حصے بھی سرعت حرکت کی وجہ سے سامنے والی چیز کے دیکھنے سے مانع نہیں ہوتے۔ آپ برابر نظر جمائے رکھئے آپ کو ہر لمحہ اس پنکھے کے باز کی چیز بالکل صاف نظر آئے گی اور پنکھے کے مادی حصے اپنی سرعت کی وجہ سے مانع نہیں ہوں گے اور نہ خلا ہی مادی حصوں سے جدا نظر آئے گا۔

ہماری نظر صحیح طور پر حقیقت کا احساس نہیں کر سکتی۔ اور چونکہ وقت کا کچھ حصہ ہماری نظر کے لئے اس تصویر کو قائم رکھتا ہے جو ہم نے ایک بار دیکھی ہے اور یہ فطری قوت ہے جس کا انکار کوئی صحیح الدماغ نہیں کر سکتا۔ لہذا ایک دفعہ دیکھی ہوئی شے کی تصویر فوری طور پر ہمارے ذہن سے محو نہیں ہوتی بلکہ وہ تصویر ذہن میں باقی رہتی ہے تا وقتیکہ کہ دوسری تصویر اس کی جگہ قائم ہو۔ اور اس میں لمحہ کا جزوی حصہ جو ہمارے عقلی احساس سے معقول ہوتا ہے وہ لازمی طور پر باقی رہتا ہے مگر نظری احساس اس کو جدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم غیر نظر کی وجہ سے اس تصویر کو جدا کرنا نہیں کر سکتے۔ مگر عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ لمحہ کے جزوی حصہ میں موجود ہے۔ لہذا ہمارے نظری احساس میں چالیس جگہ شے واحد کا وجود نظر نہیں آ سکتا اس لئے ہم اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ عقلاً محال نہیں کیونکہ سرعت حرکت کی حد بندی ہمارے احساس سے بالاتر ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی توضیح ممکن ہے:-

سرعت حرکت کا تصور عقلی

شکی ابوہریرہ الی امیر المؤمنین علیہ السلام شوق اولادہ فامرہ علیہ السلام بغض الطرف فلما فتحماکان فی المدینۃ فی دایرۃ فجلس فیہا ہنیئۃ فنظر الی علی علیہ السلام فی سطعہ وهو یقول ہلم تنصرف وغض طرفہ فوجد نفسه فی الکوفۃ فاستعجب ابوہریرہ فقال امیر المؤمنین علیہ السلام ان اصف او مد تحتان مسافت شہرین بمقدار طرفۃ عین علی سلیمان وانا وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بخاری لاوارب، ۳۴۲)

ابوہریرہ نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے اپنی اولاد سے شوقی ملاقات کی شکایت کی۔ جناب نے اس کو حکم دیا کہ اپنی آنکھیں بند کر۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور فوراً کھولیں تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مدینہ میں اپنے مکان میں موجود ہے۔ ابھی تھوڑی

ہی دیرودہ بیٹھا تھا کہ کلکان کی سطح پر حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ جناب فرما رہے تھے جلدی کرو ہم واپس چلیں۔ اس نے آنکھ بند کی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ کوفہ میں موجود ہے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ابوہریرہ کو تعجب ہونے لگا۔ جناب نے فرمایا آصف بن برخیا وزیر جناب سلیمانؑ نے دو ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو چشم زدن میں جناب سلیمانؑ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا حالانکہ وہ بعض کتاب کا علم رکھتا تھا، اور میں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دمی ہوں (حضرت کو کل کتاب کا علم تھا)۔

اس حدیث سے بھی سرعت حرکت ثابت ہو جاتی ہے جو انسانی نظر سے بالاتر ہے۔ کوفہ کہاں اور مدینہ کہاں۔ مگر چشم زدن میں دونوں جگہ ابوہریرہ موجود تھے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ ذوات مقدسہ بذات خود ہی ہر جگہ نہیں پہنچتے بلکہ جس کو چاہیں چشم زدن میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس چشم زدن کے لمحہ کی اگر تقسیم کی جائے تو کوفہ اور مدینہ کی درمیانی مسافت کی تقسیم کے ساتھ ساتھ اس نظری تصور کا وجود معقول ہو سکتا ہے جو ایک شے کے دیکھنے کے بعد دوسری شے کے تصور تک ذہن میں باقی رہتا ہے۔

سرعت حرکت کا ذہنی تصور

عن حفص الابيض التمار قال دخلت على ابي عبد الله ايام قتل المعلى بن خنيس وضليه رحمه الله فقال لي يا حفص اني امرت المعلى بن خنيس بامر خالفني فابتلى بالحديد اني نظرت اليه يوما وهو كيب حزين فقلت مالك يا معلى كانك ذكرت اهلك ومالك وعيالك فقال اجل فقلت ادن مني فدني مني فمسحت وجهه فقلت اين تراك فقال امراني في بيتي هذه امر وجتي وهؤلاء ولدي فتركته حتى يملأ منهم وسرت منه حتى نال ما ينال الرجل من اهلك ثم قلت ادن مني فدني مني فمسحت وجهه فقلت اين تراك فقال امراني معك في المدينة وهذا بيتك فقلت له يا معلى ان لنا حديثا من حفظه علينا نحفظه الله عليه دينه ودنياه يا معلى لا تكونوا اسراء في ايدي الناس بحديثنا ان شاءوا امنوا عليكم وان شاءوا اقتلوكم يا معلى ان من كتم الصعب من حديثنا جعله الله نوما بين عينه ومزقه العزة في الناس ومن اذاع الصعب من

حدیثنا لم یمت یعضد السلام اویس موت بخیل یا معلی دانت
مقتول فاستعد - ربحنا الانوار بح، مث^۳
حفص ابیض تمار کا بیان ہے کہ میں اس عرصہ میں جب معلی بن خنیسؓ قتل کئے گئے تھے
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تھا۔ جناب نے فرمایا اے حفص میں نے
معلی بن خنیس کو حکم دیا تھا کہ ہماری مشکل باتوں کو چھپائے رکھو مگر وہ نہ چھپا سکا
اور وہ مبتلائے صلیب ہو گیا۔ میں نے اس کو ایک روز غم زدہ اور رنجیدہ دیکھا تھا اور
اس سے کہا تھا کہ اے معلی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اہل دیعال اور گھر باریاد آ رہا ہے
اس نے کہا جی ہاں۔ پس میں نے کہا کہ آؤ میرے نزدیک آؤ۔ وہ میرے نزدیک آگیا
میں نے اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیر دیا اور دریافت کیا کہ بتاؤ تم کہاں ہو اس نے کہا کہ
جناب میں اپنے گھر میں ہوں یہ میری زدہ اور میری اولاد موجود ہے۔ میں نے کچھ دیر
اس کو اپنے اہل دیعال سے ملنے کی جہلت دے دی اور میں پوشیدہ ہو گیا۔ جب وہ
اپنے اہل دیعال سے مل چکا تو میں نے کہا کہ اے معلی ذرا میرے نزدیک آؤ۔ وہ نزدیک
آگیا۔ پھر میں نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر دیا اور دریافت کیا کہ بتاؤ اب تم کہاں ہو؟
تو اس نے کہا کہ آپ کے ساتھ مدینہ میں ہوں یہ آپ کا دولت کدہ ہے۔ میں نے
اس سے کہا کہ اے معلی، اری شان بیان کر کے ہمارے دشمنوں کے قیدی نہ بنو
وہ چاہیں تو تمہیں زندہ چوڑ کر احسان کریں اور چاہیں تو تمہیں قتل کر دیں۔ اے معلی
جو شخص ہماری مشکل شان کو چھپائے گا تو خدا اس کی پیشانی میں نور پیدا کر دے گا اور
اس کو لوگوں میں عزت عطا کرے گا۔ اور جو شخص اس مشکل شان کو ظاہر کر دے گا تو وہ
قتل ہو کر مرے گا۔ اور معلی تو مقتول ہو گا، لہذا اس کے لئے تیار رہ۔ اس حدیث
سے بھی سرعت حرکت کا پتہ لگ جاتا ہے۔

نیز حضرت امام حسن علیہ السلام نے دس چیزوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے امر کا مفہوم اس طرح واضح
فرمایا ہے:-

واما عشرة اشياء بعضها اشد من بعض فاشد شئ خلقه
الله الحجر والحدید یقطع به الحجر والحدید
الحدید النار تذيب الحدید والحدید من النار الماء يطغى النار
والحدید من الماء السحاب يحمل الماء والحدید من السحاب الريح
تحمل السحاب والحدید من الريح الملك الذى يرسلها والحدید من

الملک ملک الموت الذی یمیت الملک و ابشده من الملک الموت۔
الموت الذی یمیت ملک الموت فأشده من الموت امر الله الذی یمیت
الموت۔ وقال الشامی اشهد انک ابن رسول الله حقاً وان علیاً ولی
الامر من معادیه۔ (اجتاج طبری ص ۱۳۷)

ایک شامی نے سوال کیا کہ وہ دس چیزیں کیا ہیں جو ایک دوسرے سے سخت ہیں۔ تو
حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے پتھر کو سخت پیدا کیا، اور پتھر سے لوہا
سخت ہے جو پتھر کو توڑ دیتا ہے۔ اور لوہے سے زیادہ سخت آگ ہے جو اس کو پگھلا دیتی ہے
اور آگ سے زیادہ سخت پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور پانی سے زیادہ شدید بادل
ہے جو پانی کو اٹھا تا ہے۔ اور بادل سے زیادہ شدید ہوا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہے۔ اور ہوا
سے زیادہ شدید وہ فرشتہ ہے جو ہوا پر حاکم ہے اور اس کو چلاتا ہے (نام اس کا
اسما عیل ہے، اور اس فرشتہ سے زیادہ شدید ملک الموت ہے جو ملک الموت کو مار دے گی
موت دے گا۔ اور ملک الموت سے شدید وہ موت ہے جو ملک الموت کو مار دے گی
اور موت سے شدید امر خدا ہے جو موت کو بھی مار دے گا۔ یہ سن کر شامی نے کلمہ پڑھا
اور کہنے لگا کہ آپ بالکل فرزند رسول ہیں اور علی بن ابی طالب امر حکومت کے زیادہ
حق دار ہیں معاد یہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (ادلو الامر سلم کر لینے کے بعد ان کے اقتدا
کا انکار جہل مرکب ہے،

حضرت صاحب الامر نے بھی اسی آیہ اولی الامر کی تفسیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم اپنے
رب کی صنعتیں ہیں اور ہمارے بعد تمام مخلوقات ہماری صنعتیں ہیں اور اس کا ثبوت اطیعوا اللہ میں اولی
الامر کی اطاعت ہے یعنی کائنات ہمارے تابع فرمان ہے۔ لہذا اس سے مراد صرف شرعی امور نہیں بلکہ
تمام امور خلق اس کے ماتحت ہیں اور سورہ دخان میں اسی لیلۃ القدر کے ذکر میں امر من عندنا من
طور پر موجود ہے کہ یہ ہماری طرف کا امر ہے لوگوں کا امر نہیں ہے۔

الفاظ قرآن سے مقصد معانی بدلہ اللہ ہے

قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ اس کے الفاظ یاد کر لئے جائیں۔ بلکہ قرآن کا مقصد یہ ہے
کہ خدا کے نزدیک ان الفاظ سے جو مراد و مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اور وہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک
ان ذوات مقدسہ سے حاصل نہ کیا جائے جن کو خدا نے خود اپنی مراد اور اپنا مقصد بتا دیا ہے۔ اسی لئے
صرف قرآن کافی نہیں اور اسی لئے قرآن میں آیات متشابہات ہیں جن کے سمجھنے سے، انسان عاجز ہے،

<http://fb.com/ranajabirabbas>

اُن کے ہاتھ اور پاؤں بھی قطع کئے جاتے تھے اور سولی بھی دی جاتی تھی، اور آنکھیں بھی نکالی جاتی تھیں اور اُن کو تنگ کر کے عراق سے باہر نکالا اور بھگایا جا رہا تھا۔ اس وقت جتنے مشہور و معروف شیعہ تھے وہ قتل کر دیئے گئے یا سولی پر لٹکائے گئے یا قید و بند میں رکھے گئے یا عراق سے باہر نکال دیئے گئے۔

حاکم شام نے تمام گورنروں کو حکم دے دیا کہ ہر شہر میں شیعہ یا علی کی نگرانی کرو اور ان کے ساتھ کوئی نیک سلوک نہ کرو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو۔ اور حضرت عثمان کے دوستوں اور اُن کے بھی خواہوں اور رشتہ داروں کے جو لوگ فضائل و مناقب بیان کریں ان کی تعظیم و تکریم بھی کرو، اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان کو اپنی مسند پر جگہ دو۔ اور تمام شہروں میں یہ حکم جاری کر دو کہ جو شخص عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرے گا اور اُن کے والد اور ان کے قیدہ کان فضیلتوں میں ذکر کرے گا اس کو انعامات اور خلعتیں دی جائیں گی۔ چنانچہ ان کے فضائل و مناقب میں روایات کی بھرمار ہونے لگی۔ اور لوگوں نے انعامات اور جاگیریں اور مالی و متاع حاصل کرنے اور حکومت میں عروج و جاہ پیدا کرنے کے لئے حدیثیں وضع کرنا ایک مشغلہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ جو شخص بھی کسی شہر سے گورنروں کے دربار میں آتا تھا حدیث و روایت منقبت و فضیلت عثمان لے کر آتا تھا۔ اس کا نام حکومت کے دفتر میں درج کیا جاتا تھا اور اس کو انعامات ملتے تھے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔

حاکم شام نے اپنے گورنروں کو تحریر کیا کہ حضرت عثمان کے بارے میں کثیر تعداد میں روایات مشہور ہو چکی ہیں اور شہروں میں کافی نشر و اشاعت بھی ہو چکی ہے۔ لہذا اب امیر شام کے لئے بھی یہی سلسلہ جاری کرو۔ اور اُن کے فضائل و مناقب میں روایات کی نشر و اشاعت کرو تاکہ اہلبیت کی تسبیح ہو اور اُن پر یہ گراں گزرے۔ چنانچہ اس پر عمل شروع ہو گیا اور منبروں پر مساجد میں اور مدارس و مکاتب میں روایات بیان ہونے لگیں۔ اور معلمین کو حکم دیا گیا کہ ہر مدرسہ اور ہر مکتب میں معلمین اور طلبہ کو قرآن کی طرح یہ روایات پڑھانی جائیں اور یاد بھی کرائی جائیں۔ یہاں تک کہ یہ روایات تمام اسکولوں میں حفظ کرائی جانے لگیں اور لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں اور عورتوں حتیٰ کہ غلاموں کو بھی یاد کرائی گئیں، اور حکومت کے محکمہ تعلیم نے نہایت زور و شور سے اس کی اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مملکت میں امیر شام کی فضیلت و منقبت کا چرچا عام ہو گیا اور دیہات و قصبات اور شہروں میں ہر مفرد کبیر اور ہر مرد و زن کو روایات یاد ہو گئیں۔ گورنر کو فہ نے امیر شام کو لکھا کہ ابھی کچھ لوگ ایسے پائے جلتے ہیں جو مذہب علی پر عمل پیرا ہیں اور اُن کے تاویلات پر عمل کر رہے ہیں۔ امیر شام نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دو۔ اور ان کے ناک کان کاٹ دو۔ تمام شہروں میں یہ حکم جاری کر دیا گیا کہ جس شخص کے لئے ثبوت مل جائے کہ علی و اہلبیت سے محبت رکھتا ہے اُس کا نام دفتر سے خارج کر دو۔ اور جس پر بھی شک و شبہ ہو جائے کہ یہ ان کا شیعہ ہے اُس کو قتل

کردوخواہ ثبوت ملے یا نہ مل کے صرف اتہام ہی پر قتل کر دو۔ چنانچہ جس کی زبان پر اہلبیت اور علی کا نام بھی آگیا اس کو قتل کیا جانے لگا۔

اگر کوئی کافر و زندیق ہوتا تھا تو اس کو کچھ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ عزت کی جاتی تھی۔ مگر شیئہ علی کسی شہر میں بھی محفوظ نہ تھا۔ خصوصاً کوفہ و بصرہ کے علاقہ میں نام و نشان بھی شیعوں کا باقی نہ رہا یہاں تک کہ کوئی پریشیدہ طور پر مومن رہ گیا تھا تو وہ اپنے گھر میں بھی اس کا اظہار نہ کر سکتا تھا۔ نوکر وں اور غلاموں سے خوف زدہ رہتا تھا۔ اور اگر کوئی مومن بل جاتا تو اس سے شدید قسم کا علف لے کر راز کی طرح کان میں بتاتا تھا۔ فضائل و مناقب امیر شام کی روایات و احادیث اس قدر و زبان ہو گئیں کہ جو بچے اور پچھلے سبقت تیز کو پہنچتی تھیں انہیں یہ حدیثیں یاد ہو جاتی تھیں۔

لوگ عابد و زاہد اور عالم و معلم کی شکل میں لباس پہنتے اور اپنے زہد و ورع اور شروع و خضوع کا اظہار کر کے روایات و احادیث بیان کرتے تھے۔ شہروں کے قاضی ایسے بادل پوشوں کی بے حد عزت کرتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے اور انعامات و غلظت عطا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ روایات و احادیث لوگوں کے لئے حق و صدق ثابت ہو گئیں اور لوگ اپنے رشتہ داروں کو اور اپنی اولاد کو تعلیم دینے لگے اور ان ہی کو صحیح عقیدہ و عمل بنایا گیا۔

اس عظیم شہرت و اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ درحقیقت نیک اور متدین اور متشرع تھے وہ بھی نیک نیتی سے ان احادیث و فضائل و مناقب پر ایمان لے آئے اور اپنی کو دین سمجھنے لگے۔ اگر کوئی ان حدیثوں میں شک کرتا تو اس پر ناراض ہوتے تھے۔

چنانچہ وہ لوگ ان احادیث کو حق سمجھ کر خود روایت کرنے لگے یعنی راویوں میں شامل ہو گئے اور اس کو اپنی دیانت و ایمان سمجھنے لگے اور محدث کہلانے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حق باطل بن گیا اور باطل نے حق کی جگہ سنبھال لی۔ اور کذب و صدق کی جگہ اٹھ گیا اور صدق، کذب سے بدل گیا۔ اور یہ بلاد و مصیبت اور زیادہ اس وقت شدت اختیار کر گئی جب امام حسین علیہ السلام نے وفات پائی۔ اور کوئی مومن امن و امان میں نہ تھا۔ اور نہ کوئی روکنے ٹوکنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ مومنین گھروں سے نکال دیئے گئے یا قتل کر دیئے گئے۔ اگر کہیں خال خال تھے بھی تو اظہار نہ کر سکتے تھے۔ تقریباً بیس سال اسی حالت پر گزر گئے۔ بوڑھے مر گئے، جوانوں نے بھی دین دیکھا، نوجوانوں کے لئے یہی صدق و حق تھا، یہی اسی ماحول میں پل رہے تھے۔

امیر شام کی وفات کے دو سال پہلے امام حسین علیہ السلام نے حج بیت اللہ ادا فرمایا اور آپ کے ہمراہ عبداللہ بن جعفر طیار اور عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام نے تمام نبی اہم کو جمع کیا اور تمام ہاشمی مرؤوں اور عورتوں اور ان کے نوکر وں اور غلاموں اور اپنے مخلص دوستوں،

اور انصارِ مدینہ اور باقی ماندہ اصحابِ رسولؐ اور ان کی اولاد اور تابعین اور جو بھی نیک اور متدین لوگ تھے سب کو جمع کیا۔ جو جگہ پر ملے تھے ان کو بھی اور جنہوں نے نہیں کیا تھا ان کو بھی۔ غرض تمام لوگ آپؐ کی خدمت میں مقامِ منیٰ پر جمع ہو گئے اور ہزاروں سے زیادہ مجمع ہو گیا جو مختلف شہروں اور دیہاتوں سے آئے تھے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و ثنائے خدا کے بعد فرمایا۔

اے لوگو!، اس سرکش امیرِ شام نے ہمارے اور ہمارے دوستوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اُسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اور تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تم اس کے گواہ بھی ہو اور تمہیں مسلسل خبر بھی مل چکی ہے۔ میں تم سے چند سوال کرتا ہوں اگر میں درست کہتا ہوں تو تمہارے اُپر تصدیق واجب ہے۔ اور اگر معاذ اللہ غلط کہتا ہوں تو میری تکذیب کر دو۔ میری باتیں سنو اور دل میں پٹالو۔ اور جب اپنے اپنے وطن واپس پہنچو تو اپنے اہل و عیال اور اپنے قبیلہ میں جن کو قابلِ اعتماد سمجھو انہیں میری یہ تعلیمات پہنچا دو۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ حق تمہارے درمیان سے نہ نکل جائے اور اس کے نشانات نہ مٹ جائیں۔ اور خدا تو اپنے نور کو تمام کر کے ہی رہے گا خواہ کافر دل کو کتنا ہی ناگوار غلط ہو۔

پس حضرتؑ نے قرآن مجید کے وہ آیات اور جناب رسالتؐ کے وہ احادیث بیان فرمائے جن میں اہلبیت کے فضائل و مناقب خصوصی طور پر بیان کئے گئے تھے۔ اور اپنی والدہ ماجدہ اور پدر بزرگوار کے بارے میں جو فضائل و مناقب تھے وہ تمام بیان فرمائے۔ آپؐ جو کچھ بیان فرما رہے تھے اصحابِ رسولؐ آپؐ کی ایک ایک بات کی تصدیق و تائید کر رہے تھے اور خدا کو گواہ کر کے کہتے تھے کہ بے شک یہ صحیح ہے اور ہم نے بلاریب آنحضرتؐ سے ایسا ہی سنا ہے۔ اور ہماری موجودگی میں ایسا ہی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ہم اس کے گواہ ہیں۔ اور تابعین کہتے تھے کہ خدا گواہ ہے کہ ہم سے ان اصحاب نے جن پر مکمل اعتماد اور وثوق ہے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے قرآن مجید کے وہ آیات جن میں فضائل و مناقب اہل بیت ہیں اور وہ احادیث رسولؐ جن میں خصوص طور پر ان حضرات کے فضائل و مناقب مذکور ہیں پوری تصدیق کے ساتھ بیان فرمائے اور حاضرین کو قسم سے کہ فرمایا کہ جب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو تو یہ سب کچھ بیان کر دو اور جن پر تمہیں اعتماد ہو انہیں اچھی طرح پہنچا دو۔ اس کے بعد آپؐ نے خطبہ ختم فرمایا اور لوگ اپنے اپنے قلوب میں ان بیانات کو لے کر متفرق ہوئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس بہترین موقع پر بہترین لوگوں کو قرآن مجید کے صحیح مقاصد

تاویلات اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ احادیث جو اہلبیت کے باب میں تھے بیٹا
فرما کر اور عقیقہ مواعید کے ذریعہ ملک کے گوشہ گوشہ میں اصحاب و تابعین کے ذریعہ پہنچا دیئے۔ اور
معاویہ کی بیس سال کی تعلیم و نشر و اشاعت کو ناکام بنا دیا۔
حضرت کا یہ وہ حکیمانہ عمل تھا کہ جس کے ذریعہ حق و باطل اور صدق و کذب جدا جدا نمایاں
ہو گئے۔

لہذا ہمارا فرض ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس طریقہ تعلیم پر عمل کریں۔ اور
قرآن مجید کے صحیح مقصد اور صحیح معنی اور احادیث اہلبیت کو لوگوں تک پہنچائیں تاکہ قرآن مجید کی
وہ قیاسی اور فطرتی تاویلیں جو نشر و اشاعت کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی گئیں اور پہنچانی جاری ہیں
اُن کا دفاع ہو جائے اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بیان فرمودہ معانی و مقاصد قرآن کو لوگوں تک
پہنچ جائیں۔ اور حق و باطل اور صدق و کذب جدا جدا ہو جائیں۔ کیونکہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ اب
بھی ایسے جدت پسند علماء موجود ہیں جو شامی طریقہ پر دین و ایمان کو اپنے قیاسی آراء کے ذریعہ مشتبہ
کر رہے ہیں۔ اور اہل بیت کے بیان فرمودہ معانی و مطالب کو نظر انداز کر کے اپنے قیاسات سے
قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ اور نئے نئے طبع زاد خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں
اور یہ لوگ ہم ہی میں شمار ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تفسیر اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی تکذیب کر رہے
ہیں اور اپنے قیاسی تاویلات سے مومنین کے قلوب میں شک و داخل کر رہے ہیں۔

لہذا ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ حسین طرز تعلیم پر عمل کر کے حق کو باطل سے اور صدق کو
کذب سے جدا کر کے سادہ لوح مومنین تک پہنچا دیں تاکہ شامی قیاسات ان کے دلوں میں شک
مشبہ داخل نہ کر سکیں جن کی شناخت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مفصل طور پر بیان فرمادی
ہے اور آپ اس کتاب میں مطالعہ کر رہے ہیں کہ یہی ٹولہ علماء سو رہے جو چند احادیث فقہائے اہلبیت
کی بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ پھر اُن کے قلوب میں شک ڈالتا ہے۔ یہ ٹولہ
شک بریزید سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے۔

شیعوں سے ائمہ طاہرین کی توقعات

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دلی تمنا اس طرح پوری ہوگی کہ موالیان اہلبیت اطہار جب
بھی کسی جگہ جمع ہوں اور باہم گفتگو کریں تو آل محمد علیہم السلام کو فراموش نہ کریں۔ ان ذوات مقدسہ
کا ذکر ضرور کریں۔ اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں۔ چنانچہ حدیث ائمہ میں یہ فرمائش اہلبیت طاہرین
اس طرح مذکور ہے۔

وفي الحديث تزادوا وتلاقوا وتذكروا امرنا واحيوا
اي نهروا اخوانكم ويزودهم وذكروا لاقوا اخوانكم و
يلاقونكم وتذكروا في ما بينكم امرنا وما نحن عليه و
احيوة ولا تميتوه يعني تدبر سونه ربيع الحجريين ۲۱۱

اے ہمارے دوستو تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کو آتے
جاتے رہو اور ان ملاقاتوں میں ہمارا بھی ذکر کرتے رہو اور ہمارے فضائل و مناجات
کو اپنے عمل سے زندہ رکھو یعنی تم اپنے بھائیوں کو ملنے جایا کرو اور وہ تمہیں ملنے
آیا کریں اور دونوں صورتوں میں جب باہمی گفتگو کرو تو ہمیں فراموش نہ کرو ہمارا
بھی ذکر کریا کرو اور ہمارا بھی حال بیان کر دیا کرو۔ اس طرح ہمارے ذکر کو زندہ
رکھو اور اس ذکر کو مرنے نہ دو۔ اور اس کا درس دیتے رہو اور تعلیم جاری رکھو۔

اے موالیانِ اہلبیت ! اپنے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی دلی تمنائیں اور قلبی آرزوئیں
تم نے سن لیں کہ تم سے کس محبتناہ انداز میں فرما رہے ہیں اور تم سے کس قدر توقعات اور امیدیں
رکھتے ہیں کہ تم ضرور ان ستم رسیدہ مظلوموں اور فراموش کردہ بادیوں کا ذکر کرو گے۔ اور
اپنے آقاؤں کی توقعات کو پورا کرو گے اور زیادہ سے زیادہ اجتماعات کا انتظام کرو گے کیونکہ
حکومتوں نے ان بزرگواروں کا ذکر مٹانے اور ان ہستیوں کے فراموش کرنے میں کس قدر
کوشش کی ہے۔ اور ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے کیا کیا ظلم اور کیا کیا سازشیں اور کیا
کیا ابتاعات کے سرکاری انتظامات کئے ہیں۔ مگر امام حسین علیہ السلام نے کس طرح ان سازشوں
کو ناکام بنا دیا ہے ! اس کو اپنا شیوہ بنا لو۔

لہذا آپ حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے تذکرے
اپنی زندگی کا ایک حصہ سمجھیں، اور ہر روز یہ محاسبہ کریں کہ آپ نے ذکر اہل بیت میں کتنا
حصہ دیا ہے۔

تبلیغ حدیث امامت فرض ہے

قال رسول الله ﷺ معاشر الناس اني ادعها امامه وراثته في
عقبى الى يوم القيامة وقد بلغت ما امرت بتبليغه
حجة على كل حاضر وغائب وعلى كل احد ممن شهدنا و
لر يشهد ولد اولم يولد فليبلغ الحاضر الغائب والولد

الولد الی یوم القیمة۔ (احتجاج طبرسی ص ۳)

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عہدہ امامت میرے ہی اہلبیت و نسل میں قیامت تک کے لئے مخصوص ہے۔ خدا نے مجھے جو حکم تبلیغ دیا تھا میں نے اچھی طرح تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اور حاضر و غائب سب کے لئے حجت ہے۔ اور جو لوگ اس وقت حاضر ہیں اللہ پر فرض ہے کہ وہ غائب تک پہنچائیں۔ اور ہر حاضر و غائب پر فرض ہے کہ وہ اس پیغام امامت کو پہنچاتا رہے جو پیدا ہو چکا ہے اس پر بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے اس پر بھی۔ یعنی والد پر فرض ہے کہ وہ اپنے فرزند کو پہنچاتا رہے اور یہ سلسلہ قطع نہ ہو۔

اس تاکید و حدیث سے ہم شیعوں پر خصوصی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں سے ذکر امامت اہل بیت کرتے رہیں۔ اور اسی طرح وہ اپنی اولاد سے اور نسل بعد نسل ہی ذکر جاری رہے۔ مگر یہ تبلیغ صرف عہدہ امامت کی ہے جو آنحضرتؐ نے غدر و خرم میں واضح طور پر بیان کی تھی۔ اس سے مراد تبلیغ شریعت اسلام نہیں ہے۔ یہی لفظ تبلیغ صرف عہدہ امامت سے مخصوص ہے اس کے بعد نشر و اشاعت اور ترویج و ترویج ہے نہ کہ تبلیغ شریعت۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔

لقب مبلغ مخصوص اہلبیت کے لئے ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام فواللہ الذی اکرمنّا اهل البیت بالنبوۃ وجعل منّا محمداً واکرمنّا بعده بان جعلنا اثنتہ للمومنین لا یبلغ عنہ غیرنا ولا تقصلم الامامة والخلافة الا فینا ولا یجعل لاحد من الناس فیہا معنا اهل البیت نصیباً ولا حقاً امام رسول اللہ خاتم النبیین لیس بعده نبی ولا رسول ختم رسول اللہ الانبیاء الی یوم القیمة وجعلنا من بعد محمدؐ خلفاء فی امرہ وشہداء علی خلقہ فرض طاعتنا فی کتابا وقرن بنفسہ وبنبیہ فی غیرایۃ من القرآن فاللہ عزوجل جعل محمدؐ نبیاً وجعلنا خلفاء من بعدہ فی کتابہ المنزل ثم ان اللہ عزوجل امر بنبیہ ان یملغ ذالک امتہ فبلغہم کما امرہ اللہ فایکما احق بمجلس

رسول اللہ و مکاتہ وقد سمعتم من رسول اللہ حين
 بعثني ببراءة فقال لا يبلغ عني الا رجل مني انشدكم
 يا الله اسمعتم ذلك من رسول الله قالوا اللهم نعم تشهد
 انا سمعنا ذلك من رسول الله حين بعثك ببراءة فقال
 امير المؤمنين عليه السلام لا يصلح لصاحبكم ان يبلغ
 عنه صحيفة اربع اصابع ولن يصلح ان يكون الببلغ
 عنه غيري فايهما احق بمجلسه ومكانه الذي سمي
 بخاصه انه من رسول الله ومن حضر مجلسه من الامة
 فقال طلحة قد سمعنا ذلك من رسول الله ففسر لنا
 كيف لا يصلح لاحد ان يبلغ عن رسول الله غيرك وقد
 قال لنا ولسائر الناس ليبلغ الشاهد الغائب فقال بعرفة
 في حجة الوداع نصر الله امرا سمع مقالتي فوعاها ثم يبلغها
 غيره فرب حامل فقه له ورب حامل فقه الى من هو افقه
 منه ثلاث لا يعل عليهن قلب امرء مسلم اخلاص العمل لله
 عز وجل والسمع والطاعة والمناصحة لولاة الامر ولزوم
 جماعتهم فان دعوتهم محيطية من ورائهم وقال في غير
 موطن يبلغ الشاهد الغائب فقال على عليه السلام قال
 رسول الله يوم غد يرخم ويوم عرفة في حجة الوداع في
 آخر خطبة خطبها حين قال قد تركت فيكم امري لن تضلوا
 ما ان تسكتوا بهما كتاب الله واهل بيته فان اللطيف الخبير
 قد عهد الى انهما لا يفترقا حتى يردا على العوض كهاتين
 ولا اقول كهاتين فاشاهرا الى سبابتها وابهامها لان احدا
 قدام الآخر فتمسكوا بهما لن تضلوا ولا تزولوا ولا تقدر مؤم
 ولا تغفلوا عنهم وتعلموهم فانهم اعلم منكم انما امر
 الله العامة جميعا ان يبلغوا من لقوا من العامة ايجاب
 طاعة الائمة من آل محمد عليهم السلام وايجاب حقهم
 ولم يقل ذلك في شئ من الاشياء غير ذلك وانما امر العامة

ان یبلغوا العامة حجة من لا یبلغ عن رسول الله جميع ما بعثه الله به غیرهم الا ترى يا طلحة ان رسول الله قال لي وانتو تسمعون يا اخي انه لا يقضى عني ديني ولا يبرئ ذمتي غیرك تبرؤ ذمتي وتودى ديني وخراماتي وتقاتل علي سئتي فلما دلى ابو بكر قضى عن رسول الله عدااته ودينه فاتبعوه جميعا فقضيت دينه وعداته وقد اخبرهم انه لا يقضى عنه دينه وعداته غیري ولم يكن ما اعطاهم ابو بكر قضاء لدينه وعداته وانما كان الذي قضامن الذين والعدة هو الذي برء منه وانما يبلغ عن رسول الله جميع ما جاء به من عند الله من بعد الاثمة الذين فرض الله في الكتاب طاعتهم وامر بولايتهم والذين من اطاعهم فقد اطاع الله ومن عصاهم فقد عصا الله قال طلحة فرجت عني ما كنت ادرى ما عني بذلك رسول الله حتى نس تدي فجزاك الله يا ابا الحسن عن جميع امة محمد الجنة. (اجتهاد طبرسي ص ۲۵۸)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے مجمع اصحاب میں ارشاد فرمایا :-
اس خدا کی قسم جس نے ہم اہلبیت کو نبوت کے ساتھ بزرگی عطا فرمائی اور ہم ہی میں سے محمد کو قرار دیا اور ان کے بعد ہمیں یہ بزرگی عطا فرمائی کہ ہمیں مومنین کے لئے ائمہ قرار دیا ہمارے سوا کوئی ان کی شریعت کی تبلیغ کا حق نہیں رکھتا اور امامت و خلافت کو جو صلاحیت حاصل ہے وہ صرف ہم ہی میں رہ کر حاصل ہے۔ امامت میں ہر ایک کے ساتھ خدا نے کسی شخص کے لئے بھی دنیا میں سے کوئی حصہ حق مقرر نہیں کیا۔
آنحضرت م خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ آپ کے ذریعہ خدا نے قیامت تک انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور ہمیں آنحضرت کے بعد اپنی زمین میں خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور اپنی مخلوق پر ہمیں گواہ مقرر فرمایا ہے۔ اور اپنی کتب میں ہماری اطاعت کو فرض کر دیا ہے۔ اور اپنی ذات اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ ہمیں قرآن مجید کی کتنی آیتوں میں ہم نشین و شریک قرار دیا ہے۔
خداوند عالم نے محمد کو نبی اور ہمیں ان کے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے اپنی کتب منزل میں

پھر نبی کو حکم دیا ہے کہ اُمت کو اس کی تبلیغ کریں۔ پس انہوں نے مطابقت امر خدا تبلیغ کر دی ہے۔

ای کیا تم لوگوں میں سے کوئی حقدار ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسند اور مقام پر قدم رکھ سکے؟ تمہیں خبر ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مجھے سورۃ برأت دے کر بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ میری طرف سے کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا مگر وہ مرد جو مجھ ہی میں سے ہو۔ میں تمہیں قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ نہیں گزرا ہے۔ سب نے حلیفہ بیان کیا کہ بے شک درست ہے۔ ہم نے آنحضرتؐ سے یہ بیان سنا ہے جب انہوں نے آپ کو تبلیغ سورۃ برأت کے لئے بھیجا تھا۔

حضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارا ساتھی تو چار انگشت کے ورق کی تبلیغ کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ تو پھر کوری شریعت کی میرے سوا کوئی بھی ہرگز تبلیغ نہیں کر سکتا ہے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی اس امر کا حق دار نہیں ہے کہ رسول اللہؐ نے جن کو مخصوص طور پر فرمایا ہو کہ تم مجھ سے ہے۔ یہ خصوصیت بھی صرف مجھے حاصل ہے جو اُمت کے کسی فرد کو بھی حاصل نہیں۔

طلحہ نے کہا درست ہے۔ ہم نے یہ حدیث خود آنحضرتؐ سے سماعت کی ہے مگر ہم آپؐ سے ایک امر کی تشدیق چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر آپؐ کا یہ استدلال درست ہے کہ آپؐ کے سوا آنحضرتؐ کی شریعت کا کوئی مبلغ نہیں ہو سکتا اور شریعت محمدیہ کی تبلیغ صرف آپؐ ہی کی ذات سے مخصوص ہے، تو آنحضرتؐ نے یہ کیوں فرمایا تھا قَدْ يَسْتَفِيزُ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ۔ یعنی حاضرین پر فرض ہے کہ وہ غائبین کو تبلیغ کریں اور یہ سب تبلیغ ہم سب کو دیا تھا۔ اور قیام عرفہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر بھی فرمایا تھا کہ خدا اس شخص کی مدد کرے جو میری بات کو سن کر یاد کرے اور پھر دوسروں تک تبلیغ کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ شاہد کا فرض ہے کہ غائب کو تبلیغ کرے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا با تحقیق جو کچھ رسول اللہؐ نے یوم غدیر اور یوم عرفہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا اپنے آخری خطبہ میں جب کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان سے تم تک رکھو گے تو تم بھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک خدا کی کتاب ہے اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں۔ کیونکہ مجھے خدا نے لطیف و خبیر نے پختہ خبر عطا کی ہے کہ یہ دونوں باہم جہان ہوں گے یہاں تک

کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ جس طرح یہ دؤمیری انگشت ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے انگشت اور انگوٹھے کو ملا کر فرمایا تھا: 'پس ان دونوں سے تم تک کرو اور ان سے ملے رہو اور ان سے آگے بھی مت بڑھو' اور ان سے جدا بھی نہ ہو۔ اور انہیں تعلیم بھی نہ دو یہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ خداوند عالم نے تمام عامۃ المسلمین کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ جن عامۃ المسلمین سے ملاقات کرو ان کو یہ تبلیغ کرو کہ آل محمدؑ امام ہیں ان کی اطاعت اور ان کا حق ادا کرنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی بھی چیز کے بارے میں حکم تبلیغ نہیں دیا تھا یعنی عامۃ المسلمین کو یہ حکم دیا تھا کہ آل محمدؑ ہی حجت خدا ہیں اور ان ہی کو حق دیا ہے کہ رسول اللہؐ کو خداوند عالم نے جس شریعت کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس کو ان کے سوا رسول کی طرف سے کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ غیر معصوم اگر مبلغ شریعت رسول ہوگا اور غلطی کریٹھے گا، تو وہ غلط بات خدا و رسول کی طرف منسوب ہو جائے گی، پھر حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے طلحہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا تھا اور تم لوگ سن رہے تھے کہ اے بھائی علی! میرے دین اور میری ذمہ داریوں کو تم ہی پورا کر دو گے۔ تمہارے سوا میری ذمہ داریاں کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ اور میرا دین اور میرے متعلقہ فرائض تمہارے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اور تم اے علی میری سنت پر حتمال کر دو گے۔ میں نے ہی رسول اللہؐ کی تمام ذمہ داریاں پوری کی ہیں اور فرائض دین بھی ادا کئے ہیں اور ان کے وعدے بھی پورے کئے ہیں۔ اور یہ حق ان ہی ائمہ کا ہے جن کی اطاعت قرآن میں فرض کی گئی ہے۔ اور ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

طلحہ نے عرض کی کہ یا علی آپ نے میری مشکل آسان کر دی اور اب میں خوب سمجھ گیا، کہ رسول خداؐ نے صرف اس امر کی تبلیغ کا حق دیا تھا کہ ائمہ کی اطاعت کرو۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے تمام ائمہ محمدیہ کی جانب سے۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہو گیا کہ تبلیغ دین کا حق جناب رسالت مآبؐ کے بعد صرف ائمہ معصومین کو حاصل ہے اور یہی لفظ مبلغ کے حقدار ہیں۔ کیونکہ مفہوم تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ خدا و رسول کے نزدیک جو معنی معین ہیں ان کو خدا و رسول کی طرف سے پہنچائے۔ جس کا علم انسان کو بغیر وحی و الہام ممکن نہیں ہے۔ اس لئے غیر معصوم کے لئے لفظ مبلغ کا استعمال کسی طرح جائز اور درست نہیں ہے البتہ تبلیغ امامت ائمہ طاہرین علیہم السلام فرض ہے اسی طرح ان کے فضائل و کمالات کی تبلیغ بھی فرض ہے

مگر مبلغ اسلام اور مبلغ دین من جانب خدا صرف محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔

الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا

قرآن مجید میں الفاظ با تحقیق عربی ہیں اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا در در کرنا اور قرأت کرنا مقصود خدا نہیں ہے بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد خدا ہے اور اس کا علم بغیر وحی والہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً، صلوة، زکوٰۃ، حج۔ یا لفظ نبی و امام، رسول۔ یا لفظ ید، وجہ، ساق۔ یا لفظ غضب، رحمت، محبت۔ یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ۔ یا لفظ علم، قدرت، ارادہ۔ یا لفظ صراط، سبیل، سبیل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہذا مراد و مقصد خدا معلوم کرنے کے لئے وحی والہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیت دافنی ہدایت میں بیان فرمایا ہے:-

وما یعلم تأویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔

جب مقصد خدا کا بغیر وحی والہام علم ممکن نہیں ہے تو ہمارے علوم ناقصہ اور آرائے کاسدہ سے جو کچھ ثابت ہوگا وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہوگا اور اس پر عمل و اعتقاد بے دینی کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا۔

قری مبارکہ کا مقصد کیا ہے؟

عن ابی حمزۃ الثمالی قال دخل قاضی من قضاة اهل الکوفة علی علی بن الحسین فقال له جعلک اللہ فداک اخبرنی عن قول اللہ عزوجل وجعلنا بینہم و بین القری التي باہر کنا فیہا قری ظاہرة وقد مرنا فیہا السیر و سیر و انہا لیاالی وایا ما امنین۔ قال له ما یقول الناس فیہا قبلکم بالعراق قال یقولون انہا مکة فقال وھل ما یت السرق فی موضع اکثر منہ بمكة قال فما هو قال انما عفی الرجال قال واین ذالک فی کتاب اللہ فقال واما تسمع الی قوله عزوجل: و کاین من قریة عننت عن امرہا بہا و مرسلہ و قال و تلک

القریٰ اهلکناهم وقال اسئل القرية التي كنا فيها فيسئل القرية التي والرجال والعير قال وتلى عليه آيات في هذا المعنى قال وجعلت فداك فمن هم- قال ونحن هم وقولهم سيروا فيها ليالي وایاماً امنین من الزیم (احتجاج ص ۱۹۱)

ابوحزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ کوفہ کے قاضیوں میں سے ایک قاضی جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے عرض کی کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے قرآن مجید میں اس آیت کا مطلب بیان فرمائیے: ترجمہ آیت: اور ہم نے لوگوں کے اور ان قریوں کے درمیان کہ جن میں ہم نے برکتیں نازل کی ہیں ظاہری قریے بتائے ہیں اور ہم نے ان میں سیر کو مقدر کر دیا ہے۔ تم لوگ دنوں اور راتوں میں امن و امان کے ساتھ ان کی سیر کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ عراق میں لوگ اس کے کیا معنی کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ان قریوں کا مطلب 'مکہ' بتاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہیں اور بھی اتنی چوریاں ہوتی ہیں جتنی مکہ میں ہوتی ہیں۔ پھر امن و امان کا وعدہ خدا کہاں گیا، اس نے عرض کی پھر اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کا مقصد ان قری سے خاص خاص مرد ہیں۔

اس نے کہا اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ قرآن میں تم نے یہ آیت پڑھی ہے (ترجمہ آیت) کہ کتنے قریے ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور خدا نے فرمایا (ترجمہ آیت) اور یہ قریے وہ ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے ظلم کیا۔ اور خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت) اور اس قریے سے دریافت کرو جس میں ہم رہے اور اس قافلہ سے بھی جس میں ہم شامل ہو کر آئے۔ ان تمام آیات میں قریوں یعنی بستیوں کا ذکر ہے تو کیا بستیوں نے ظلم کیا ہے اور بستیوں نے خدا و رسول کی نافرمانی کی ہے کیا بستی سے سوال کرنا چاہئے یا لوگوں اور قافلوں سے۔ ابوحزہ کہتے ہیں حضرت نے متعدد آیات قرآن اس کے ہم معنی اور بھی تلاوت کیں۔

قاضی کوفہ نے عرض کی میں آپ پر قربان پھر یہ خاص مرد کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا وہ مرد ہم ہیں۔ اور یہ قول کہ تم شب و روز حاضر رہو امن و امان میں رہو گے اس کا مقصد

یہ ہے کہ گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ یعنی ہم سے علم حاصل کرو تاکہ گمراہی سے
(امن میں رہو)

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ خدا کا مقصد لفظ "قری" سے بستیاں نہیں بلکہ حضرات
محمدؐ و آل محمد علیہم السلام مراد خدا ہیں۔ ان ہی ذوات مقدسہ کی خدمت میں حاضری سے علوم
حاصل ہوتے ہیں اور گمراہی سے امان ملتی ہے۔ مگر لغت عرب میں اس کے معنی عام بستیاں ہیں
اور لوگوں نے اس سے مراد شام کی بستیاں لی ہیں۔ حالانکہ کسی بستی میں امن و امان نہیں ہے اور
خدا کا وعدہ ہے کہ ان میں مکمل امن و امان ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حسن بصری کی گفتگو

آیت مذکورہ کے بارے میں فرزند امام زین العابدین علیہ السلام اور حسن بصری فقیہ اہل بصرہ
کی اس طرح گفتگو ہوئی: ابو حمزہ ثمالی بیان فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے قرآن مجید کے کچھ آیات کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں
میں اسی عرض کو لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ امام نے فرمایا کہ کیا تم فقیہ اہل بصرہ نہیں ہو؟ انہوں نے
عرض کی ہاں ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا بصرہ میں کوئی ایسی ہستی ہے کہ جس سے
علوم حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمام اہل بصرہ تم ہی سے علوم لیتے
ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا خداوند ہر نقص و عیب سے منزہ ہے۔ تم نے بہت
گراں بار طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ مجھے ایک خبر تمہارے متعلق پہنچی ہے۔ یا تو لوگوں نے
تم پر بہتان باندھا ہے یا تم ایسے ہی ہو۔ انہوں نے عرض کی وہ کیا خبر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم
لوگوں سے یہ بیان کرتے ہو کہ خداوند عالم نے بندوں کو پیدا کر کے ان کے تمام معلومات ان ہی کے
سپردہ کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر حسن بصریؒ خاموش ہو گئے۔

حضرت نے فرمایا کہ جس کو خداوند عالم یہ وعدہ دے دے کہ تو مومن و محفوظ ہے تو آیا اس
وعدہ کے بعد بھی اس کو کوئی خوف ہو سکتا ہے۔ حسن بصری نے کہا نہیں۔

حضرت نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک آیت قرآن پیش کرتا ہوں اور تمہیں خدا کے
اس وعدہ کا مخاطب قرار دیتا ہوں۔ اور میں مجتہد ہوں کہ تم اس کی تفسیر خلاف مقصود خدا کر دو گے۔ اگر
تم نے ایسا کیا تو تم خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دو گے۔ حسن بصری نے عرض کی وہ
کیا آیت ہے۔ حضرت نے فرمایا خدا کا ارشاد ہے:۔

وجعلنا بینہم و بین القرى التي باركنا فیہا قری ظاہرۃ

وقدمنا فيها السير سير وفيها ليالي و اياما امنين ۵
اور ہم نے لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں اتاری ہیں
ظاہری بستیاں بنائی ہیں۔ اور ہم نے ان میں سیر کو مقدر و معین کر دیا ہے سیر کو
ان میں شب و روز امن و امان کے ساتھ۔

اے حسن بصری مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ان بستیوں سے مکہ مراد لیا ہے اور لوگوں کو یہی
تفسیر بتائی ہے۔ اے حسن بصری کیا جو لوگ مکہ میں حج کے لئے جاتے ہیں وہ راستے میں ٹوٹے نہیں
جاتے۔ اور کیا اہل مکہ خوف زدہ نہیں ہوتے ہیں اور کیا ان کے مال نہیں نکل جاتے ہیں۔ پھر لوگ کس
طرح امن و امان میں رہے؟

اے حسن بصری! یہ برکت والے قریبے ہم ہیں۔ خدا نے ہمیں مراد لے کر یہ مثال بیان فرمائی
ہے۔ پس جو شخص ہماری معرفت حاصل کرے گا اور ہماری فضیلت کا اقرار کرے گا اور ہمارے پاس
علوم حاصل کرنے کے لئے آئے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اور قریٰ مبارکہ کے
درمیان ہم نے قریٰ ظاہر بنا دیئے ہیں۔ ہم سے علوم حاصل کرنے والے اور لوگوں تک ہمارے
علوم پہنچانے والے قریٰ ظاہر ہیں اور ہم قریٰ مبارکہ ہیں اور قدمنا فيها السير یعنی
ہم نے خلقت ہی میں قریٰ مبارکہ کے اندر علم مقدر کر دیا۔ یعنی برکت بھی دی ہے اور علم بھی مقدر
کر دیا ہے۔ لفظ "سیر" سے ہمارے علم کی مثل بیان کی ہے۔ اور شب و روز سیر کر دے سے
مراد یہ ہے کہ لوگ علم حلال و حرام حاصل کرنے کے لئے شب میں بھی آ سکتے ہیں اور روز میں بھی۔
اور شب و روز ہم سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اور حاصل کرنے والوں کو امن و اطمینان حاصل ہوتا
ہے۔ کیونکہ وہ حصولِ علم ایسی بستیوں سے کر رہے ہیں کہ جو خداوند عالم کی طرف سے معدنِ علم
مقرر کئے گئے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی خطرہ مگر ابی ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور شک و شبہ سے محفوظ
رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم سے علوم حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانے والے ہمارے محدثین ہیں جن کو
پورا یقین ہے کہ ہم نے ان سے علم حاصل کیا ہے جو میراثِ علم کے وارث ہیں۔

اے حسن بصری! خداوند عالم نے آدم سے لے کر آج تک جن کو مصطفیٰ بنایا ہے اور ان کی
ذریت کو منتخب کیا ہے اس کا سلسلہ ہم پر منتہی ہوتا ہے۔ اصطفاء و انتخاب قدرت کا سلسلہ
تمہارے اوپر منتہی نہیں ہوتا ہے؛ ہم ہیں وہ ذریت جن کو خدا نے چنا اور ذمہ داریتہ بعضہا
من بعض فرمایا ہے۔ وہ ذریت ابراہیمی ہم ہیں۔ تم جیسے نہیں ہیں۔ پس اگر میں تمہیں جاہل و بصرہ
کہہ دوں تو درست ہوگا۔ کیونکہ تم نے وہ دعویٰ کیا ہے جس کا تمہیں حق نہیں اور تم نے وہ بات
بیان کی ہے جس کا تمہیں علم ہی نہیں ہے۔

دیکھو اے حسن بصری! خدا کا خوف دل میں رکھو اور کبھی نہ کہنا کہ خدا نے سب کچھ بندوں کے سپرد کر دیا ہے۔ خدا کمزور و ضعیف نہیں ہے۔ کہ سب کچھ بندوں کے سپرد کرے اور خدا ظالم نہیں ہے کہ ان کو مجبور کر کے گناہ کرائے۔

(یہ حدیث بہت طویل ہے بقدر ضرورت بیان کر دیا گیا ہے)

(احتجاج طبرسی ص ۱۶۸)

بیوت اللہ والو اب اللہ کا مطلب

عن اصبخ بن نباتہ قال کنا جالساً عند امیر المومنین علیہ السلام فجاء ابن الکواء فقال امیر المومنین من البیوت فی قول اللہ عز وجل و لیس البربان تا تو البیوت من ظهورها و لکن البر من اتقی و اتوا البیوت من ابوابها قال علی علیہ السلام نحن البیوت التي امر الله بها ان توتي من ابوابها نحن باب الله و بیوته التي یوتی منه فمن تابعنا و اقربو بولایتنا فقد اتی البیوت من ابوابها و من خالفنا و فضل علینا غیرنا فقد اتی البیوت من ظهورها فقال امیر المومنین و علی الاعراف رجال یعرفون کلایسما هم فقال علی علیہ السلام نحن اصحاب الاعراف نعرف انصارنا بایسما هم و نحن الاعراف یوم القیمة بین الجنة و النار و لا یدخل الجنة الا من عرفنا و عرفناه و لا یدخل النار الا من اکرنا و ذالک بان الله عز وجل لو شاء عرف الناس نفسه حتی یعرفوه و یاتوه من بابہ و لکنه جعلنا ابوابہ و صراطہ و سبیلہ و بابہ الذی یوتی منه فقال فیمن عدل عن ولایتنا و فضل علینا غیرنا فانهم عن الصراط لنا کبون۔ (احتجاج ص ۱۷۱)

اصبخ بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن کواء آیا اور اس نے حضرت سے کہا یا امیر المومنین قرآن مجید میں جو فضل فرمایا ہے (ترجمہ آیت)

یہ نیکی نہیں ہے کہ تم بیوت میں پشت سے داخل ہو مگر نیکی تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرو

یعنی اس کی تافروانی سے بچو اور بیوت میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بیوت ہم ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے
کہ ان کے پاس ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ ہم یاب اللہ ہیں اور ہم اس کے
بیوت ہیں جن کے ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جو شخص ہماری پیروی کرے گا
اور ہماری ولایت کا اقرار کرے گا تو وہ بیوت میں دروازوں سے داخل ہو گیا۔
اور جو شخص ہماری مخالفت کرے گا اور ہم پر ہمارے غیر کو فضیلت دے گا تو وہ
بیوت میں پس پشت سے آیا۔ پس اس نے عرض کی کہ یا امیر المؤمنین اس آیت کا
کیا مطلب ہے (ترجمہ آیت)

اور اعراف میں کچھ مرد ہیں جو پہچانتے ہیں سب کو ان کی نشانیوں سے۔ حضرت نے فرمایا
ہم اصحاب اعراف ہیں ہم اپنے ناصرین کو پہچانتے ہیں ان کی نشانیوں سے اور روز قیامت
ہم ہی اعراف ہیں جنت و دوزخ کا فیصلہ کرنے والے۔ اور جنت میں صرف وہ لوگ داخل
ہوں گے جن کو ہماری معرفت ہوگی اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے۔ اور دوزخ میں صرف
وہ لوگ داخل ہوں گے جو ہماری معرفت نہیں رکھتے اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے
اور یہ اس لئے کہ خداوند عالم اگر چاہتا کہ لوگوں کو اپنی معرفت کرائے کہ وہ اس کی خاص طور
پر معرفت کر لیں اور اس کی بارگاہ میں اس کے دروازہ سے آئیں۔ مگر چونکہ اس کی شان
یہ نہیں ہے کہ براہ راست اس کی بارگاہ میں پہنچ سکیں اس لئے اس نے ہمیں اپنے
ابواب اور صراط اور سبیل قرار دیا اور اسی دروازہ سے اس کی بارگاہ میں حاضری دی
جاسکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ہماری ولایت سے منحرف ہوگا اور ہم پر اپنے غیر کو
فضیلت دے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت) پس یہ لوگ صراط سے
ہٹ گئے ہیں۔

اور مفسر قمی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں
نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت رسول خدا کا ارشاد ہے (ترجمہ حدیث) میں شہر علم ہوں اور علی اس کا
دروازہ ہیں۔ لہذا آنحضرت کا فرمان کہ تم شہر میں بغیر دروازہ کے داخل نہ ہو۔

تفسیر صفائی میں ہے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے علم کے
کچھ وارث بنائے ہیں اور بندوں پر ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حکم دیا ہے کہ بیوت میں دروازوں
کے ذریعہ آؤ۔ اور یہ بیوت درحقیقت بیوت العلم ہیں۔ اور تفسیر برہان میں ائمہ معصومین علیہم السلام
کے احادیث سے ثابت ہے کہ بیوت سے مراد آل محمد علیہم السلام ہیں اور یہی خدا کے دربار

نہیں پہنچنے کے دروازے ہیں۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام بیوت علم خدا ہیں اور یہی ذوات مقدسہ ابواب اللہ ہیں۔ لہذا اگر علم و معرفت حاصل کرنا چاہو تو ان ہی سے علوم خداوندی حاصل ہوں گے اور ان ہی سے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوگی۔

قرآن مجید کے الفاظ کا وہ معنی اور مفہوم جو خدا نے مراد دیا ہے اور جو اصل غرض نزول قرآن ہے اس کا علم ان ہی حضرات کو بذریعہ وحی والہام حاصل ہے۔ لہذا قرآن کی قیاسی تاویلیں قطعاً غلط ہیں اور ان پر عمل کرنا قطعی گمراہی ہے۔ اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: کل علم لا یخرج من ہذا البیت فهو باطل و اشاعہ بیدہ الی بیتہ۔ کتاب الحقائق صاحب تفسیر صافی علامہ فیض کاشانی (ص ۷۰) جو علم اس بیت (گھر) سے نہ نکلا ہو وہ باطل ہے۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا:

تاویل قرآن و احکام دین کے بارے میں قیاس عاجز ہے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حنیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم مفتی عراق ہوا نہ ہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تم عالم کتاب خدا ہو، نا سخ و منسوخ اور حکم و مشابہہ کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا اس قول خدا کا کیا مطلب ہے: وقد سمانا فیہا السیر و سیر و افیہا لیالی و ایاماً امنین (ترجمہ آیت)

ہم نے اس میں سیر کو مقدر کر دیا ہے امن و امان کے ساتھ اس میں شب و روز آذباؤں یہ کون سی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ یہ جگہ مکہ مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام حاضرین مجلس کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بقیہم خدا دریافت کرتا ہوں کیا ایسا نہیں ہے کہ تم لوگ مکہ مدینہ کے درمیان جب سفر کرتے ہو تو تم لوگ اپنی جانوں کے قتل اور اپنے اموال کے سرقہ سے مامول نہیں ہوتے ہو۔ سب نے عرض کی کہ جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا دلے ہو تم پر۔ اے ابو حنیفہ خداوند عالم تو حق بات کہتا ہے اور تم نے جو معنی بتائے ہیں وہ خلاف ہیں، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس قول خدا کے معنی بتاؤ: مَنْ دَخَلَکَ کَانَ اَمِنًا۔ ترجمہ آیت:-

جو شخص اس مقام میں داخل ہوگا وہ امن و امان میں رہے گا۔

اے ابو حنیفہ یہ کونسی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ نے عرض کی یہ بیت اللہ ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بقیہم خدا

دریافت کرتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اس مقام میں داخل ہوئے اور قتل سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سب نے عرض کی بے شک درست ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو حنیفہ خدا تو حق بات کہتا ہے اور تم نے جو مطلب بتایا ہے وہ وعدہ خدا کے خلاف ہے، ابو حنیفہ نے کہا کہ میں عالم کتاب نہیں ہوں۔ میں صاحب قیاس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے قیاس کے ذریعہ بتاؤ کہ زنا زیادہ عظیم گناہ ہے یا قتل۔ ابو حنیفہ نے کہا قتل زیادہ عظیم ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو قتل کے لئے دو گواہ اور زنا کے لئے چار گواہ کیوں ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ نماز افضل ہے یا روزہ انہوں نے کہا کہ نماز زیادہ افضل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تمہارے قیاس کے مطابق عورت کو چاہئے کہ زنا یا حیض میں قضا شدہ روزہ اور نماز میں بعد طہارت نمازوں کی قضا ادا کرے، روزہ کی قضا ادا نہ کرے حالانکہ خداوند عالم نے اس پر روزہ کی قضا کو ادا کرنا واجب کیا ہے نہ نماز کی قضا کو۔ حضرت نے فرمایا پیشاب زیادہ ناپاک ہے یا منی۔ ابو حنیفہ نے کہا پیشاب۔

حضرت نے فرمایا پھر تمہارے قیاس کے مطابق پیشاب کرنے پر غسل واجب ہونا چاہئے تھا نہ کہ خدوچ منی پر۔ ابو حنیفہ نے عرض کی کہ میں تو صاحب رائے ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ایک شخص نے اپنی شادی اور غلام کی بھی شادی ایک ہی شب میں کی اور دونوں اپنی اپنی زوجہ سے ہم بستر ہوئے اور پھر دونوں سفر پر روانہ ہو گئے، اور دونوں ایک ہی حجرہ میں ٹھہرا کر گئے۔ ان دونوں کو خدا نے دو لڑکے عطا فرمائے۔ ان دونوں پر حجرہ کی چھت گر گئی اور وہ دونوں عورتیں مر گئیں اور ان دونوں کے دو بچے زندہ رہ گئے۔ اب تمہاری رائے میں ان دونوں میں آقا کون ہے اور غلام ہے۔ اور وارث کون ہے اور موروث کون ہے۔ ان دونوں میں مالک کون ہے اور مملوک کون ہے۔ یہ سنکر ابو حنیفہ نے کہا کہ میں تو صاحب حدود ہوں یعنی تعزیرات کا عالم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک نابینا نے دوسرے بینا کی آنکھ پھوڑی اور ایک دست بریدہ نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ان پر کس طرح حد جاری کرو گے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ میں عالم مبعوث انبیاء ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام کو خداوند عالم نے فرعون کی طرف مبعوث فرمایا تو ان دونوں سے کہا لعلکھ یتدکرا ویخشی (ترجمہ آیت) تاکہ وہ قبول کر لے یا ڈر جائے (لعل) تمہارے لئے "شک" کے معنی میں ہے۔ یعنی شائد۔ تو کیا ایسا ہی خدا کے لئے بھی شک کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے لئے لعل خود استعمال کیا ہے جس کے معنی شائد ہیں۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمہارا یہ زعم تھا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ فتویٰ بیان کرتے ہو۔ حالانکہ تم وارثانِ قرآن میں سے نہیں ہو۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ تم صاحبِ قیاس ہو۔ حالانکہ سب سے اَوَّل ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ اور دینِ اسلام کی بنیاد قیاس پر نہیں ہے۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ تم صاحبِ الزمان ہو۔ حالانکہ صرف رسولِ خدا کی رائے ہی صائب ہے اور دوسروں کی غلط و خطا ہے۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے قاحکو بینہم بیا امر اک اللہ (ترجمہ آیت) اے رسول! تم لوگوں کے درمیانِ خدا کی عطا فرمودہ رائے سے فیصلہ کرو۔ اور یہ حقِ خدا نے کسی دوسرے کو نہیں دیا ہے۔ اور تم یہ زعم کرتے ہو کہ تم صاحبِ حدود ہو۔ حالانکہ جس پر احکامِ حدود نازل کئے گئے ہیں تم سے وہ بہتر عالمِ حدود ہے۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ مبعوثِ انبیاء کے عالم ہو حالانکہ جنابِ خاتمِ الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے زیادہ اس کے عالم ہیں۔

اے ابو حنیفہ اگر یہ نہ کہا جاتا کہ ابو حنیفہ فرزندِ رسول کے پاس پہنچے تھے مگر انہوں نے ابو حنیفہ سے کوئی سوال ہی نہیں کیا تو میں تم سے کبھی کوئی سوال نہ کرتا۔ اب بتاؤ قیاس کرو گے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ میں اب قیاس سے دینِ خدا کے فیصلے نہیں کروں گا۔ حضرت نے فرمایا ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ محبتِ ریاست تمہیں نہیں چھوڑے گی جیسے تم سے پہلے گزرنے والوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ (احتجاج طبری ص ۱۰۰)

صراطِ مستقیم کا الہی مقصد

قال رسول اللہ انا الصراط المستقیم الذی امرکم باتباعی ثم علی من بعدی ثم ولدی من صلیبہ ائمة یمتدون بالحق وبہ یعدلون ثم قدرا الحمد لله رب العلمین الی اخرها وقال فی نزولت وفيہم نزولت ولہم عمت دایا ہم خصت اولئک اولیاءکم لا خوف

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ صراطِ مستقیم سے مراد میں خود ہوں (جو خدا تک پہنچانے کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے) اسی لئے خدا نے میرے اتباع کا حکم دیا ہے۔ پھر میرے بعد صراطِ مستقیم علی ہیں۔ پھر ان کے صلب سے میری اولاد صراطِ مستقیم ہیں۔ اور وہ ایسے ائمہ ہیں جو ہدایتِ حق کرتے ہیں اور حق ہی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے مکمل سورۃ حمد کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سورۃ میرے اور ان ہی کے ہی بارے میں نازل ہوئے اور ان سب کے لئے

یکساں طور پر شامل ہے اور ان ہی سب کے لئے مخصوص ہے رکئی اور اس میں شامل نہیں ہے، یہی وہ ادویہ اللہ ہیں جن پر خوف وارد نہیں ہوتا اور نہ یہ حزن کرتے ہیں۔ اس حدیث پیغمبر سے بھی ثابت ہوا کہ الفاظ قرآن کے معنی لنوی سے منشاء و مراد خدا کو معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

زیارت محمد و آل محمد علیہم السلام زیارت خدا ہے

عن عبد السلام بن صالح الهروي قال قلت لعلي بن موسى الرضا عليه السلام يا بن رسول الله ما تقول في الحديث الذي يرويه اهل الحديث ان المؤمنين يزورون مرابطهم من منازلهم في الجنة فقال عليه السلام يا ابا الصلت ان الله تبارك وتعالى فضل نبيه محمداً اعلى جميع خلقه من النبيين والملائكة وجعل طاعته طاعته ومبايعته مبايعته وزيارته زيارته في الدنيا والاخرة فقال عز وجل من يطع الرسول فقد اطاع الله - فقال ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم وقال النبي من نار في في حيوتى او بعد موتى فقد نارا الله ودرجة النبي في الجنة ارفع درجات فمن نارا في درجته في الجنة من منزله فقد نارا الله تبارك وتعالى قال قلت يا بن رسول الله فما معنى الخبر الذي روي ان ثواب لاله الا الله النظر الى وجه الله فقال يا ابا الصلت فمن وصف الله بوجه كالوجه فقد كفر ولكن وجه الله انبياءه ومرسله وحججه عليهم صلوات الله هم الذين بهم يتوجه الى الله عز وجل والى دينه ومعرفته فقال الله عز وجل كل من عليها فان ويبقى وجه ربك - وقال الله عز وجل كل شئ هالك الا وجهه فالنظر الى انبياء الله ومرسله وحججه عليهم السلام في درجاتهم ثواب عظيم للمؤمنين وقد قال النبي من ابغض اهلبقي وعنتي لم يزلني ولم اراه يوم القيمة وقال عليه السلام ان فيكم من لا يراى بعد ان يفارقني يا ابا الصلت ان الله تبارك وتعالى لا يوصف بمكان ولا يدرك بالابصار والاوهام - راجع

عبد السلام بن صالح هروي بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے

سے عرض کی یا نبی رسول اللہ اہل حدیث نے ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے: ان المؤمنین یزودون من بہجہ من منائم لہم فی الجحۃ (مؤمنین جنت میں اپنی اپنی منزل سے اپنے رب کی زیارت کریں گے، اس حدیث کے بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے۔

پس حضرت نے فرمایا ابوصلت پروردگار عالم نے اپنے نبی محمد کو تمام خلق پر فضیلت عطا کی ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا ملائکہ۔ اور خدا نے ان کی اطاعت اپنی اطاعت اور ان کی بیعت اپنی بیعت اور ان کی زیارت دنیا و آخرت میں اپنی زیارت قرار دی ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت) جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا اس نے تعیناً خدا کی اطاعت کر لی۔ اور جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں اسے رسول، وہ درحقیقت خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا تہا ان کے ہاتھوں پر ہے (یعنی حضور کے ہاتھ کو اپنا بنا لیا) فرمایا ہے اور جناب رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے میری زیارت کی میری حیات میں۔ یہ وفات کے بعد کی اس نے درحقیقت خدا کی زیارت کی۔ نبی کا درجہ جنت میں سب سے ارفع ہو گا۔ پس جو شخص جنت میں اپنی منزل سے آنحضرت کی زیارت کرے گا اس نے گویا خدا کے تبارک و تعالیٰ کی زیارت کر لی۔

ابوصلت کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا نبی رسول اللہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس کی روایت اہل حدیث نے کی ہے (ترجمہ حدیث) لا الہ الا اللہ کہنے کا ثواب خدا کے چہرہ پر نظر کرنے کی برابر ہے۔ حضرت نے فرمایا ابوصلت جو شخص خدا کے لئے دیگر چہروں کی طرح چہرہ بتائے وہ کافر ہے۔ درحقیقت خدا کا چہرہ اس کے انبیاء و رسل اور حجج اللہ ہیں صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ یہ اس لئے وجہ اللہ یعنی خدا کا چہرہ ہیں کہ ان ہی کے ذریعے خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ اس کے دین و معرفت کی طرف توجہ کی جاتی (یعنی ذریعہ توجہ ہیں اس لئے وجہ اللہ ہیں) خداوند عالم نے خود فرمایا ہے کہ (ترجمہ آیت) جو لوگ بھی زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور تمہارے رب کا دہر چہرہ باقی رہے گا اور ہر شے فنا ہو جائے گی مگر خدا کا دہر ہلاک نہ ہو گا۔ اسی لئے انبیاء و رسل اور حجج اللہ کی طرف ان کے اپنے اپنے درجات میں نظر کرنا مؤمنین کے لئے ثواب عظیم ہے اور جناب نبی کریم نے فرمایا ہے (ترجمہ حدیث) جو شخص میرے اہلیت اور میری عزت سے بغض رکھے گا وہ نہ روز قیامت مجھے دیکھے گا اور نہ میں اس کو دیکھوں گا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے اے اصحاب تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہم سے جدا ہونے کے بعد نہیں دیکھ سکیں گے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ابوصلت خداوند عالم کے لئے کوئی مکان نہیں بتایا جا سکتا

اور نہ اس کا ادراک ہماری آنکھوں کے نور سے ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے دہم و خیال ہی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی زیارت کا مطلب درحقیقت حضرات محمد وال محمد علیہم السلام کی زیارت ہے۔

قال امیر المومنین علیہ السلام وما امر میت اذ نعیت ولكن الله ما فی نفسی فعل النبی فعلا لہ۔ (احتجاج طبری ص ۱۲)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (ترجمہ آیت) اے رسول! جب تم نے سنگر خیزے پھینکے تو تم نے نہیں پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے پس اللہ نے فعل نبی کو اپنے فعل کا نام دیا ہے۔ یعنی درحقیقت وقوع فعل نبی سے ہوا ہے مگر خدا نے اس کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔

جناب شیخ رضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

قال الصدوق زیارة الله زیارة انبیاءہ وحججہ من نہادہم فقد نہاد الله کما ان من اطاعہم فقد اطاع الله ومن عصاہم فقد عصی الله ومن تابعہم فقد تابع الله وليس ذالک علی ما قالوا المشبهة تعالی الله عن ذالک علوا کبیرا (المجمع البحرین ص ۳۳۲)

جناب صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں خدا کی زیارت کا مطلب اس کے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی زیارت ہے۔ پس جس نے ان ذوات مقدسہ کی زیارت کی انہوں نے خدا کی زیارت کر لی جس طرح جس شخص نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس شخص نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس شخص نے ان کی پیروی کی اس نے خدا کی پیروی کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ خدا کی شبیہ ہیں جیسا کہ گروہ مشبیہ کہتا ہے۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے ساتھ جو تعلق ہوگا وہ اشکال منسوب ہوگا۔

حجج اللہ پر ظلم خدا پر ظلم ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام واما قولہ وما ظلمونا ولكن كانوا انفسہم یظلمون فهو تبارک اسمہ اجل واعظم من ان یظلمه ولكن قرون امنا ثہ علی خلقہ بنفسہ و عرف الخلیقة جلالة قدرہم عندہ وان ظلمہم بظلمہ بقولہ وما ظلمونا بعضہم اذ لیا ونا و معونة اعدائہم علیہم ولكن كانوا

انفسہم یظلمون۔ (احتجاج طبری ص ۱۲)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قول خدا ترجمہ آیت اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر مگر خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے خداوند عالم جس کا اسم صاحب برکت ہے وہ اس امر سے اجل دار ہے کہ خود مظلوم ہو ہاں اس نے اپنے امین اپنے مخلوقات پر مقرر فرمائے ہیں انہیں اپنی ذات کا قرین قرار دیا ہے اور مخلوقات کو ان کی جلالت قدر کی معافی کو انی ہے جو اس نے اپنی بارگاہ میں انہیں عطا کی ہے ان ذوات مقدسہ پر ظلم و در حقیقت خدا پر ظلم کے مترادف ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے قول ظلمو بنا سے بیان کیا ہے یعنی ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا کیونکہ یہ ہمارے ادبیار سے بغض رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن یہ ظلم انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا ہے۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہو گیا کہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور نہ وہ مظلوم ہو سکتا ہے بلکہ اس نے اپنے سفراء اور اماناء کو اپنے مخلوقات کے پاس بھیجا ہے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کی زیارت کو اپنی زیارت اور ان پر ظلم کو اپنے اوپر ظلم کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ارشاد مذکور کے قریب المعنی جیسا کہ تفسیر البراہین جلد ۲ میں مذکور ہے:-

عن محمد بن فضیل عن ابی الحسن الماضي قال قلت یدخل من یشاء فی رحمۃ قال فی ولایتنا والظالمین اعد لہم عذابا الیما الا تری ان اللہ یقول وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون قال ان اللہ اعز وامنہ من ان یظلم وان ینسب نفسه الی الظلم ولکن اللہ اخلطنا بنفسہ فجعل ظلمنا ظلمہ وولایتنا ولایتہ۔

محمد بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے میں نے دریافت کیا قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اس جگہ رحمت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس سے مراد ہماری ولایت ہے یعنی رحمت خدا ہماری ولایت ہے اور ظالمین کے لئے عذاب الیم دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر ظلم کرنے والے خدا پر ظلم کرنے والے ہیں کیونکہ تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں دیکھا ہے:- وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ یعنی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنے نفسوں پر کیا ہے۔

خداوند عالم قوی تر اور مانع تر ہے اس امر سے کہ وہ خود مظلوم بنے اور وہ خود فرمائے کہ مجھ پر لوگوں نے

ظلم کیا ہے بلکہ خداوند عالم نے ہمیں اپنی ذات اقدس کے ساتھ اتنا ملایا ہے کہ ہم پر ظلم کو اپنے اوپر ظلم بتاتا ہے اور ہماری ولایت کو اپنی ولایت ظاہر کرتا ہے۔

اس حدیث سے بھی ظاہر ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کے افعال کو اور ان سے مخلوقات کے تعلقات کو خدا اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔

لہذا ان ذوات مقدسہ کے لئے نیابت خداوندی تسلیم کر کے ان حضرات سے اپنے تعلقات کو یہ سمجھو کہ خدا سے یہ تعلقات ہیں۔ اور پھر جو چاہو ان سے مانگو یہی ایمان ہے۔

تفسیر اولو الامر بکلام معصومین ع

ہم نے اس آیت کے متعلق سابقہ ادراک میں بھی کلام معصومین کے ذریعہ استدلال پیش کیا ہے اور لفظ امر کی تحقیق بھی پیش کی ہے۔ لیکن موالیدان اہلبیت کے قلوب صافیہ میں مزید نور ایمان پیدا کرنے کے لئے معلومات میں اضافہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور یہ تمام احادیث تفسیر صافی مثلاً سے نقل کرتے ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم وہو علیکم (ترجمہ آیت)

اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول و اولو الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم کا مقصد اور اس کی مراد لفظ "اولی الامر" سے ہم ہیں اور مخصوص ہم ہیں۔ قیامت تک مومنین کو ہماری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جبکہ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا اولی الامر کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا بے شک فرض ہے اور حضرت نے اسی آیت کو ثبوت میں تلاوت فرمایا اور آیت اتنا دیکھو اللہ کو بھی استدلال میں بیان فرمایا۔

نیز حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے جب اسی آیت کے متعلق یہ عرض کی گئی کہ لوگ کہتے ہیں خداوند عالم نے علی بن ابی طالب اور اہلبیت ظاہر میں کا نام کیوں ظاہر نہیں کیا۔ تو حضرت نے فرمایا جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے یہ کہو۔ خدا نے "نماز" نازل کی مگر رکعتیں تین یا چار نہیں بتائیں رسول اللہ نے اس کی تفسیر بیان کی اور زکوٰۃ نازل کی مگر خدا نے نہیں فرمایا کہ چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو؛ رسول اللہ نے تفسیر بیان کی۔ اور حج نازل کیا مگر سات مرتبہ طواف کا ذکر نہیں فرمایا؛ رسول اللہ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔

یہی وہ رسول اللہ ہیں جنہوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے علیؑ کے بارے میں من کنت مولاه۔ اور وصیت کی اہلبیت کے بارے میں اور کتاب خدا کے بارے میں اور فرمایا کہ یہ دونوں حوض کوثر تک جہانہ ہوں گے اور فرمایا کہ اہلبیت کو ظلم نہ مکھاؤ وہ تم سے زیادہ ظلم رکھتے ہیں اور یہ تم کو باب ہدایت سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ اور باب ضلالت میں نہیں داخل ہونے

دیں گے پس اگر رسول اللہ لفظ اہلبیت فرما کر سکوت فرماتے تو آل فلاں اور آل فلاں اہلبیت بننے کا دعویٰ کر دیتے۔ مگر خداوند عالم نے اپنے نبی کی تصدیق کے لئے آیت اندام برید اللہ لیدھب عنکم الوجہ لہلبیت دیطھو کہ تظہیر انانزل فرمادی اور حضرت ام سلمہ کے گھر میں علی وفاطمہ وحسن وحسین کو اپنی کساء میں داخل فرمایا اور خداوند عالم سے عرض کی کہ ہر ایک نبی کے اہل اور ثقل ہیں۔ یہ حضرات تحت کساء میرے اہلبیت ہیں اور میرا ثقل ہیں۔ ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کے اہل میں داخل نہیں ہوں آنحضرت نے فرمایا کہ تم نیکی کی جانب ہو لیکن یہی ہیں میرے اہل بیت اور میرے ثقل۔

نیز صادق آل محمد علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ وہ ارکان اسلام کیا ہیں جن کو حاصل کر لینے سے عمل پاکیزہ ہو جائے اور بہالت نقصان نہ پہنچائے اپنے فرمایا کہ خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کی گواہی اور جو کچھ آنحضرت خدا کی طرف سے لائے ہیں اس کا اقرار اور اموال کی پاکیزگی کے لئے زکوٰۃ برحق ہے اور ایمان کے لئے ولایت برحق ہے جس کا مخریضہ کی طرف سے ہے اور وہ ولایت آل محمد ہے کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے امام کی معرفت کے بغیر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ پس اولی الامر میں پہلے علی ہیں پھر ان کے بعد حسن ہیں پھر ان کے بعد حسین پھر ان کے بعد علی بن الحسین ہیں پھر ان کے بعد محمد بن علی ہیں پھر اسی طرح بار بار تک، اور خدا ہے گا۔ کیونکہ زمین بغیر امام باقی نہیں رہ سکتی۔ اس حدیث میں اطاعت خدا و رسول و اطاعت اولی الامر بیان فرما کر حضرت نے واضح فرمادیا کہ جو کچھ ان فوات مقدسہ کی اطاعت ہے وہی ارکان اسلام ہے۔ اسی اطاعت کے ماتحت تمام فرائض و واجبات ہوتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کا تعلق چونکہ مال کے ساتھ تھا اس لئے اس کو الگ کر دیا تاکہ جان و مال دونوں کے لئے ضرورت ہے کہ پاکیزہ ہوں۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جبکہ سلیم بن قیس ہللی نے حضرت سے دریافت کیا تو لا وہ کم سے کم کیا چیز ہے کہ آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا وہ یہ ہے کہ آدمی اس ہستی کو نہ پہچانے جس کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے اور اس کی ولایت فرض کی ہے اور اس کو اپنی زمین پر حجت قرار دیا ہے اور اپنی مخلوقات کا گواہ بنایا ہے۔ سلیم نے دریافت کیا یا امیر المؤمنین وہ حضرات کون ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا وہ ہستیاں وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات اقدس اور اپنے نبی کا قرب بنایا ہے اور فرمایا ہے یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم سلیم کہتے ہیں میں نے فوراً حضرت کے سر اقدس پر بوسہ دیا اور عرض کی یا حضرت آپ نے واضح فرمادیا اور میری مشکل کو حل کر دیا اور میرے قلبی واردات کو رفع فرمادیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب آیت مذکور نازل ہوئی تو میں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ خدا اور رسول خدا کی معرفت حاصل کر چکے ہیں مگر یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے

آپ کی اطاعت کا قرین قرار دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ میرے خلفاء اور انہم مسلمان میرے بعد ہیں اولیٰ ان میں علی ابن ابی طالب ہیں ان کے بعد حسن پھر حسین پھر علی بن حسین پھر محمد بن علی ہیں جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہیں۔ اے جابر تم ان سے قریبی زمانہ میں ملاقات کرو گے۔ جب ملاقات ہو تو میرا سلام انہیں پہنچا دینا پھر ان کے بعد جعفر بن محمد پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن حسین بن علی پھر میرے ہم نام محمد اور ہم کیفیت (ایوانہ) ہیں۔ یہ حجۃ اللہ جس خدا کی زمین میں اور بقیۃ اللہ ہیں اس کے مندوں میں فرزند حسن عسکری بن علی ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں مشارق و مغارب زمین فتح ہوں گے۔ یہ اپنے شیعوں اور موالیوں سے پوشیدہ رہیں گے اور ان کی امامت پر بس وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کے ایمان کا امتحان خدا لے چکا ہے۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان کی غیبت میں شیعوں کو فائدہ پہنچے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک۔ اُس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت پر فائز کیا ہے شیعہ ان کے نور سے روشنی حاصل کریں گے اور ان کی ولایت سے فائدہ حاصل کریں گے جس طرح لوگ حالت ابر میں آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اے جابر یہ خدا کا لازمی پوشیدہ اور علم سر بستہ ہے اس کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنا۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں جن کا احصاء ممکن نہیں ہے۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:-

قال الحسين عليه السلام نحن حزب الله الغالبون وعتره رسول الله لا تزول
واهل بيته الطيبون واحد ثقلين الذين جعلناهم رسول الله ثاني كتاب الله
تبارك وتعالى الذي فيه تفصيل كل شيء لا ياتي به الباطل من بين يديه
ولا من خلفه والمعول علينا في تفسيره لا يبطئنا تاويله بل تنجم حقائقه
فاطيعونا فان طاعتنا مفروضة ان كانت بطاعة الله ورسوله مقررته
قال الله عز وجل اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم فان تنازعتم
في شئ فردوه الى الله والرسول ولومس دعه الى الرسول والى اولى الامر منكم
لعلمه الذين يستنبطونه منهم ولولا فضل الله ورحمته لاتبعتم
الشيطان الا قليلا۔ (احتجاج طبرسي ص ۱۵۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے ہم خدا کا غالب گروہ ہیں ہم رسول اللہ کی سب سے زیادہ قریب قرار دے رہے ہیں اور ہم ان کے طیب و طاہر اہلبیت ہیں۔ اور ہم دو ثقل میں سے ایک ثقل ہیں جو ثانی کتاب خدا ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے اور اس میں باطل نہ آئے گا۔ اور نہ اس کے پیچھے۔ اور اس کی

تفسیر کے مروج بھی ہم ہی ہیں یعنی ہمارے سوا کسی کو تفسیر کا حق نہیں ہے اور نہ تفسیر کر سکتے ہے کیونکہ خدا کی مراد کو بغیر وحی والہام حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اس کی تائید میں کوئی دشواری نہیں بلکہ ہم تو اس کے حقائق کے پیرو ہیں۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ ہماری اطاعت کرو کیونکہ تم پر ہماری اطاعت فرض کی جا چکی ہے کیونکہ ہماری اطاعت خدا و رسول کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے (ترجمہ آیت) اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم ہی میں سے ہیں یعنی کسی اور دین کے ماننے والے نہیں ہیں، پس اگر تم میں باہمی کسی مسئلہ میں تنازعہ ہو جائے تو خود فیصلہ نہ کرو بلکہ خدا و رسول کی طرف رجوع کرو یعنی قرآن اور سنت رسول کے ذریعہ حل کرو اور خدا و رسول نے تمہیں حکم دے دیا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ لہذا ان حضرات سے تو تنازعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی اطاعت فرض ہے اور جس کی اطاعت فرض ہو اس سے تنازعہ کیسا کیونکہ تنازعہ ہوگا تو اطاعت فرض نہ رہے گی اور اطاعت فرض ہے تو تنازعہ نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اولی الامر کی طرف راجع کر دیتے تو اس کو وہ لوگ معلوم کر لیتے جو ان کے اندر دینی ماز سے واقف ہیں۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو سوائے وعدہ چند کے سب ہی شیطان کے پیرو ہو جاتے۔

موالیان اہلبیت کو مباہلہ کی اجازت

ابو مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا ابن رسول اللہ ہم آپ کے مخالفوں سے مناظرہ کرتے ہیں اور ہم ان پر حجت قائم کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکھ سے استدلال پیش کرتے ہیں مگر وہ قبول نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو عام منہین کے لئے ہے۔ اور ہم ان پر حجت پیش کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیت قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربی سے استدلال پیش کرتے ہیں مگر وہ کہہ دیتے ہیں یہ تو مسلمانوں کے قریبداروں کے لئے ہے۔ میں نے حضرت سے اس قسم کے کئی دلائل کا ذکر کیا جو مجھے یاد تھے حضرت نے فرمایا جب مخالفوں کے انکار کا یہ حال ہو تو پھر تم ان لوگوں کو مباہلہ کی دعوت دو۔

میں نے عرض کی مولا کس طرح عمل کروں، حضرت نے فرمایا کہ اپنے نفس کو نیکی کی طرف مائل کرو یعنی دل میں نیکی اور نیک نیتی رکھو اور اس کو دعوت مباہلہ دے دو۔ حضرت نے فرمایا دعوت مباہلہ دینے کے بعد روزہ رکھو اور غسل کرو اور تم اور مخالف قبرستان کی طرف نکلو اور تم اپنے دلہنے ہاتھ کی انگلیوں کو اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں منجھ کر طرح ڈالو پھر اس کے ساتھ انصاف کرو پہلے اپنی جان بچا لے کہ بولے مجھ کو درحق سائل آسمانوں کے رب اور

ساتوں زمینوں کے رب پر پوشیدہ اور غماہ کے عالم حزن و رنج اگر ابوسروق نے انکار حق اور دعویٰ باطل کیا ہے تو اس پر آسمان سے بجلی اور دردناک عذاب نازل کر پھر اپنے مخالف کے لئے دعا ہے بدکرداریوں عرض کر دکھا اگر اس نے انکار حق اور دعویٰ باطل کیا ہے تو اس پر آسمان سے بجلی اور دردناک عذاب نازل کر۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کچھ دیر نہ گزرے گی کہ اس پر عذاب دیکھ لو گے۔ ابوسروق کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری دعوت مباہلہ قبول کرنے والا مجھے کوئی نہیں ملا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ طلوع فجر سے طلوع شمس کے درمیانی اوقات میں ہو۔

سید بن قیس کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی مجھے مطلع فرمائیے کہ بندہ کس ذریعہ سے مومن ہوتا ہے اور کس ذریعہ کافر ہوتا ہے اور کس ذریعہ گمراہ ہوتا ہے۔ میں نے سنا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے شخص سُن اور سمجھ بندہ کم سے کم جس چیز سے مومن ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی معرفت حاصل کرے اور اس کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے نبی کی معرفت حاصل کرے اور ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام کی معرفت حاصل کرے کہ جو حجت خدا اور گواہ خلق ہے اور اس کی اطاعت کا اقرار کرے۔ پس میں نے عرض کیا یا امیر المومنین ان تینوں اطاعت و اقرار کے علاوہ خواہ تمام اشیاء کا جاہل ہو تب بھی وہ مومن ہے؟ حضرت نے فرمایا ہے شک جبکہ اس کو امر کیا جائے تو فرمانبرداری کرے اور جب نبی کی جلتے تو باز رہے۔ اور کم از کم وہ چیز جس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کی خدا نے نبی کی ہے اس کو یہ گمان کرے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کو دین قرار دے کر اس میں تفسیر کرے یہ گمان رکھے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ شخص شیطان کی عبادت کرتا ہے۔

اور کم از کم وہ چیز جس سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حجت اللہ کو نہ پہچانے جس کو گواہ خلق بنایا گیا ہے اور اس کی اطاعت و ولایت فرض کی گئی ہے۔ میں نے عرض کی حجت خدا کی شان بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات کا اور اپنے نبی کا توہین بنایا ہے یعنی بالکل ساتھ رکھا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ ۱۶

اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول اور اولی الامر کی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آیہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جب تم کسی امر میں باہم تنازعہ کرو تو اس کو خدا اور رسول اور اولی الامر کی طرف موڑ دو۔ اور آپ نے فرمایا یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا ان کی اطاعت کا اعتراف نہ کرے اور پھر ان سے تنازعہ کی بھی اجازت دے۔ خداوند عالم نے رجوع کا حکم اپنی طرف اور رسول کی طرف صرف مومنین کو دیا ہے نہ کہ مومنین کو رجوع لوگ دین خدا سے خارج ہو کر خارجی بن گئے تھے اور حضرت علی سے دشمنی رکھی ان کو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف

تو رجوع کر دو جو کچھ حکم دیں اس پر عمل کرو، جناب رسالتؐ سے جناب امیرؑ نے اسی آیت مذکورہ کی تفسیر دریافت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ادلی الامر میرے ادھیاء ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے اپنی اور میری اطاعت سے متصل قرار دیا ہے۔ یہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے۔ ہر ایک ان میں کابادی اور جہدی ہے جو ان کو چھوڑ دے گا۔ وہ ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا۔ یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ۔ نہ قرآن ان سے جدا اور نہ یہ قرآن سے جدا۔

ان ہی ادھیاء کے ذریعہ میری اُمت کی نصرت و مدد کی جائے گی اور ان کے ذریعہ ان کو بارش دی جائے گی اور ان ہی کے ذریعہ مشکلات کا دفاع کیا جائے گا اور ان ہی کے ذریعہ دعائیں قبول کی جائیں گی۔ (تفسیر البرہان جلد ۱)

تفسیر انا انزلناہ فی لیلة القدس

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ انا انزلناہ کو معنی تفسیر کے جانتا ہے اور اس پر ایمان لایا ہے اس کی فضیلت ایسے شخص پر جو نہیں جانتا اور ایمان نہیں لایا ہے اتنی ہے کہ جتنی انشا کو جانوروں پر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سورۃ انا انزلنا میں ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں یہ روح ملائکہ کے علاوہ جو ملائکہ سے اعظم ہے اور ملائکہ میں سے نہیں ہے یہ روح شب قدیس امام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ لیلة القدر میں تمام سال کے امور نازل ہوتے ہیں آئندہ آنے والی شب قدر تک اور ان تمام امور کے تفصیلات ولی الامر کو پہنچائے جائے ہیں خود اس کی ذات کے متعلق بھی اور تمام لوگوں کے متعلق بھی۔ اور اس کے علاوہ دیگر علوم بھی ولی الامر کو ہر روز کے متعلق خدا اپنے پوشیدہ اور مخصوص علم سے عطا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی تو ترجمہ آیت اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سمندر سیاہی بن جائے اس کے ساتھ سات سمندر اور بل جائیں پھر بھی کلمات خدا کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ یعنی یہ لامتناہی علوم بھی خدا ولی الامر کو عطا کرتا ہے۔

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ یہ شب قدر قیامت تک آتی رہے گی اور خدا کے کل امر بھی ولی الامر پر نازل ہوتے رہیں گے۔ اور یہ امور زمین پر اترتے ہیں نہ کہ آسمان سے آسمان پر کیونکہ وہاں اطاعت کے ساتھ معصیت نہیں ہے۔ اور امر کا اثرنا اس کی دلیل ہے کہ ولی الامر موجود ہے کیونکہ کل امر لے کر ملائکہ درج کسی فاسق پر نازل نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے امر خدا لے کر آئیں اور زمین پر کوئی شے ہی نہ ہو جس کے پاس آئیں۔ اور چونکہ آیت میں تنزل ہے یعنی نازل ہوتے ہیں اور اترتے

رہیں گے اس لئے ان کا نزول قیامت تک رہے گا۔ اگر رسول خدا پر نزول ختم ہو جاتا تو مصیبت ماضی کے ساتھ ہوتا اور معنی یہ ہوتے کہ فرشتے کل امرے کر رسول خدا پر نازل ہوئے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مصیبت مضارع ہے لہذا شب قدر آتی رہے گی اور نزول ملائکہ دامر خدا قیامت تک ولی الامر ہوئے ہیں گا اسی لئے ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ شیعوں کے مخالفین پر فوج و نصرت کے لئے سورۃ انا انزلنا بہترین ثبوت و دلیل ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ شب قدر تین راتیں ہیں۔ انیس، اکیس اور تیس ماہ رمضان المبارک۔ ۱۹ ماہ رمضان کو ایک سال کے تمام امور کی تقدیر و تعیین ہوتی ہے اور ۲۱ ماہ رمضان کو فیصلہ شدہ امور کا نزول ہوتا ہے اور ۲۳ ماہ رمضان کو ان کا اجراء ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ چھ ماہ رمضان کو تورات نازل ہوئی، بارہ ماہ رمضان کو انجیل اور اٹھارہ ماہ رمضان کو زبور اور لیلۃ القدر میں قرآن نازل ہوا۔ یعنی ۲۳ ماہ رمضان جیسا کہ اکثر احادیث معصومین علیہم السلام سے نزول قرآن کے متعلق یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے اور صحیح علم الہی کہچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر لیلۃ القدر اٹھ جائے تو اس کے ساتھ قرآن بھی اٹھ جائے گا۔ نیز کل امر سے مراد رزق، موت، حیات، خیر، شر، سرسبزی، قحط اور جملہ حادثات ہیں جیسا کہ علی ابن ابراہیم قمی علیہ الرحمۃ کی تفسیر میں ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کل امور میں خیر و شر طاعت و معصیت، مولود و اجل اور رزق وغیرہ وہ تمام امور جو خدا نے مقدر فرمائے ہیں سب ہی داخل ہیں۔

الف شہر ہزار سال سے مراد ذہب بنی امیہ ہے۔

لیلۃ القدر کی عبادت ایسے ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے جس میں شب قدر شامل نہ ہو ہر شب قدر میں سو رکعت نماز پڑھی جائے اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی پڑھی جائے۔

لیلۃ القدر حضرت آدم سے شروع ہوئی ہے اور یہ اسی طرح جاری رہے گی۔ اور قائم آل محمد علیہ السلام فرج اس وقت صاحب الامر میں نزول ملائکہ و روح حضرت ہی کی خدمت میں ہوتا ہے۔

یہ تمام فرشتے خدا کے امور بھی پہنچاتے ہیں اور اول شب سے تا طلوع فجر محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھی بھیجتے ہیں۔ (تفسیر البرہان جلد ۲ اقتباس)

تفسیر حتم و الکتاب المبین بکلام معصومین

حتم و الکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ ان کننا منذرین فیہا یفرق کل امر حکیمہ (ترجمہ)۔ حتم۔ قسم ہے کتاب مبین کی یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو برکت والی شب میں

نازل کیا۔ یقیناً ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اسی شب میں تمام حکمت والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا شب قدر ہر سال ماہ رمضان کے آخری دس دنوں کے
اندر آتی رہے گی۔ اور قرآن شب قدر ہی میں نازل ہوا ہے۔ اور خدا نے فرمایا ہے کہ اسی شب میں تمام حکمت
والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اسی شب میں سال آئندہ آنے والی شب قدر تک کے تمام امور مقدر کئے جاتے ہیں
خیر و شر، طاعت و معصیت، مولود و اجل و درزق جو کچھ اس سال میں ہونا ہے وہ خدا مقدر کر دیتا ہے جو یقینی ہوگا
مگر ان تمام امور میں شیت خدا ہی کے لئے ہے۔ سائل نے حضرت سے دریافت کیا شب قدر ہر سال ماہ سے
افضل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا عمل نیک یعنی نماز و زکوٰۃ اور تمام امور خیر اس شب میں ان ہزار
ماہ سے افضل ہیں جن میں یہ شب شامل نہ ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے اپنی قدرت کے اظہار اور اپنی قوت کے اعلان
اور اپنی حکمت کے برہان کو آشکار کرنے کے لئے مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ پس اس نے جو چاہا اور
جس طرح چاہا پیدا کیا اور بعض اشیاء کے فعل کو اپنے امائد کے ہاتھوں پر جاری کیا جن کا فعل خدا ہی کا فعل ہے
اور جن کا امر خدا ہی کا امر ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے کہ جس نے رسول خدا کی اطاعت کر لی اس نے خدا کی اطاعت
کر لی۔ اور خدا نے آسمان و زمین کو ظرف فعل قرار دیا ہے ان ہستیوں کے لئے جن کو اپنی مخلوق میں سے چاہتا ہے
یعنی آسمان و زمین تابع فرمان کر دیئے ہیں، تاکہ حبیب اور مطیع کی جہادداشتناخت ہو جائے (یعنی خدا کے امائد)
پر کون ایمان لاتا ہے اور کون انکار کرتا ہے، حالانکہ اس کو پہلے ہی سے دونوں فریق کا علم ہے۔ اور زمین و آسمان
کو اس نے تابع فرمان قرار دیا ہے کہ اس کے اولیاء و امائد کے لئے مثال قرار پائے اور اس نے اپنے مخلوقات کو
اپنے اولیاء کی بلند منزلت کی معرفی کرائی ہے۔ اور تمام مخلوقات پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کر دی ہے
جس طرح اپنی ذات کے لئے فرض کی ہے۔ اور ان پر اپنی جہت کو اس طرح لازم قرار دیا ہے کہ ان سے بائیں
خطاب کیا ہے جو دلالت کرتا ہے اس کی ذات کی انفرادیت و توحید پر اور مخلوقات پر واضح کر دیا ہے کہ اس کے
لئے اولیاء مقرر ہیں جن کے افعال و احکام کو اپنے فعل کے بجائے قرار دیا ہے۔ یہی وہ بزرگ بندگان ہیں جن کے
میں بھی خدا پر سبقت نہیں کرتے ہیں اور اس کے امور عمل پیرا ہیں۔ ان کی تائید اپنی روح امیری سے فرمائی ہے
اور مخلوقات کو ان کے اقتدار علی غیب کی معرفی کرائی ہے اپنے اس قول۔ ذریعہ (ترجمہ آیت)

وہ عالم الغیب ہے پس کسی پر اپنے غیب کا اظہار نہیں کرتا مگر جس کو رسول سے پسند کر لیتا
ہے اس پر اظہار غیب کر دیتا ہے۔ یہی اولیاء اللہ وہ نعمت ہیں جس کے بارے میں سوال
کیا جائے گا کیونکہ خدا نے تبارک و تعالیٰ نے ان ہستیوں کو ان کے تابعین کے لئے اپنا
انعام قرار دیا ہے۔

سائل نے عرض کی حجت ہائے خدا کون بزرگوار ہیں جن کی یہ شان آپ نے بیان فرمائی ہے؟ اپنے فرمایا کہ وہ ہستیاں رسول اللہ اور ان کے قائم مقام اصفیاء اللہ ہیں جن کو اپنی ذات اقدس اور اپنے رسول کے ساتھ ساتھ متصل قرار دیا ہے اور تمام بندگان پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کر دی ہے جس طرح اپنی ذات کے لئے فرض قرار دی ہے اور یہی والیان امر خدا ہیں کہ جن کی شان میں فرمایا ہے (ترجمہ آیت) اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی۔ اور ان ہی کی شان میں فرمایا ہے (ترجمہ آیت) اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اولی الامر کی طرف موڑ دیتے تو یقیناً اس کو وہ لوگ معلوم کر لیتے جو اس کے اندرونی راز کے واقف ہیں؟

سائل نے دریافت کیا کہ (مولا، اولی الامر میں لفظ امر کا کیا مطلب ہے۔ یعنی صاحبان امر کس امر کے والی امر ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد وہی امر ہے جس کو ملائکہ نے کربلا کے میں نازل ہوتے ہیں۔ اور یہی مشہور ہے جس میں تمام حکمت والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے از قبیل خلق رزق و اجل و عمل و حیات و موت و علم غیب سموات و ارض اور وہ معجزات جو صرف خدا اور اس کے اصفیاء اور اس کے سفراء ہی کے لئے مقرر ہیں جو اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیان ہیں اور یہی حضرات ایسے دہرا اللہ ہیں جن کے لئے خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت)

تم جہاں کہیں بھی توجہ کرو وہیں اللہ موجود ہے یعنی وہی اللہ ہیں یعنی وہ مہدی (ان ہی میں سے ہیں) جو انتظار کی مدت گزرنے پر آئیں گے اور ان کے عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اور ان کی نشانیوں میں سے غیبت و پوشیدگی ہے جبکہ سرکشی عام ہو جائے گی اور انتقام جگہ نہ لے گا۔

اے سائل اگر اس کا نزول جس کا مطلب میں نے تجھے سمجھایا ہے صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص اور آخرت کے بعد کسی دوسرے کے لئے نزول کلی امر نہ ہوتا تو خداوند عالم اس کا ذکر قبل ماضی سے کرتا جو دوامی نہ ہوتا اور نہ مستقبل کے لئے ہوتا۔ اور خدا بجا ہے تَنْزِيلُ الْمَلَاٰئِكَةِ کے (یعنی نازل ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے) نزول الملائکہ فرما تا رہی نازل ہوئے ملائکہ، اور اسی طرح بجائے یغفر فیہما کو (یعنی شب قدر میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر امر کا) فرق فیہما فرما تا (یعنی فیصلہ کیا گیا شب قدر میں)

یہ حدیث بہت طویل ہے انشاء اللہ آخر کتاب میں مکمل درج کی جائے گی۔ (البرہان ص ۹۹)

حدیث مبارک کے مطالب

آیہ اولی الامر میں امر سے مراد تمام امور خلق ہیں یعنی رزق و خلق و حیات و موت و اجل

عمل و علم غیب آسمان و زمین اور وہ تمام معجزات جو خدا خود ظاہر کرے یا یہ ذوات مقدسہ خود ظاہر کریں۔

ان تمام مذکورہ بالا امور کا تعلق تکوین کے ساتھ ہے اور لفظ عمل میں امور شریعت بھی داخل ہیں۔ لہذا جناب رسالتاً اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زیر اقتدار تمام امور مذکورہ ہیں۔

(۲) ان ذوات مقدسہ کا محل و مقام امور تکوین و امور شریعت میں محل و مقام خدا ہے یعنی ان حضرات کا امر خدا اور فعل فعل خدا اور حکم حکم خدا ہے۔ کیونکہ خدا عالم نے ان ذوات مقدسہ کو اپنی ذات اقدس سے متصل قرار دیا ہے اور ان حضرات کی اس منزلت کو تمام مخلوقات پر واضح فرما کر ان حضرات کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور ان کے افعال و احکام کو اپنی ذات اقدس کی قائم مقامی کا درجہ عطا فرمایا ہے۔

(۳) زمین و آسمان کو ان حضرات کے تابع فرمان قرار دیا ہے تاکہ مخلوقات کو معلوم ہو جائے کہ یہی ذوات قدسیہ اولیاء و امناؤ خدا ہیں اور یہی حجج اللہ ہیں جن کو نیابت خدا حاصل ہے تاکہ ان کی وجہ سے خبیث و طیب کا پتہ لگ جائے کو ان کی اس شان پر ایمان لاتا ہے اور کون انکار کرتا ہے۔

(۴) کل اشیاء عالم پر خدا حکم جاری ہے اور خود ان ذوات مقدسہ پر بھی جاری ہے۔ اگر ان حضرات کا حکم بھی خدا کی طرح کل اشیاء عالم پر جاری ہو تو شرک ہو جائے اس لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے لفظ بعض ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی کل اشیاء پر تو خدا کا حکم جاری ہے اور بعض پر ان حضرات کا حکم جاری ہے۔

مگر ہم لفظ بعض کی تفسیر سے قاصر ہیں کیونکہ عالم کا احصاء بھی ناممکن ہے اور پھر جو عالم کی کل اشیاء کا احصاء بھی ناممکن ہے۔ لہذا ہم جس عالم میں ہیں یہ عالم بھی دیگر عوالم کے مقابلہ میں بعض ہے اور جمیع ارض و سما بھی بعض ہی میں شامل ہیں۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جس مقام پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ خدا نے جمیع اشیاء کو ان حضرات کے واسطے پیدا کیا یہ بھی بعض ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات بھی تو اشیاء میں شامل ہیں۔ لہذا یہ حضرات مستثنیٰ قرار پائیں گے اور ان کے علاوہ جس قدر اشیاء ہیں وہ بعض اشیاء قرار پائیں گی لہذا ہم لفظ بعض کا مطلب خود ان ہی حضرات کے حوالہ کرتے ہیں۔

بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان ذوات مقدسہ کا اقتدار و اختیار اور اجرائے حکم ثابت ہے اور ارضی و سماوی مخلوقات حتیٰ کہ جمادات بھی زیر نگیں ہیں جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے۔

(۵) فیصلہ امور خلق کا تزلزل ان ہی ذوات مقدسہ پر ہوتا ہے ان بتواتر ہے جیسا کہ صیفہ مضارع سے ثابت ہے اور فیصلہ جات کا اجراء فرماتے رہیں۔ کیونکہ یہی حضرات دایاں، بر خدا اور یہی

ایسی امر خدا ہیں۔ ان ہی کی امانت میں فیصلہ جات نازل ہوتے ہیں اور پھر ان ہی کے ذریعہ احکامات صادر ہوتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بھی تحریر کر چکے ہیں۔

جناب علی بن ابراہیم رحمہ اللہ کتاب المبین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-
قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا۔ خداوند عالم نے کل قرآن پاک کو میت المعمور میں اسی رات نازل کیا پھر بیت ممور سے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس سال میں نازل ہوتا رہا۔

شب قدر وہ شب ہے جس میں کل امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یعنی خداوند عالم مقرر فرماتا ہے تمام امور حق و باطل کو اور جو کچھ اس سال میں ہونے والا ہے۔ مگر خدا کے اختیار میں بداء اور مشیت ہے وہ جس چیز کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے مؤخر کرے۔ یعنی اجل و رزق و بلا و مرض کی تبدیلیوں کا اختیار ہے اور ان میں کمی اور زیادتی کا بھی اختیار ہے۔

یہ تمام امور جناب رسالت پر نازل ہوتے ہیں اور آنحضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام کو اور حضرت امیر آئمہ علیہم السلام کو پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ حضرت صاحب الزمان علیہ السلام تک یہ تمام فیصلہ جات پہنچتی ہوتے ہیں۔ اور جن امور میں بدلہ و مشیت اور تقدیم و تاخیر ہوتی ہے اس کے شرائط بھی بتا دیئے جاتے ہیں۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ شب قدر ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تمام شب فرشتے ہمارا طواف کرتے رہتے ہیں۔ یعنی صرف سلام کے اور امور فیصلہ شدہ پہنچا کر واپس نہیں جاتے بلکہ ہمارا طواف طلوع فجر تک کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے صرف سفیر ہیں۔ فہم فیصلہ جات ان کا کام نہیں۔ جب ان کی ڈیوٹی ملتی ہے تب علم ہوتا ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

مؤلف صاحب اور ان کے ہم مشرب آئینہ مذکورہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح إِيَّاكَ نَعْبُدُ سے غیر خدا کی عبادت ممنوع ہے اسی طرح إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سے غیر خدا سے مدد و طلب کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ دونوں جملے حصہ کے معنی ہیں یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد و طلب کرتے ہیں لہذا جس طرح غیر خدا کی عبادت ممنوع اسی طرح غیر خدا سے طلب و بھی ممنوع ہے۔ لہذا براہ راست محمد وآل محمد سے مدد و طلب کرنا ممنوع ہے۔ ہاں ان کو وسیلہ بنا کر خدا سے مدد و طلب کر سکتے ہیں۔ براہ راست طلب کرنے والا کافر ہے۔ (اصول الشریعہ ص ۱۳)

تحقیق معنی عبادت و استعانت!

عبادت کے معنی لغوی حیثیت سے کسی کے سامنے اظہار و فرمانبرداری کرنا ہیں۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول خدا کے سامنے دوم اُس کی مخلوقات کے سامنے۔ دوسرے معنی کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہے اور کلام عرب میں بھی۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:-
وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ ابْنُ عَبَّادٍ بَنِي إِسْرَائِيلَ دِيَارَةُ ۱۹ سُوْرَةُ الشُّعْرَاءِ ۲۲
اور یہ بھی کوئی نعمت ہے جسے آپ مجھ پر جتا رہے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے (ترجمہ مولانا فرقان علی)
مجمع البحرین میں ہے ان عبیدات بنی اسرائیل ای اتخذنھم عبیداً (ارشاد)
یعنی عبیدت کے معنی غلام بنانا ہیں۔

اور اس معنی کے لحاظ سے خداوند عالم نے عباد ربندگان کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک قسم خدا کا عباد اور دوسری قسم لوگوں کا عباد۔ چنانچہ دوسرے معنی کے لئے خداوند عالم کا ارشاد ہے۔
وَاتَّخَذُوا إِلَٰهًا مِثْلَكَ مِنَ الصَّالِحِينَ مِنْ عَبِيدِكَ وَامَّا كَذِبُ دِيَارَةُ ۱۰ سُوْرَةُ نُوْرٍ ۲۲
اور نکاح کر دے شہر عورت اور بے روجہ مرد کا اور اپنے عباد اور آئندہ کا جو نکاح کے قابل ہیں اس آیت میں عباد کے معنی غلام ہیں اور آما کے معنی کنیز ہیں۔

معلوم ہوا کہ لفظ عبد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک معنی خدا کے ساتھ نسبت دے کر جیسے عبد اللہ یعنی بندہ خدا اور دوسرے معنی لوگوں کے ساتھ نسبت دے کر جیسے عبد العلی یعنی بندہ علی۔ اور چونکہ عبد کا ترجمہ بندہ اور غلام لہذا غلام اللہ اور غلام علی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شریعت اسلام نے لفظ عبد یعنی فرمانبردار کو خدا اور غیر خدا کے لئے دو جدا جدا معنی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے۔ خدا کے لئے جب عبد کا استعمال ہوگا تو اس کے معنی عَبْدُ الْوَحْدَانِۃ ہوں گے یعنی بلحاظ عبادت فرمانبردار۔ اور جب غیر خدا کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنی عَبْدُ الطَّاعَةِ ہوں گے یعنی بلحاظ اطاعت فرمانبردار۔ لہذا لفظ عبد مشترک ہے خدا کا بھی عبد اور غیر خدا کا بھی عبد۔ مگر معنی جدا ہیں۔ اب اگر باعتبار لغت دیکھا جائے تو لفظ عبادت "خدا اور غیر خدا دونوں کے لئے صحیح ہے مگر معنی جدا ہیں جیسا کہ ہم نے قرآن مجید کے آیات سے ثابت کر دیا ہے۔

لہذا آیات نعید کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم تجھ ہی کو معبود سمجھ کر تیری فرمانبرداری کرتے ہیں جیسا کہ کتاب المنجد لغت میں بھی ہے۔ لہذا خدا کے لئے لفظ عبادت اس معنی سے مخصوص ہوگا اور خدا ہی معبود قرار پائے گا۔ غیر خدا کی عبادت شرک ہوگی۔ اور لفظ عبادت یعنی فرمانبرداری کرنا بلحاظ آقا غیر خدا کے لئے بھی صحیح و درست ہوگا اور وہ آقا مولانا قرار پائے گا۔ یعنی عبد جس کے معنی متعبد ہیں یعنی فرمانبرداری کرنے والا، خدا اور غیر خدا دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ مگر چونکہ عرب عام میں لفظ عبادت صرف خدا کے لئے مستعمل ہے اس لئے غیر خدا کی عبادت ممنوع ہے۔ مگر عبادت بمعنی فرمانبرداری آقا مولانا سمجھ کر تحقیق جائز و صحیح بلکہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے واجب و عین ایمان ہے جیسا کہ امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

النَّاسُ عِبِيدُ لثَلَاثٍ الطَّاعَةِ مَوَالٍ لثَلَاثٍ الدِّينِ فَلْيَسْلُمْ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ رِبَّارِہٖ ۳۲۰

”یعنی لوگ ہمارے عہد میں ہماری اطاعت کرنے میں اور ہمارے موالی میں ہمارا دین قبول کرنے میں پس حاضر کو چاہئے کہ ہماری یہ بات غائب تک پہنچا دے“ اس حدیث کو مولف صاحب نے تسلیم کریں کہ عہد اعلیٰ و عہد احسن و عہد احسن ہوتا درست ہے۔ حدیث مذکور کو ہم مفصل طور پر تجویز کر چکے ہیں جس میں بعد الیادہ مخصوص خدای کے لئے ہے اور وہی مہبود برحق ہے۔

انسان فطری طور پر محتاج استمداد ہے!

”إِنَّا لَنَسْتَعِينُكَ مَطْلَب“

یہ امر یہی ہے محتاج دلیل نہیں ہے کہ نوع انسان فطری طور پر اپنے ضروریات زندگی میں محتاج تعاون ہے یعنی افراد انسانی کی کوئی فرد بھی ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور استمداد و استعانت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ نہ اپنے امور و خوراک میں اور نہ لباس میں نہ زینت و صحت میں نہ رفع مرض میں یعنی جملہ امور و معاش میں ایک دوسرے کی مدد کرتے بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مدد لیتے بھی ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص تنہا زندہ نہیں رہ سکتا۔ ایک نغمہ ناز کے لئے کتنے اسباب اور کتنی صنعتیں اور کار ہیں اور اسی طرح بدن چھپانے کے لئے اور اسی طرح گرمی و سردی سے حفاظت کے لئے لاتعداد اسباب و ذرائع اور بے شمار صنعت و حرفت کی ضرورت ہے اور اس امر میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مدد کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کو وہ اپنی ضرورت و حاجت براری کے لئے موزوں سمجھتا ہے اور اپنی حاجت و ضرورت کو اس لئے اس کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ خود تنہا اس کو انجام نہیں دے سکتا یعنی اپنے عجز کا مستند ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے ایک ایسی قوت اور ایسی قابلیت کا اعتراف و اقرار کرتا ہے جو اس شخص میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ایمان لانے والوں کو خداوند عالم نے امداد و تعاون کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے اور کبھی اس امداد کو صاحب قوت پر واجب کیا ہے اور کبھی منت قرار دیا ہے اور کبھی مباح فرمایا ہے اور اس کے لئے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے :-

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ - ”باہمی امداد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں“ اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں امداد نہ کرو۔ ”هُوَ الَّذِي آتَاكَ مِنْ صَدَقَاتِهِ وَبَارَأَ لَكَ

لِغُيُوبِكَ“ (انفال) لہذا مطابق حکم خدا امداد کرنا صاحب قوت کے لئے فعل مدد دہ ہے جہاں وہ نیکی و پرہیزگاری میں کسی کی امداد کرے اور اسی طرح صاحب حاجت کے لئے طلب مدد کا حکم ہے اور خود فطرت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ صاحب قوت سے مدد طلب کرے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔ ”وَأَن اسْتَصْوَدَّكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ“ (انفال) ہمارے اس بیان سے دو مطلب واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب اول ہر شخص اپنے ضروریات زندگی میں محتاج

ہے اور وہ فطری طور پر محتاج استمداد ہے اور صاحب قوت و قدرت کی طرف طلب حاجت کے لئے رجوع کرنا تقاضائے فطرت ہے۔ ان تنصروا اللہ ينصركم۔ (قرآن)

مطلب دوم: صاحب قوت و قدرت پر عقلاً و شرعاً مدد کرنا بھی واجب ہے کبھی سنت اور کبھی مباح۔ لہذا صاحب قدرت و قوت سے استمداد یعنی طلب مدد شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں ہے بلکہ تقاضائے فطرت ہے اور منجانب اللہ اس کی ہدایت ہے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے اور اسی طرح صاحب قوت و قدرت کا مدد کرنا شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں ہے بلکہ مقتضائے انسانیت ہے۔

امداد و استمداد شرک نہیں!

جس طرح حاجت مند کے لئے غیر خدا سے طلب مدد شرک نہیں اسی طرح صاحب قوت و قدرت کے لئے امداد و اعانت کرنا شرک نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں شرک اس وقت تصور ہو سکتا ہے جب حاجت مند کسی کو خدا سمجھ کر طلب کرے اور امداد کرنے والا اپنے کو خدا سمجھ کر مدد کرے چونکہ خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے لہذا کسی مددگار کو خدا یا مثل خدا سمجھ کر پکارنا اور مدد طلب کرنا شرک ہے۔ یہی مطلب ہے آیت ولاتدعوا مع اللہ الہا الاخر کا۔ یعنی خدا کے ساتھ کسی کو دوسرا خدا سمجھ کر نہ پکارو۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی غیر خدا کو مددگار سمجھ کر مدد نہ مانگو کیونکہ بغیر مدد زندگی خال ہے۔ لہذا جن کی بار پر اعتماد ہے ان سے مدد مانگنا تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔

شیخ خالصی نے کتاب احیاء الشریعہ میں اس کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا ہے جس کو مولف نے اصول شریعہ ص ۱۶ پر درج کیا ہے وہ ہرگز درست نہیں ہے۔ شیخ خالصی کا یہ فرمانا کہ دعائے فرج یعنی یا محمد یا علی اکفینی فانکم انی کافی ای و انصروانی فانکم انصاری۔ یہ کلمات کفر میں اور آیت ولاتدعوا مع اللہ الہا الاخر کے منافی ہیں۔ عدم تدبر و بے غورگی کی دلیل ہے۔

شیخ خالصی اور ان کے مریدوں نے اس کے پڑھنے والے کی نیت پرصریحی حملہ کیا ہے کیونکہ اس دعا کے پڑھنے والے اور اس کا مدد کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے مومنین مخلصین حضرت محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰ علیہم السلام کو خدا کے سوا دوسرا خدا سمجھ کر نہیں پکارتے ہیں اور وہ خود دوسرا خدا بن کر مدد بھی نہیں فرماتے ہیں بلکہ ہم خدا کا محبوب نبی اور خدا کا عزیز ولی سمجھ کر پکارتے ہیں اور بلا شک و شبہ حاجت روائی و مشکل کشائی فرماتے ہیں۔ اگر ہم انہیں خدا سمجھ کر پکارتے تو ہم یقیناً کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے۔

مگر ماشاء اللہ ہم نے کسی دوسرا خدا سمجھ کر نہیں پکارا بلکہ خدائے وحدہ لا شریک کا خلیفہ ولی سمجھ کر پکارتے ہیں بلکہ خدا کا مقرر فرمودہ وسیلہ سمجھ کر زیاد کرتے ہیں اور ہم ان کو کافی بھی سمجھتے ہیں اور ناصر و مددگار بھی۔ کیونکہ خود ان ذوات مقدسہ نے اپنے لئے یہ کلمات بالتحقیق بیان فرمائے ہیں: ونحن الولاۃ و الکفایۃ

والحماة والرعاة یعنی ہم ہی خدا کی طرف سے تمہارے ناصر و مددگار اور تمہارے لئے کافی و کافی اور تمہارے حامی و محافظ اور تمہارے راہی و دعا گو ہیں۔ جیسا کہ ہم پیشتر مفصل احادیث تحریر کر چکے ہیں۔ کتاب بلد الامین میں ہر گز خواب کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ بالمشافہ دعا تعلیم دی ہے۔ نیز احادیث معصومین سے یہ مطلب ماخوذ ہے اور یہ دعا اور کلمات فرج میں ایمان ملکہ حسب نیت عین الیقین بلکہ حق الیقین ہیں۔ ان کلمات کے معجزانہ آثار سے قاصرین و عاجزین غافل ہیں۔ خداوند عالم ان لوگوں کو بھی توفیق دے کہ ان کلمات فرج سے فیوض و برکات حاصل کریں۔

موالیان! طبیعت ظاہرین کو ایسے قشری مفتیوں اور ان کے حلقہ علیہ کے قاصر طالب علموں کی تحریروں کو قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ حضرت علامہ مجلسی کی تحقیق انتق کے مطابق ان لوگوں کو معرفت کلمات الہییت سے قاصر دعا جز سمجھنا چاہئے یہ لوگ ہمارے ایمان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

اسی طرح دوسری دعائیں مثلاً یا صاحب الزمان! ذکر کئی اور اسی طرح یا مستدتی و یا ملوٹی یا فاطمہ اغیثینی اور اسی طرح نادعلی کا ورد کر کے ان صاحبان اقتدار و صاحبان معجزات و کلمات بندہ گان خدا سے اپنی حاجتیں پوری اور اپنی مشکلیں حل کرانی چاہئیں۔ کیونکہ یہی ذوات مقدسہ با اقتدار و واسطہ و واسطہ خدا ہیں۔

جس طرح شریعت ان ذوات مقدسہ سے حاصل کی ہے اور یہ سمجھ کر کہ خدا نے ان حضرات کو وحی و لہام کے ذریعہ یہ علوم عطا کئے ہیں اس لئے یہی علوم صحیح ہیں۔ اسی طرح مشکلات و حاجات میں ان ہی ذوات مبارکہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ فیوض و برکات خداوندی کا منبع اور اس کی رحمت و واسعہ اور بی انتہا واسطہ بننا بزرگوار ہیں۔ اور یہ سمجھ کر استبداد و استعانت و دعا و پکار کرنا چاہئے کہ خدا نے قادر و قیوم نے ان کو یہ کلمات بھی عطا کئے ہیں اور اختیار بھی عطا کیا ہے۔

امور تکوین اور قاصرین

ہم مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں کہ حاجت مند اس سے مانگتا ہے جس پر اعتقاد حاجت براری ہوتا ہے اور اس کو صاحب قدرت و قوت سمجھتا ہے۔ اگر خدا سمجھ کر طلب کرے تو مشرک ہے اور اگر خدا نے قادر کا مظہر اور اس کے فیوضات کا مخزن سمجھ کر دعا و پکار کرے تو خدا کی عظمت و قدرت کا اقرار و ایمان ہے کیونکہ یہ ذاتی قوت و قدرت سے نہیں بلکہ الہی قوت و خدائی قدرت سے مشکل کشا و حاجت روا ہے۔ مؤلف صاحب میں جس قدر قوت و قوت ہے اس کے مطابق اپنے طالب علموں کی نصرت و مدد کرتے ہیں اور طالب علم ان سے علم کی بھی مدد لیتے ہیں اور دیگر ضروریات مثلاً خوراک و لباس کی بھی کیونکہ یہ حضرات مبنی قوت و قدرت رکھتے ہیں اتنی امداد فرماتے ہیں۔ اور طلبہ ان بزرگوں سے اتنی ہی دعا و پکار

کرتے ہیں جتنی ان کے بس میں ہے اور یہ امداد و استعداد نہ شرک ہے نہ کفر بلکہ میں مقتضائے فطرت ہے جس کا خود خدا نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی سرکار سے اتنی ہی طلب ہوگی جتنی ان ذوات مقدسہ میں قوت و قدرت ہے۔ اگر یہ حضرات سے زندہ کر دیتے ہیں، نابینا کو بینا بنا دیتے ہیں، مبروص کو شفا دے دیتے ہیں، سنگریزوں کو اسور بنا دیتے ہیں ریت کو آٹے میں تبدیل کر دیتے ہیں پانی کو یاقوت و زمرد بنا دیتے ہیں مشکلیں حل کر دیتے ہیں، قیدیوں کو چھڑا دیتے ہیں، چشم زدن میں ہزار ہا سیل پر پہنچا دیتے ہیں فقیر کو امیر کر دیتے ہیں، محتاج کو غنی بنا دیتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع فرمان ہے حتیٰ کہ جمادات بھی ان کی اطاعت میں ہیں جیسا کہ ہم مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ تو جس قدر ان حضرات کو قوت و قدرت حاصل ہے اس کے مطابق ان حضرات سے استعداد اور طلب و پیکار عین مقتضائے فطرت ہے۔ جتنی قدرت و طاقت حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو حاصل ہے اسی کے مطابق ان بزرگواروں سے دُعا و پیکار کر کے استعداد و طلب اعانت کر کے موالیانِ اہلبیت اپنے دامنِ مراد بھر لیتے ہیں۔ ان حضرات کی امداد و اعانت چونکہ نیابت و خلافتِ خداوندی میں ہے لہذا ان سے مانگنا درحقیقت خدا سے مانگنا ہے۔ اگر ان کی نیابت و خلافت کا لحاظ نہ رکھا بلکہ ان ہی خدا سمجھا گیا، تو شرک ہے۔ کفر ہے۔ حرام ہے گناہ ہے مگر ایسی ہے۔

مگر موالیانِ اہلبیت علیہم السلام سرکارِ محمد و آل محمد علیہم السلام سے صرف اس لئے مانگتے ہیں کہ یہ حضرات عزیزِ خدا، خلیفہِ خدا، دستِ خدا، خزانہِ خدا ہیں۔ اور ان حضرات سے مانگتے وقت والہانہ طور پر کچھ کلمات ناز و فخر بھی نکل جاتے ہیں جیسے ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کے نام لیوا ہیں، آپ کے در کے بھکاری ہیں، آپ کے دشمنوں سے مقابلے کرتے ہیں، آپ کی حمایت میں کیا کیا تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ لوگ ٹھنڈی ہوا میں نرم بستر پر سوتے ہیں اور کچھ عیش و طرب میں محوِ مشا ہیں اور ہم سب کچھ چھوڑ کر آپ کی مجلس میں خاک پر بیٹھتے ہیں۔ نہ بچوں کی پرواہ ہے، نہ گھر کا خیال ہے۔ تو کیا ہے مولا ہمارا خیال نہ کیجئے گا اور ہم غلاموں کی طرف نظرِ کرم نہ فرمائیے گا۔ مولا! ہم تو آپ ہی سے لیں گے اور ضرور لیں گے لے کر آئیں گے۔ آپ کے دربار میں آئیں گے آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ غرض ایسے کلمات محبت ان حضرات کی خدمت میں عرض کر سکتے ہیں اور علم یا صریح یا تعزیر یا ذوالجناح پکڑ کر اور اپنا قصور مولا کی طرف جہاں طلب مدد اور استعداد و فریاد کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں بلکہ کرنا چاہئے۔

مؤلف نے نجف اشرف و کربلائے معلیٰ میں اور دیگر مزارات پر موالیوں کو دیکھا ہوا کہ اگر دن میں رتی باندھ کر صریح مقدس سے بندھے ہوئے ہیں اور اپنی اپنی مرادیں لے کر ہی جاتے ہیں۔

آثار و تصرفات محمد و آل محمد علیہم السلام

مولف نے یہ اقرار فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے تصرفات ظاہری موت سے منقطع نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور ان کی حیات طیبہ برزخیہ کی حقیقت کو سمجھنا ہمارے عقول ناقصہ کی دسترس سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اصول الشریعہ ص ۱۴۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

”یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی موت سے ان کے آثار و تصرفات کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ ان آثار کا سلسلہ جاری رہتا ہے“

”اگرچہ ہم اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی حیات طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں یہ بات ہے۔ لیکن عدم وصال کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جاسکتا لہذا ان تصرفات کی حیات باطنیہ برزخیہ قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ و مجملہ سے ثابت ہے لہذا ان کی موت سے ان کے آثار و تصرفات منقطع نہیں ہوتے۔“

مولف نے تصرفات محمد و آل محمد علیہم السلام کو ناقابل انکار حقیقت قرار دے کر قہری طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ ظاہری موت کے بعد بھی آثار و تصرفات کا سلسلہ جاری رہتا ہے جب ان حضرات کی ظاہری موت کے بعد بھی آثار و تصرفات منقطع نہیں ہوتے تو حیات بعد مرگہ اولیٰ یہ آثار و تصرفات ثابت ہیں کیونکہ جب یہ حضرات بشری ہیكل میں تھے تو مردے بھی زندہ کرتے تھے اور باحقیق یہ حضرات بیماروں کو شفا بھی عطا فرماتے تھے۔ سنگرزوں کو انکسور بنا کر کھلا دیتے تھے۔ چند آدمیوں کا کھانا ہزاروں کو کھلا شکم سیر کر دیتے تھے۔ پانی کو یاقوت و جواہر میں تبدیل کر دیتے تھے۔ شیر قالین کو ختم شیر بنا کر کام لے سکتے تھے۔ درخت خشک کو سرسبز کر کے ٹھیکھا دیتے تھے۔ سنگرزوں سے کھجور پڑھوا سکتے تھے۔ آفتاب کو پٹا سکتے تھے۔ شمس القمر کر سکتے تھے۔ جانوروں کی فریادیں سن کر ان کی نصرت و مدد کر سکتے تھے اور آں واحدیں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے لوگوں کو ان کے وطن میں پہنچا کر اہل و عیال سے ملا کر واپس لا سکتے تھے مدد کے لئے چشم زون میں پہنچ سکتے تھے اور دشمنوں کے نعرے سے بچا سکتے تھے اور یہ سب کمالات امور تکوین ہی کہلاتے ہیں لہذا ظاہری موت کی وجہ سے یہ تمام آثار و تصرفات منقطع نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے راقداً و اہلبیت پائندہ ہاں

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انسان محتاج مدد ہے اور حاجت مند اپنے یقین کے مطابق اس ہستی سے مدد مانگتا ہے جو مدد کر سکتا ہو۔ لہذا ان والیاں امر سے مدد مانگنا دعا کا پکار کر ناعین ایمان ہے کیونکہ ان کے تصرفات جاری و ساری ہیں۔ ہاں وہ لوگ امداد نہیں طلب کر سکتے جو ان کو اپنی نوع سمجھ کر اپنی طرح بے بس عاجز سمجھتے ہیں۔ مگر دینی زبان سے اقرار تصرفات و آثار بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر رگ ناصبیت پھر کئی ہے

اور یوں تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ کیجئے اصول الشریعہ ص ۱۴۱۔

”ما قابل انکار دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ امور تکونیہ خلق و رزق، امات و احیاء اور شفا وغیرہ میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام سفارش کرنا ہے ان کی انجام دہی قطعاً ان کے متعلق نہیں نہ بطور تفویض نہ بطور توکیل اور نہ بطور اکالت وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لئے یہ معنی خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور ان کے قبضہ و اختیار میں نہیں تو پھر ان امور کو ان سے طلب کرنا اور براہ راست اس سلسلہ میں ان سے استدعا حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اگر غیر فعال ان لوگوں کے خیال کے مطابق چند لمحات کے لئے تفویض غیر استقلال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہمارے ائمان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ بنابرین کرتا تو پھر بھی سب کچھ خدا ہے صرف ظہور ان سے ہوتا ہے۔ اپنی مرضی و منشاء سے وہ کچھ نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔“ (اصول الشریعہ ص ۱۴۱)

دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے (اصول الشریعہ ص ۱۵۲)

”بب ساقی عالم نے امور تکونیہ خلق و رزق اور امات و احیاء و شفاۓ امراض وغیرہ کی انجام دہی سرکار محمدہ و آل محمد علیہم السلام کے سپرد فرمائی ہی نہیں۔ بلکہ ان امور میں ان کا کام صرف سفارش کرنا ہے تو پھر اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استدعا و سفارش کے اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔ مولف صاحب کی یہ جو مملوح حضرات محمدہ و آل محمد علیہم السلام کے باب میں کس قدر حیرت انگیز گستاخانہ کردار ہے کہ جس پر کسی بصورت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک ایک لفظ سے تقییس الہییت کا پہلو نمایاں ہے۔ مگر ہم موالیان الہییت علیہم السلام (متناضرہ در عرض کریں گے کہ جب یہ حضرات معصومین اپنی مرضی و منشاء سے کچھ نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں اور ہمارے خدا بھی نہیں کر سکتے ہیں تو یہ حضرات عالی درجات پھر سے بھی ذالمت تر ہو گئے کہ ہمارے خلافت پھر نظام چلا سکتا ہے مگر یہ بزرگوار اس کے برابر بھی نہیں ہیں۔“

اب مولف کے اس اعتراف کے بعد کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کچھ کر ہی نہیں سکتے ہیں عقیدہ مجربہ بالکل واضح ہو گیا لہذا ان کی کوئی مردود ان کی اقتداء میں نماز باطل و زکوٰۃ دینا گناہ، ذبیحہ حرام، کیونکہ بالکل صاف طور پر دکر سکتے ہیں کی نفی کر دی ہے جس کو جبر کہتے ہیں۔ لہذا فرقہ مجربہ میں ان کا شمار خود ان کی تحریر اور اقرار و اعتراف سے ثابت ہے۔ انا للہ وانا الیہ مراجعون۔

ایناک نستعین کی تفسیر

مولف صاحب نے آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ بلاغی علیہ الرحمہ کی تفسیر آلاء الرحمن ص ۷۵ سے مندرجہ ذیل عبارت اپنے مقصد کے ثبوت میں اصول الشریعہ کے ص ۱۴۱ پر تحریر فرمائی ہے ملاحظہ کیجئے۔

قال الله تعالى في سورة المائدة تعادونوا على البر والتقوى. اما المعاونة في
المناجات فهي احسان امر الله به ايضا في كتابه بقوله تعالى في سورة النحل
ان الله يامر بالعدل والاسمان. وفي سورة البقرة آل عمران ان الله يحب
المحسنين. والمعلوم بضرورة من سيرة النبي واصحابه والائمة والمسلمين
انهم يستعينون في غالب امورهم بالمباحة بالالات والدابة والخدام و
الزوجة والصاحب والرسول والاجراء وغيرهم وفي سورة البقرة استعينوا
بالصبر والصلوة وفي سورة النساء ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك
فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجود الله توابا رحيمًا. فقه
لامهم على عدم محبتهم لا استعانة على المغفرة باستغفار الرسول و
هكذا يكفي في الجنة والدلائل على ان الاعانة ليست بجميع اقسامها
منحصرة بالله وعلى انه لا يلزمنا ان نعقر استعانتنا بقول مطلق
على الله تعالى وتفصيل ذلك هو اننا ننظر الى استعانات البشر قولاً و
عملاً فتراها تكون على نوعين (النحو الاول) هو الاستعانة بالوسائل
المجعولة من الله لنيل المقصود التي هي وما فيها من التسبب من
جعل الله تعالى وخلقها (النحو الثاني) وهو الاستعانة بالاله بآله
معين بالهيته وقدرته الذاتية المطلقة الغائقة ولا مرئيب في ان
النحو الثاني من الاستعانة هو المتيقن في قصده على الله لان الاستعانة
بهذا النحو اذ كانت لغير الله كانت تاليها لذلك الغير واشراكا بالله
ومما ذكرنا من الآية والسيرة واقتران اياك نعبد واياك نستعين في
سياق توحيد الله وتمجيد به بالمجد الالهي تقوم بالحجة وتنتصم الاله
على ان هذا النحو من الاستعانة هو التمام المقصود على الله دون النوا اول-
خداوند عالم نے سورۃ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ آیت) نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک
دوسرے کی مدد کرو۔ ہاں مباح کاموں میں بھی مدد کرنا نیک سلوک ہے جس کے لئے سورۃ نحل میں
حکم دیا ہے (ترجمہ آیت) یقیناً خدا تمہیں انصاف کرنے اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورۃ غفرہ
اور سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے کہ خدا نیک سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ جناب رسول خدا
واصحاب و ائمہ مسلمین کی سیرت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح کاموں میں
مدد لینے کے آلات و وساری و قادم و زود و ہر اور ساتھی اور قاصد و نوکر وغیرہ سے اور سورۃ بقرہ میں

ہے (تجربہ آیت) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ اور سورۃ نسا میں ہے (تجربہ آیت) اور اگر وہ لوگ جبکہ گناہ کر چکے تھے تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ ان کی مغفرت کی سفارش کر دیتے تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پالتے۔ اور خداوند عالم نے ان لوگوں کی ملامت کی ہے کیونکہ رسولؐ کی خدمت میں سفارش حاصل کرنے کے لئے حاضر نہ ہوئے یعنی رسولؐ خدا سے مدد حاصل نہ کرنے وجہ سے مذمت کی ہے۔ یہی پیش کردہ آیات اس امر کے ثبوت و حجت کے لئے کافی ہیں کہ ہر قسم کی امداد خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور نہ ہم پر یہ لازم ہے کہ ہر قسم کی مدد خدا ہی سے مانگیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر بشر قوی و غلی مدد مانگتا رہتا ہے اس کے مدد مانگنے کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اول یہ ہے کہ ہر بشر ان وسیلوں سے مدد لیتا ہے جو خداوند عالم نے حصول مقصد کے لئے مقرر فرمائے ہیں یہ وسیلے خداوند عالم کی طرف سے حصول مقصد کے لئے معین کئے گئے ہیں، اور ان میں حصول مقصد کی جو بسببیت پائی جاتی ہے وہ خدا ہی کی خلق کردہ ہے۔ لہذا اس اعتراف کے ساتھ ان وسائل سے مدد مانگنا شرک نہیں ہے کیونکہ خدا ہی نفع کو حصول مقصد کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہاں جن کو خدا نے وسیلہ نہیں قرار دیا ہے ان سے مدد مانگنا شرک ہے جیسے بتوں سے مدد مانگنا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ معبود کو معبود سمجھ کر مدد مانگی جائے کہ وہ اپنی معبودیت اور قدرت ذاتیہ مطلقہ فائقہ کی شان سے معین و مددگار ہے تو یہ طلب مدد بالیقین خدا ہی کے لئے منحصر ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کسی کو معبود سمجھ کر مدد طلب کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک دوسرا معبود خدا کے سوا تسلیم کر لیا گیا ہے اور خدا کا شریک قرار دے لیا گیا ہے اور ہم نے سابق میں جو آیات اور سیرت پیش کی ہے اس کی روشنی میں اور آیات ثقیلہ کے ساتھ اِنَّكَ فَتَنَّا بِهِنَّ فَاسْتَبْعِنُوْا کَا اتصال خاص اور توحید و تمجید خدا کا اس کی بزرگی کے ساتھ ایک ہی کڑی میں بیان ہونا اس امر کی حجت و دلیل واضح ہے کہ صرف یہی قسم استعانت یعنی طلب مدد خدا کے ساتھ مخصوص اور اسی کی ذات کے لئے مختص ہے پہلی قسم مخصوص نہیں ہے۔

علامہ بلاغی کی اس تفسیر سے مسئلہ استعانت یعنی طلب مدد بالکل واضح ہو گیا کہ کسی کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرنا اور معبود سمجھ کر ہی مدد طلب کرنا شرک ہے، کفر ہے، ضلالت ہے، گمراہی ہے، خروج از دین ہے۔ مگر کسی کو وسیلہ مقررہ خدا سمجھ کر اس سے مدد مانگنا دین ہے، ایمان ہے، معرفت ہے، یقین ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام سے مدد طلب کرنا درحقیقت خدا ہی سے مدد

طلب کرنا ہے کیونکہ خود اسی نے ان ذوات مقدسہ کو وسیلہ قرار دیا ہے بلکہ ان کی غرض خلقت ہی وسیلہ بنانا ہے اور حصول مقصد ان حضرات کے بغیر ممکن نہیں ہے خواہ اس کا تصور دعائی ہو یا نہ ہو۔

اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشا علی!

موالیانِ اہلبیت اسی مصرعہ کو ایمان سمجھتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو اپنی ہر مشکل و حاجت میں براہِ راست پکارتے ہیں کیونکہ حضرت خداوند عالم نے وسیلہ نصرت خود مقرر فرمایا ہے اور جابر السائب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ہم سے اپنے لئے ناصر و مددگار طلب کرو تاکہ ہمارے مقرر کردہ ناصر ہی سے طلب یہ دے کر تے رہو۔ جب ضرورت پڑے اسی مددگار کو پکارو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:-

قل رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيبا۔ (بنی اسرائیل،

اے رسول! میںوں دعا کرو میرے پالنے والے مجھے داخل کر رہبھوں) پچائی کا دوسرا اور مجھے نکال رہبھوں پچائی کا خروج اور قرار دے میرے لئے اپنی جناب سے طاقتور مددگار۔

خداوند کریم نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور انہیں علی بن ابی طالب عطا فرمائے گئے (تفسیر البر، ج ۱ ص ۱۶) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے مجمع اصحاب میں فرمایا:-

قال نشدتكوباد الله هل فيكوا احد قال له رسول الله اللهم اجعله لي عوناً وعضداً وناصراً غيري قالوا لا۔ (استحاج ص ۱۶)

میں تم لوگوں سے خدا کی قسم نے کہ دریافت کرتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے لئے میرے سوا رسول خدا نے خدا سے یہ دعا کی ہو کہ اس کو میرے لئے عون یعنی اعانت کرنے والا عضد یعنی میرا قوت بازو و ناصب یعنی میرا مددگار بنادے تمام اصحاب نے جواب دیا انہیں آپ کے سوا کسی کے لئے یہ دعا نہیں کی۔

در حقیقت یہ دعائے رسول تعیل امر ضای ہے۔ کیونکہ بغیر مشیت و امر خدا حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کرتے تھے۔ اور دعا کا حکم آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ اے رسول! سے معین و مددگار مانگو خدا کے حکم سے آنحضرت نے اپنے لئے عون، عضد و ناصر علی بن ابی طالب کو مانگا۔ خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنی جناب سے علی بن ابی طالب کو عطا فرمایا۔

اس آیت کے ظاہری کلمات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو طاقتور مددگار مانگنے کا حکم ہے جو نصیر ہو یعنی دوائی و مدد دہنے والا۔ اگر خدا کو بغیر سے استعانت ناپسند ہوتی تو مددگار مانگنے کے لئے خود حکم نہ دیتا اور نہ آنحضرت ہی ذاتِ خدا سے مدد مانگنے کے بجائے کوئی مددگار مانگتے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا کا معین کردہ

مددگار اور اس سے طلب مدد و استعانت نہ شرک ہے نہ کفر؛ نہ حرام ہے نہ گناہ۔ لہذا شیخ خالصی نے جو کچھ احیاء الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے براہ راست مدد مانگنا کفر و شرک ہے یہ شیخ صاحب کی اپنی رائے ہے۔ اور ایسے قیاس موابیان اہلبیت کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جبکہ قرآن و حدیث سے استعانت و طلب امداد وغیرہ خدا سے ثابت ہے مگر اس ہستی سے کہ جس کو خدا خود مقرر کرے۔

شیخ خالصی کی مدح سمرانی

چنانچہ اصول الشریعہ ص ۱۶ پر مولف نے ان کی شان میں یہ قصیدہ تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے۔ علامہ العصر حضرت آقا شیخ محمد الخالصی قدس سرہ اپنی کتاب جلیل احیاء الشریعہ میں مذہب شیخ حماد و مشاہیر و فطرانہ ہیں۔ یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں جو بظاہر توحید کے منافی ہیں اور جن سے غلو کی بو آتی ہے جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا رب جناب رسول خدا کے ذمہ ہے یا حضرت علی یا حضرت فاطمہ یا دیگر ائمہ ہدی کے ذمہ ہے۔ یا ان کا یہ قول کہ حضرت امام حسین تمہیں رزق دیں یا حضرت عباس تمہیں شفا عطا فرمائیں یا اس قسم کے اور الفاظ جس طرح ہمارے ہاں عوام کہتے ہیں اللہ و بختیں پاک تمہیں مال اور اولاد دیں، اللہ و بختیں پاک نے سب کچھ دے رکھا ہے، اللہ و بختیں پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہ، اور بعض لوگ براہ راست جناب رسول خدا یا دیگر ائمہ ہدی سے رزق، ثناء، اور اولاد یا کمزریات کے رفق کی دُعا میں کرتے ہیں پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے حقیقی معنی ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ ذوات مقدسہ ہی یہ کام انجام دیتے ہیں، پھر تو یہ کافر ہیں ان پر تمام احکامات کفر مرتب ہوں گے۔

مولف نے شیخ خالصی صاحب کے اس بیان میں اپنی طرف سے جو براہین و تشریحات فرماتے ہیں وہ بظاہر غائر مطالعہ کیجئے۔ کیونکہ ان صاحب نے اللہ و بختیں پاک کا لفظ تحریر فرمایا ہے اور پھر اس کے قائل کو کافر لکھا، خالصی صاحب نے صرف رسول و امام سے مانگنے والوں کو کافر فرمایا تھا۔ مگر ان صاحب نے اللہ و بختیں پاک سے مانگنے والے کو بھی کافر لکھا ہے۔ ان کی من و عن پھر بڑھنے۔ حالانکہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے جدا جدا حضرت محمد مصطفیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ خدا کے ساتھ ہمیں مشیت خدا میں اس طرح شامل کر سکتے ہو۔ ماشاء اللہ ثم ماشاء محمد ثم ماشاء علی۔ یعنی اگر خدا چاہے پھر محمد چاہیں پھر علی چاہیں؛ تو اس صورت میں کوئی شرک نہیں ہے اور نہ خدا سے برابری دوسری ہے۔ لہذا اللہ و بختیں پاک کو ملا کر دُعا دیکار بھی صحیح ہے اور ائمہ کے لئے انشاء اللہ میں ملا دینا بھی درست ہے۔ اس کے بعد رقمطراز ہیں:-

اندیشہ ہے کہ کوئی جاہل اس عالم جلیل پر دہانی ہونے کا فتوے نہ لگا دے۔ (اصول الشریعہ ص ۱۶) مولف کو فتوے دہانی کا اندیشہ کیوں ہوا اور اپنے لئے کیوں نہیں ہوا جبکہ بختیں پاک کے ساتھ اللہ کو ملا کر دُعا کرنے والے کو بھی کافر تحریر کر رہے ہیں۔ شیخ خالصی نے صرف لکھا تھا کہ رسول خدا اور ائمہ

سے براہ راست طلب کرنا کفر ہے۔ انہوں نے خدا کو شامل کئے بغیر رسول و آل رسول سے مانگنا کفر کہا تھا۔ مگر مولف صاحب خدا کو ملا کر مانگنے والے کو بھی کافر ٹھہرا رہے ہیں۔ پھر ان کے لئے اندیشہ کیوں نہ ہو۔ ہماری تحقیق کے مطابق وہ ابیت کے بجائے آثارِ انصافیت کہنا چاہئے۔

فتویٰ کفر کا جواب حضرت علامہ العصر شیخ محمد جواد بلاخی کی تفسیر الہ الرحمن ص ۵۹ میں موجود ہے جس کو ہم نے سابق ادراک میں اصول الشریعہ ص ۱۴۷ سے من وعن نقل کیا ہے۔

خدا نے تمہارے ان صاحب سے صاف صاف لکھوا لیا ہے کہ صرف وہ استغانت یعنی طلب مدد کفر ہے جو غیر خدا کو معبود برحق سمجھ کر طلب کی جائے۔ چنانچہ علامہ بلاخی کی عبارت عربی کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

دوسری قسم کی استغانت وہ ہے جو معبود برحق سے بحیثیت معبود برحق قادر مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ استغانت وہ ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ اس قسم کی استغانت جب غیر خدا سے حاصل کی جائے تو اس سے اس کا معبود برحق بنانا اور اس کا خدا کے ساتھ شریک ہونا لازم آتا ہے۔ اصول الشریعہ ص ۱۴۸

ان کی نیت ان کی اس تحریر سے واضح ہو جاتی ہے۔ خود ہی تسلیم کر رہے ہیں کہ کسی کو معبود برحق و قادر مطلق سمجھ کر طلب کرنا خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس طریقہ سے استغانت یعنی طلب مدد غیر خدا سے نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اگر غلطیہ خدا، وسیلہ خدا، محبت خدا، دست خدا، عزیر خدا، محبوب خدا، ولی خدا سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو ہرگز نہ کفر ہے، نہ شرک ہے، نہ گناہ ہے نہ حرام۔ اور یہی مطلب ہے آیات نستعین کا جس کو ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں یعنی معبود سمجھ کر ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور معبود سمجھ کر تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

لہذا موالیانِ اہلبیت اگر گستاخ مولف کے فتویٰ کفر کے اندیشہ سے بچتے ہوئے پاک کے ساتھ اللہ کو بھی شامل کر لیتے تھے اب وہ ہرگز لفظ اللہ کو شامل نہ کریں بلکہ صرف بچتے ہوئے پاک سے مدد مانگیں اور اعتقاد یہ رکھیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کو سب کچھ خدا نے ہی عطا کیا ہے اور یہ اسی قادر مطلق و قیوم برحق کے وساطت میں اور خوب جہج جہج کر چلا چلا کر مانگئے۔ یہی ایمان ہے، یہی دین ہے اور یہی طریقہ قبولیت ہے۔

قسم اول استغانت کا ترجمہ مولف نے غلط کیا ہے ان کے ترجمہ کی روشنی میں تو بتوں سے مدد مانگنا بھی جائز ہو جائے گا۔ لوگ اگر کسی کو خود وسیلہ مقرر کر کے مدد طلب کریں گے تو ان کے ترجمہ کی بنا پر جائز ہوگا کیونکہ انہوں نے لفظ خلق کے معنی مخلوق سمجھے ہیں حالانکہ اس عبارت میں خلق و جعل دو لفظ نہ کو رہیں اور دونوں مصدری معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مگر اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل کیا ہے ہم عربی عبارت اور ان کا ترجمہ دونوں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اصول الشریعہ ص ۱۴۹

”النحو الاول هو الاستعانة بالوسائل المجعولة من الله لنيل المقصود

التي هي وما فيها من التسييب من جعل الله تعالى وخلقه -
پہلی قسم استعانت کی وہ ہے جو خدا و خلق کے ان مقرر کردہ وسائل و اسباب سے حاصل کی جاتی ہے جو مقصد برآری کے لئے مقرر ہیں۔

موتلف کے اس ترجمہ کو نظر غائر پڑھئے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وسائل استعانت کچھ خدا کے مقرر کردہ ہیں اور کچھ خلق کے یعنی تمام وسائل خدا ہی کے مقرر نہیں ہوتے ہیں بلکہ کچھ وسائل خود لوگ مقرر کرتے ہیں اور ان کے مقررہ وسائل سے مدد طلب کرنا صحیح و درست ہے لہذا اگر کوئی شخص بتوں کو وسیلہ مقرر کرے اور اس کو خدا سمجھ کر نہیں بلکہ وسیلہ سمجھ کر مدد طلب کرے تو ان کے نزدیک صحیح و درست ہوگا جیسا کہ کافر کہتے تھے کہ ہم نے بتوں کو خدا نہیں بنایا ہے (لیقربونا الی اللہ ذلنہ) بلکہ خدا کے تقرب کا ذریعہ بنایا ہے۔

حالانکہ صحیح مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ خداوند عالم نے جن کو حصول مقصد کا وسیلہ مقرر کیا ہے صرف ان ہی وسیلوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔ یہ وسیلہ خدا ہی نے مقرر کئے ہیں اور ان وسیلوں میں حصول مقصد کی سببیت خدا ہی نے خلق کی ہے نہ کہ لوگوں نے۔ لہذا خدا کے مقررہ وسیلوں سے استعانت درحقیقت خدا ہی سے استعانت ہے کیونکہ وہی جاعل وسیلہ ہے اور وہی حصول مقصود کے لئے خالق سببیت ہے۔

لہذا خدا نے جن کو وسیلہ حصول مقصد مقرر کیا ہے اسی سے مدد طلب کرنا صحیح و درست ہے نہ کہ اپنے مقررہ وسائل سے جن کو خود لوگ بنالیں۔ افسوس ہے کہ لوگوں کے خود بنائے ہوئے وسیلوں سے مدد طلب کرنا صحیح و درست سمجھتے ہیں مگر خدا کے مقررہ وسیلوں سے مدد مانگنا کفر و شرک بتاتے ہیں اور اہل پر احکام کفر جاری فرماتے ہیں۔ ایسے اجتہاد پر ہزار اہل بیس قربان۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موتلف صاحب نے عبارت عربی کا ترجمہ موالیان الہییت پر غیظ و غضب کی حالت میں کیا ہے ورنہ یہ تو گئے گزرے نہیں ہیں کہ عبارت عربی کا ترجمہ بھی نہ کر سکیں۔ مگر غصہ میں انسان کا توازن دماغی مفقود ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کو اپنا فتوئے کفر اپنے ہی قیاسی وسیلوں سے استمداد پر فرمانا چاہئے۔ یہ ہے ناصبیت کی نقد سزا جو تقلم خود موتلف صاحب کے سر پر مسلط ہے۔

افعال اولیاء و افعال خدا میں تفریق کفر ہے

ان الذین یکفرون بالله و مرسلہ و یریدون ان یفرقوا بین اللہ و مرسلہ - یقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا

بین ذالک سبیلا اُولئک هم الکافرون حقوا اعتدنا لک کافرین عذابا
مہینہ (سورۃ نسا)

وہ لوگ جو خدا اور اس کے سفراء کا انکار کرتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ خدا اور اس کے سفراء
میں تفریق پیدا کر دیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور یہ ارادہ
کرتے ہیں کہ اس کا درمیان راستہ اختیار کریں یہ لوگ بالتحقیق کافر ہیں اور ہم نے کافروں
کے لئے اہانت کرنے والا عذاب ہبسا کر رکھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ طالقانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں :-
مصوبین علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کو خداوند یکتا کے ساتھ کوئی رابطہ و آشنائی
نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انتہائی کمال و جلال و سلطنت بے زوال کا مالک ہے اور ہم انتہائی کمزوری
و تاریکی و جہالت رکھتے ہیں وہ ہمارے حواس ظاہر چشم گوش دماغ و زبان اور دست و پا کے
نہیں پہچانا جاسکتا اور اسی طرح ہمارے حواس باطن بھی اس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکتے
اور ہمارے اور اس کے درمیان کوئی سوال و جواب، کوئی گفتگو و مکالمہ بھی نہیں ہو سکتا۔
اور نہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی نامہ و پیام ہی ہے۔

جو شخص تنہائی میں غور و فکر کرے گا اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی
رابطہ و آشنائی نہیں ہے اور براہ راست اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
خداوند عالم نے اسی تعلق و آشنائی اور رابطہ و واسطہ کو قائم کرنے کے لئے اپنے اور ہمارے
درمیان اپنے نائب و خلیفہ اور حکام و راعی مقرر فرمائے جن کو انبیاء و ائمہ کہتے ہیں۔

جس طرح بلاشبہ بادشاہان دنیا اپنی سلطنت کے انتظام کے لئے دور و دراز مقامات
پر اپنے حکام بھیجتے ہیں کیونکہ ان کی رعایا خود ان کے دربار میں اور وہ خود اپنی رعایا کے پاس
بذات خود نہیں پہنچ سکتے ہیں البتہ خدا کی قدرت کاملہ ہر ایک کی رگ گردن سے بھی قریب
ہے مگر ہم اس کی ذات مقدس سے باریابی نہیں رکھتے ہیں،

یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ خلیفہ و نائب ہر جہت سے وہی منزلت حکم رکھتا ہے جو بادشاہ کو
حاصل ہے یعنی اس کی رضا اس کی رضا اس کی اطاعت اس کی اطاعت اس کا غضب اس کا
غضب اس کی مخالفت اس کی مخالفت اس کی التفات اس کی التفات اس کی بے رغبتی اس
کی بے رغبتی اس کی بیعت اس کی بیعت اس کی محبت اس کی محبت اس کی عداوت اس کی
عداوت اس کی صلح اس کی صلح اور اس کی جنگ اس کی جنگ ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں خود بادشاہ سے تعلق رکھتا ہوں اور اس کے نائب و خلیفہ کو

حاکم نہیں مانتا ہوں تو درحقیقت اس نے بادشاہ کی مخالفت اور بادشاہ سے سرکشی کی ہے اور ایسا شخص مستحق سزا اور لائق عقوبت ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی سلطنت میں مداخلت کا مرتکب ہے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو پھر خلیفہ و نائب کا مفہوم و مقصد ہی باطل ہو جائے گا۔ لہذا انبیاء و ائمہ علیہم السلام بلاشبہ اسی طرح خدا کے نائب و خلیفہ ہیں جس طرح بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہے۔

خداوند عالم نے اپنے حاکم و نائب کے لئے لفظ خلیفہ ارشاد فرمایا ہے جس طرح حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لئے مذکور ہے۔

یہی مطلب ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اُس حدیث کا جو تفسیر صافی اور کتاب کافی میں مندرج ہے کہ خدا کی رضا و غضب درحقیقت اس کے اولیاء کی رضا اور غضب ہے (جیسا کہ سابق میں تحریر کیا جا چکا ہے) اور منصب نیابت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کا نائب حاکم و مطاع ہے اور اس کی مخلوقات اس کے تابع فرمان ہے اور یہی نائب خدا کے فیوض و برکات مخلوقات تک پہنچانے اور مخلوقات کی درخواست خدا تک پہنچانے کے لئے واسطہ ہے اور اس کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور خدا کے اوامر و نواہی اور فیوض و برکات مخلوقات تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام سے بہتر کوئی نائب سفیر نہیں ہے اس لئے تمام عالم پر خدا کی طرف سے ان ہی ذوات مقدسہ کی فرمان دہائی ہے۔ اور یہ امر واضح ہے کہ دنیا میں گمراہی کا سبب یہی ہے کہ خدا کے سفراء و نائبین کی معرفت اطاعت حاصل نہیں کی اور اپنی قیاس آرائی پر اعتماد کر لیا اور گمراہ ہو گئے لہذا بغیر سفراء و خلفاء خدا تک پہنچنا محال ہے۔ اور خدا اور سفراء خدا میں تفریق کرنا کفر ہے۔ اور وہ تفریق یہ ہے کہ ان کے افعال و اقوال اور احکام کو خدا کے افعال و اقوال اور احکام کا درجہ نہ دیا جائے۔

(کاشف الاسرار ص ۶۳)

یہی مطلب ہے توقیع مبارک حضرت صاحب الزمان مجل الشرفۃ کا جو درحقیقت اس آیت کی تشریح ہے کہ

لا فرق بینک و بینہم الا انھم عبادک و خلقک۔ (علم الیقین و منافع الجنان)

یعنی اے خدا تجھ میں اور محمد و آل محمد علیہم السلام میں کوئی فرق اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں۔ یعنی تیری جانب سے وہ تیری مخلوقات پر تیرے نائب و حاکم ہیں۔ گویا وہ تو ہے اور تو وہ نہیں۔

انھم کہو و لیس ہو کہو یعنی حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام مثل اس کے ہیں امر و

ہی اطاعت و محبت و نصرت اور قول و فعل اور غیظ و غضب اور رضا و خوشنودی میں مگوہ ان کے مثل نہیں ہے نہ ذات میں اور عنایت صفات میں۔

اب اس عقیدہ کے بعد ان ذوات مقدسہ سے مدد طلب کرنا و حقیقت خدا سے مدد طلب کرنا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات خدا کے سفراء و خلفاء و حکام و ائمان ہیں اور ان کے تمام اختیارات خدا ہی کے عطا کردہ ہیں۔ لہذا ان حضرات کو اپنے مشکلات و حاجات میں پکارنا آیت مذکورہ پر عمل ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے سفیروں میں تفریق کرنا کفر ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ و مرسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ و مرسلہ۔

یعنی جو لوگ کافر ہیں اور خدا اور اس کے سفیر میں تفریق کرتے ہیں وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ لہذا ان کو نیابت خداوندی سے کسی وقت بھی علیحدہ نہ کرو۔ عبد ملتے ہوئے تمام کمالات الہی کا مظہر اتم تسلیم کرو اور احیاء و امامت خلق و رزق شفاء و ایفاء سب کچھ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ان صفات کے معانی کا مقصد ان ہی کے افعال کے ذریعہ سے سمجھا جاتا ہے اور یہی حضرت و سبلہ معرفت ذات و صفات ہیں لہذا ان سے براہ راست مدد طلب کرنا ہی تفریق سے بچنا ہے۔

علی ناصر کل انبیاء ستر او جہرا

لقد امر سلنا بالبینات و انزلنا معہم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس و لنعلم اللہ من ینصرک و مرسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز۔ ۲۵
(سورۃ حدید پارہ ۲۷)

یقیناً ہم نے اپنے سفیروں کو معجزات دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ راہ راست پر قائم رہیں۔ اور ہم نے خاص لوہے کو نازل کیا جس میں سخت رعب و قوت اور لوگوں کے فائدے ہیں تاکہ خدا کو علم ہو جائے یعنی لوگوں کو بتادے کہ وہ کون شخص ہے جو خدا اور اس کے رسولوں کی پوشیدگی کے ساتھ مدد کرتا ہے۔ یقیناً خدا زبردست غالب ہے۔

سابقہ ادراک میں قرآن و حدیث اور دلائل عقلیہ کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام مخلوق اول ہیں اور لاشے سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام عوالم میں تعلیم عبادت ان ہی ذوات مقدسہ کا

فیض ہے۔ فرائض نبوت و امامت کی انجام دہی ان ہی حضرات سے متعلق رہی ہے۔ یہی حضرات محدثین نبوت اور محیط ستر خدا و مرکز ولادت ہیں۔

مولانا کو شیخ و عبادت اور جبرئیلؑ کو تعلیم معرفت خلائق کی نصرت و ہدایت فرماتے رہے ہیں۔ اس آیت میں میزان سے مراد امام ہے جیسا کہ تفاسیر اہلبیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی ج ۳ ص ۳۵۲ طبع نجف میں ہے۔

قال المیزان الامام۔ یعنی میزان سے مراد امام ہے۔

اور تفسیر البرہان جلد ۱ ص ۱۰۹۳ میں امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

نحن المیزان وذالك قول الله عز وجل في الامام ليقيم الناس بالقسط ومن كبر بين يدي الامام وقال لا اله الا الله وحده لا شريك له كتب الله له رضوانه الاكبر يجمع بينه وبين ابراهيم ومحمد والمرسلين في دار الجلال قلت وما دار الجلال قال نحن الدار وذالك قول الله عز وجل تلك الدار الآخرة للذين لا يبريدون في الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين قال الله عز وجل تبارك اسم ربك ذي الجلال والاكرام نحن جلال الله وكرامته التي اكرم تبارك وتعالى العباد بطلاعتهم۔

”ہم ہی میزان ہیں جو ہر نبی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں تاکہ لوگ راہ راست پر قائم رہیں۔ اور خدا کا مقصد اس میزان سے امام ہے۔ جو شخص حضور امام میں تکبر کرے اور لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک کہے ادا کرے تو خداوند عالم اس کے لئے رضوان اکبر لکھ دے گا اور اس کو حضرت ابراہیم و محمد مصطفیٰؐ و مرسلین کے درمیان دار الجلال میں جمع کر دے گا۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ دار الجلال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہم دار الجلال ہیں اور اس کا ذکر خدا نے اس قول میں ہے۔ یہ دار آخرت صرف ان کے لئے ہے جو زمین میں تکبر و فساد نہیں کرتے ہیں اور عاقبت متقین کے لئے ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ ”تمہارے رب کا نام مبارک ہے جو صاحب جلال و اکرام ہے۔ پس ہم ہیں جلال خدا اور کرامت خدا جن کی اطاعت کی وجہ سے خداوند عالم نے مندول کو عزت بخشی ہے۔“

نیز تفسیر البرہان اور انوار نعمانیہ و مدینۃ المعاجز میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا نصرت انبیاء کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ ان کتب متداولہ میں تحریر ہے کہ ایک جتنی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام تشریف لانے لگے وہ جتنی

جناب امیر کو دیکھ کر گھبرا یا اور اپنے کو چھپانے کے لئے چڑیا کی شکل میں ہو گیا اور کہنے لگا۔
 یا رسول اللہ مجھے پناہ دیجئے۔ حضرت نے دریافت کیا کہ کس سے پناہ چاہتا ہے اس نے
 عرض کی اس جوان سے جو سامنے سے آ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا وجہ ہے اس نے
 عرض کی یا رسول اللہ میں کشتی نوح میں سواراں کرنے لگا تھا کہ کشتی میں سواروں کے
 غرق کر دوں۔ میں نے یہ کام شروع ہی کیا تھا اور کشتی طوفان میں تھی کہ یہ جوان ظاہر ہوا اور
 ایک ضرب مجھ پر لگائی، میرا تھک گیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ بیشک تو درست کہتا ہے
 یہی وہ جوان ہے۔ (مدینۃ المعجزات و تفسیر البرہان جلد ۱۷ ص ۱۷۰ و انوار النعمانیہ وغیرہ)
 نیز دوسرے واقعہ تحریر ہے کہ ایک روز جناب رسالت کی خدمت میں ایک جتنی حاضر تھا
 کہ جناب امیر المؤمنین تشریف لائے جتنی نے آنحضرت کی خدمت میں استغاثہ کیا اور عرض کی
 مجھے اس جوان سے پناہ دیجئے۔ حضرت نے فرمایا اس جوان نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے اس نے عرض
 کی میں نے سلیمان پیغمبر کے حکم سے سرکشی کی تھی تو انہوں نے کچھ جنت میری گرفتاری کے لئے
 بھیجے تھے مگر میں ان کے قابو میں نہیں آیا پھر یہ جوان فارس میرے سامنے آیا اور مجھے گرفتار
 کیا اور مجھے ضرب لگا کر زخمی کر دیا۔ یہ نشان اب تک اس کی ضرب کا موجود ہے۔ (مدینۃ المعجزات)
 جناب رسالت کی طرف سے جنت پر کچھ سردار مقرر تھے جو آنحضرت سے احکام شریعت و
 آیات قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اپنی قوم کو تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد وہ تمام
 سرداران جتن جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ ہی ان کو
 سرداریاں عطا فرماتے تھے اور ان کے جھگڑے چکاتے تھے۔ (مدینۃ المعجزات)
 تفسیر البرہان جلد ۱۷ ص ۱۷۰ میں زیر تفسیر آیت ہے۔

سنشد عضدک باخیاک ونجعل لکم اسطافا

تحریر ہے کہ جب حضرت موسیٰ و ہارون و باربار فرعون میں داخل ہوئے اور انہیں کچھ خطرات
 محسوس ہوئے تو فوراً ایک جوان فارس ان کے آگے ہو گیا اور فرعون سے کہا کہ ان دونوں
 پیغمبروں کی بات سنو ورنہ تم کو قتل کر دوں گا۔ فرعون نے ڈرتے ہوئے کہا کہ صبح جواب
 دوں گا۔ پس جب موسیٰ و ہارون دونوں باہر چلے گئے تو فرعون نے پہرہ داروں کو بگویا
 اور غصہ میں کہا کہ یہ جوان فارس ہمارے دربار میں کس طرح داخل ہو گیا ہماری اجازت
 کے بغیر۔ پہرہ داروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ان دو پیغمبروں کے سوا اس
 دروازہ سے کوئی داخل نہیں ہوا۔ یہ جوان فارس ہی علی ہیں جن کے ذریعہ تمام
 پیغمبروں کی مدد خداوند عالم نے کرائی ہے پورے شیعہ طور پر اور محمد مصطفیٰ کی مدد کرائی

ہے علامہ طور پر۔ اور یہی علی خدا کا کلمہ کبریٰ ہیں جن کو خدا نے اپنے اولیاء کی مدد کے لئے جس صورت میں چاہا بھیجا ہے اور ان ہی کے ذریعہ مدد کی ہے اور اسی کلمہ کے ذریعہ خدا کے اولیاء دعا کرتے ہیں اور خدا قبول فرماتا ہے اور انہیں مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے موسیٰؑ و ہارونؑ کے لئے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اے موسیٰؑ و ہارونؑ ہم تمہارے لئے ایک ایسا طاقت ور جوان اپنے معجزات کے ذریعہ مقرر کرتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ہمنوا تم دونوں تک دسترس نہیں ہو سکتے تم اور تمہارے ہی پر و غالب رہیں گے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت کبریٰ ہی جو ان فارس ہے (نیز خود حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں آیت کبریٰ ہوں۔ معراج میں جناب رسالتؐ نے آیت کبریٰ ہی کو دیکھا تھا جیسا کہ آیت کی تفسیر میں مصححین علیہم السلام کا ارشاد ہے،

حضرت علامہ جزائری علیہ الرحمۃ اپنی جلیل القدر کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

محققین جمہور سے صاحب کتاب قدسیات نے جناب رسالت مآب سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب علی مرتضیٰؑ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے بتایا ہے کہ میں نے علیؑ کو تمام انبیاء کے ساتھ پوشیدہ طور پر بھیجا ہے اور تمہارے ساتھ ظاہری طور پر۔

جناب علامہ جزائری علیہ الرحمۃ اس روایت کو نقل فرماتے ہیں کہ بعد اپنی تحقیق اینٹ کا یوں اظہار فرماتے ہیں:-

اقول هذا الذي مر واه من بعثه عليه السلام باطنا قد روي مضمونه في اخبار اهل البيت عليه السلام عن علي بن ابي طالب وهو شامة الى سر الله في الغاية القصوى من التحقيق۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ صاحب قدسیات نے جو حدیث رسولؐ بیان کی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت علیؑ کو ہر نبی کے ساتھ باطن میں بھیجا تھا یہی مضمون احادیث اہلبیت علیہم السلام میں بھی مروی ہے۔ اور یہ انتہائی تحقیق میں خدائی راز کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ کا لقب ستر اللہ فی العالمین ہے یعنی علی خدائی راز ہیں تمام عالمین میں۔ اور یہ خدائی راز علیؑ علیہ السلام کا ہر نبی کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ اس لقب مبارک کو مولف نے بھی اصول الشریعہ میں تحریر کیا ہے۔ یہ حق کی چوٹ ہے جو باطل پر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی ولایت کا یہ اعجاز ہے کہ منکر مدعی حضرت کو سر اللہ ماننے پر مجبور ہے۔

جناب علامہ جزائری علیہ الرحمۃ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

حضرت علی علیہ السلام سے جب یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ کی فضیلت انبیاء سابقین علیہم السلام پر کیا ہے جبکہ ان انبیاء علیہم السلام کو بلند معجزات معروفہ عطا کئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا:-

فقال عليه السلام والله قد كنت مع ابراهيم في الناس وانا الذي جعلته
برءا و سلاما و كنت مع نوح في السفينة في المهد و علمته الانجيل و كنت
مع يوسف في الحب فاجبتته من كيد اخوته و كنت مع سليمان على البساط
و سخرت له اليرام -

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھا جبکہ انہیں آگ میں ڈالا گیا اور میں نے ہی آگ کو گلزار بنایا۔ اور میں جناب نوحؑ کے ساتھ کشتی میں تھا میں نے ہی طوفان سے بچایا۔ میں جناب موسیٰؑ کے ساتھ تھا میں نے انہیں تورات پڑھائی۔ اور میں نے ہی جناب عیسیٰؑ کو نطق عطا کیا اور گہوارہ میں انجیل پڑھائی اور میں ہی حضرت یوسفؑ کے ساتھ کنوئیں میں تھا میں نے ان کو مکہ و فریہ برادران سے پناہ دی۔ اور میں ہی سلیمانؑ پیغمبر کے ساتھ تھا میں نے تحت سلیمان کے لئے ہواؤں کو تابع فرمان بنا دیا تھا۔

اب قرآن مجید کی آیت دو انزلن معہما الکتاب والمیزان، میں لفظ میزان یعنی
علیہ السلام کا ہر نبی کے ساتھ بھیجا جاتا بالکل واضح ہو گیا۔ خداوند عالم نے حضرت علی
علیہ السلام کو میزان فرمایا ہے اور ہر نبی کے ساتھ اس میزان کو بھیجا ہے۔
اس کے ساتھ آیت مجیدہ کا دوسرا جزو بھی شامل کر لیا جائے تو استدلال زیادہ واضح
ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کا ارشاد ہے

”ہم نے خاص لوہا نازل کیا“

اس سے مراد کتب احادیث اہلبیت میں ”ذوالفقار“ ہے۔ اور یہ مطلب اتنا واضح ہے
کہ حوالہ جات کتب کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ جبرائیلؑ کا کلمہ شجاعت
یہی ہے: ”لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی“۔

یعنی ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں رہو آسمان سے نازل ہوئی ہو، اور علیؑ کھ سوا کوئی
جوان نہیں جس کے قبضہ میں رہ کر کا فزوں کا خون چوستی ہو۔

یہ تلوار خداوند عالم نے کتاب کے ساتھ کیوں نازل کی، معصومین علیہم السلام نے فرمایا
ہے کہ اگر کوئی کتاب پر ایمان نہ لائے گا تو یہ آسمانی لوہا یعنی ذوالفقار کلمہ پڑھوائے گی۔

حضرت معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے یہ ذوالفقار حضرت علی علیہ السلام کو دی گئی ہے اور خدا نے دنیا کو بتا دیا ہے کہ یہی وہ مرد ہے جو خدا کی نصرت اور تمام رسولوں کی نصرت کرتا ہے جیسا کہ آیت کے الفاظ ہیں:

وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَفِي سُلْطَانٍ مُبِينٍ
یعنی یہ مرد وہ ہے جو نصرت خدا اور رسول

اس آیت میں رسول کا لفظ نہیں ہے بلکہ ”مُؤْمِل“ کا لفظ ہے اور صیغہ جمع ہے اور یہ مرد ناصر واحد ہے۔

”مَنْ“ یعنی وہ مرد ”يَنْصُرُهُ“ جو نصرت خدا کرتا ہے اور ”مُؤْمِلُ“ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ صاحب ذوالفقار تنہا ہے۔ مرد واحد ہے خدا کے رسولوں کا مددگار ہے۔ ایک مرد کا تمام رسولوں کی مدد کرنا اُسی وقت درست ہو سکتا ہے کہ یہ صاحب ذوالفقار اُن سب رسولوں کے ساتھ ہو اور ہر ایک رسول کے زمانہ میں موجود ہو اور یہ اُسی وقت درست ہوگا کہ آخری پیغمبر کے ساتھ جب ظاہر میں آیا ہے تو یقیناً باقی پیغمبروں کے ساتھ باطن و پوشیدہ طور پر ہی آیا ہے۔ یہ مطلب اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب فعل ”يَنْصُرُهُ“ کے ساتھ آیت کا لفظ ”بِالْغَيْبِ“ متعلق کر دیا جائے۔ یعنی یہ مرد رسولوں کی نصرت کرتا ہے غیب کے ساتھ یعنی پوشیدہ ہو کر کیونکہ يَنْصُرُهُ کے بعد مُؤْمِلُ ہے اور اسی کے ساتھ متصل ”بِالْغَيْبِ“ یعنی یہ مرد صاحب ذوالفقار مدد کرتا ہے رسولوں کی پوشیدہ طور پر۔

لہذا آیات قرآن و احادیث معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جب تک اپنی خلقت نوری روحانی میں رہے تمام پیغمبروں کی پوشیدہ طور پر مدد کرتے رہے۔ اور جب ظاہری جسمانی شکل میں تشریف لائے تو رات کتاب کی مدد کرتے رہے۔

خداوند قہار نے موقت صاحب سے بھی اس مطلب کو کتاب احسن الفوائد میں لکھوایا ہے کہ ان کی وجودی حیثیت دو قسم کی ہے ایک باطنی اور دوسری ظاہری چنانچہ کتاب احسن الفوائد ص ۳۸۴ پر رقمطراز ہیں:-

”انبیاء کی خلقت بھی نور سے ہوئی ہے جیسا کہ اول ما خلق الله نور“ وغیرہ احادیث اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں ہاں چونکہ ان کی ظاہری خلقت میں عنصر طینی بھی شامل ہے اس لئے ان کی خلقت کو بعض اوقات طین کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا

ہے۔ اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے مقام جزائری نے انوارِ نعمانہ میں درج کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ فریقین کی کتب میں موجود ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیلؑ جناب سیدۃ کے دولت سرا پر حاضر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں جناب سیدۃ نے ان کو یا غم درچھا، کہہ کر خطاب کیا۔ جب جبرائیلؑ جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے جناب سیدۃ کا ان کو غم کہہ کر خطاب کرنے کا تذکرہ کیا اور بطورِ تعجب کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ ہماری خلقت نور سے ہے اور آپ کی خلقت طین سے۔ آنجناب نے فرمایا جناب فاطمہؑ نے یہ کہہ کر کہا ہے یا جبرائیل۔

”مَنْ اَيْضًا مَخْلُوقُونَ مِنَ التُّرَابِ“ اے جبرائیلؑ ہم بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر جناب نے حضرت علیؑ کو بولایا اور اپنی پیشانی اقدس کو اپنی پیشانی اطہر پر رگڑا۔ اس سے اتنا نور ظاہر ہوا کہ جس سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ آنجناب نے فرمایا اے جبرائیلؑ اس نور کو پوچھتے ہو؟ جبرائیلؑ نے عرض کیا ہاں۔ ”هَذَا النُّورُ الَّذِي كُنَّا نَرَاهُ فِي قَوَائِمِ الْعَرْشِ“ یہ وہی نور ہے جسے ہم قوائمِ عرش پر دیکھا کرتے تھے۔ تب جناب نے فرمایا اسی لئے جناب فاطمہؑ نے مجھے یا غم کہا ہے۔ اس واقعہ پر اگرچہ جناب رسالتؐ اور ان کی آل اطہار کا تذکرہ ہے لیکن بطورِ تنقیح منطوق معلوم ہے کہ تمام انبیاء کی خلقت اسی طرح ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ یہ مفاضلہ فقط نورانی اور جسمانی میں نہیں ہے بلکہ ایک طرف فقط نورانیت ہے اور دوسری طرف نورانیت و جسمانیت دونوں ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف فقط نور اور دوسری طرف نور اور جسم دونوں ہوں اور جسمانیت و روحانیت کے محکوم و تابع ہو تو اس صورت میں عقل سلیم محض نورانی کے مقابلہ میں اُسی شے کو ترجیح دے گی جو نورانیت و جسمانیت دونوں کی جامع ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بشریت و ملکیت دونوں کے جامع ہوتے ہیں۔ اور ان کی قوتِ ملکیتہ و روحانیتہ ملائکہ کی روحانیت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

مولف صاحب نے خود اپنے قلم حق پوش سے اظہارِ حق کر دیا ہے اور یہ معصومین علیہم السلام کا اعجاز ہے۔ ہم نے من و عن ان کی عبارت درج کر دی ہے جس میں صاف طور پر اقرار ہے کہ جناب رسالتؐ و علی مرتضیٰؑ اس نور سے مخلوق ہیں جو جبرائیلؑ سے پہلے عرش پر موجود تھا اور جبرائیلؑ نے اقرار کیا ہے کہ ہم اسی نور کو دیکھا کرتے تھے۔ یہ نور دو حصوں میں تقسیم ہوا کہ محمدؐ و علیؑ کی شکل میں اس وقت ظاہر ہوا جب جسمانی طور پر ان کا ظہور ہوا اور ان کو جسم کی طرف بھی نسبت دی جانے لگی۔ مگر

درحقیقت یہ باطنی طور پر نور ہیں اور ان میں جو قوت موجود ہے وہ فرشتوں سے بڑھ کر
بڑھی ہوئی ہے۔

اس بیان نے ہمارے مقصد کو بالکل واضح کر دیا کہ باطنی طور پر یہ موجود ہے ہیں اور اصلاً
ظاہر و ارجام مطہر میں اپنی روحانی قوتوں کے ساتھ ان کا وجود حقیقی رہا ہے اور ظاہری طور
پر مکمل میں جسمانی شکل میں تشریف لائے ہیں اور ظاہری نصرت کا تعلق جسمانی ظہور سے ہے
اور باطنی نصرت کا تعلق روحانی ظہور سے ہے۔

اس عبارت سے ایک دوسرا مقصد بھی واضح ہو گیا کہ مولف صاحب نے محمد و آل محمد
علیہم السلام کی حقیقی خلقت نوری کو تسلیم کر لیا اور ظاہری جسمانی خلقت کو ملاکہ بشریت و
روحانیت و وجود تسلیم فرمائے اور یہ بھی قبول کر لیا کہ ان کا روحانی جزو جبریل سے پہلے
موجود تھا۔ اور ظاہری خلقت میں عنصر طینی شامل ہوا ہے یعنی یہ بعد میں ملا ہے اور یہ دونوں
مل کر نبی و امام کہلائے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کلام کا مطلب بھی یہی ہے جس کے لئے ہم نے بار بار
تنبیہ کی ہے۔ بَلْكَ نَعْنِدُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَكْ مَغْلَبَةً۔ ہم باطل پر حق کی ایسی
چوٹ لگاتے ہیں کہ باطل کا بھیجا نکل جاتا ہے۔

آیات قرآنیہ و احادیث معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے کہ مرفوعہ اس صاحب
مصدقہ لائق نے باطنی طور پر تمام انبیاء کی نصرت کی ہے اور انحضرت کی ظاہری طور پر۔
مولف کا دینی زبان سے اقرار بھی قابل غور ہے۔ چنانچہ اصول الشریعہ ص ۱۸۱ پر تحریر
فرماتے ہیں:

”یہ بھی ممکن ہے کہ عالم ارواح میں سید اولیاء کو بھیج کر اپنے کسی برگزیدہ نبی کی امداد
فرمائی ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز“

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں انبیاء کا مدد کرنا سید اولیاء حضرت
امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور خداوند عالم ایسا کرنے پر قادر ہے
اور اس کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

پس جب یہ اقرار ہے تو موالیان اہلبیت سے کیوں تکوار ہے اور حضرت شاہ وصال کی
نصرت سے کیوں انکار ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ صفت نصرت ان کی ولادت کا اثر ہے۔ یا علی
محدہ ہماری گٹھی میں ہے۔ علی اور مدد لازم و ملزوم ہیں۔ مولف صاحب اس سے
میں بلکہ خائب و خاسر ہیں۔

اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشا علی!

ہم ناد علی کے ذریعہ بڑی بڑی مشکلیں حل کر لیتے ہیں حاجتیں پوری کر لیتے ہیں۔ مگر مولف صاحب بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ عدم معرفت اہلبیت کی وجہ سے قاصرین دعا جزیں میں شامل ہیں اور ان کے ہم مشرب ساتوں مولوی صاحبان معہ قاضی صاحب کے ان فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ ہم ان کے لئے دعائے ہدایت کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ مگر جب یہ لوگ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان میں گستاخی پر اترتے ہیں تو ہم بھی بے شمار پر اترتے ہیں۔

ناد علی کے برکات

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے حیات القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حیات القلوب جلد ۲ ص ۵۶۳ طبع لکھنؤ۔

شارح دیوان حضرت امیر نے فقہ لافقی بیان کرنے کے بعد بسند ہائے بسیار روایت کی ہے اور پھر جنگ اُحد میں نہ نڈائی۔

ناد علیا مظہر العجائب + تجددہ عونالک فی النوائب + کل ہم وغم سینجلی + بولایتک یا علی یا علی یا علی +

مؤلف فرماتے ہیں، مشہور یہ ہے کہ ناد علی کی نڈایتگ خیبر میں آئی تھی جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہوگا انشاء اللہ۔

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کتاب بحار الانوار جلد ۱۱ باب غزوہ اُحد میں تحریر فرماتے ہیں:-

عکرم نے حضرت علی علیہ السلام سے اور جناب امیرؑ نے جناب رسول خداؐ سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تم اپنی مدح و ثنا سماعت کر رہے ہو۔ ایک فرشتہ جس کا نام رضوان ہے وہ اعلان کر رہا ہے لاسیف الاذوالفقار و لافقی الاد علی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو اسی روز یہ نڈائی گئی: ناد علیا مظہر العجائب +

تجددہ عونالک فی النوائب + کل ہم وغم سینجلی + بولایتک یا علی یا علی یا علی +

بعض حضرات نے کہا ہے ناد علی میں لفظ ہمت سے مراد وہ فکر ہے جو مشکل و مصیبت میں پیدا ہوتی ہے جس کے پیدا ہونے سے انسان خوف زدہ ہوتا ہے اور اس کے رفع ہونے کی امید کرتا ہے۔ اور لفظ غم سے مراد ہے جس میں یہ فکر نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ گزشتہ معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ کلام شارح ختم ہوا:

کتاب تحفہ احمدیہ باب جلد ۱۸۴ مصدقہ جناب ناصر الملتہ علامہ سید ناصر حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ میں تحریر ہے اور کوئی ہوتی چیز دستیاب ہونے کے لئے اور کم شدہ کے لئے نادعلی کا کمر پڑھنا باعث حصول مطلب ہے اور وہ یہ ہے نادعلیہ مظهر العجائب - تجددہ عونالک فی النواصب - کل ہم وغم سینجلی - بولایتک یا علی یا علی یا علی ؟ کتاب مصباح کفعمی (جنہ واقبتہ) میں نادعلی کے خواص مذکور ہیں۔

نیز کتاب مناقب صالح کشفی، کتاب احسن الانتخاب علی حیدر، کتاب شرح دیوان حضرت علی کتاب مدارج النبوة جلد ۱۲۲ میں نادعلی کے خواص و آثار موجود ہیں۔

تفسیر آیات الامامہ جلد دوم ص ۱۷۱ طبع ایران میں ہے۔

جناب رسالتا علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو "ذوالنعم" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ بزرگان دین سے مندرجہ ذیل رباعی وارد ہے اور اس کے خواص میں تحریر ہے کہ جو شخص حصول مطلب و حاجت کے لئے اس رباعی کو مطابقتی عدد و نام حضرت علی علیہ السلام یعنی ایک سو دس مرتبہ پڑھے اور اپنا رخ قبر پاک حضرت امیر کی طرف کر کے پڑھے خواہ نزدیک ہو یا دور تو یوں اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی۔ رباعی یہ ہے۔

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَا ذَا النِّعَمِ
يَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ يَا ذَا الْكَرَمِ
لَا تُخَيِّرْنَا وَ قُلْ فَيُنَا نَعْمُ
اِنَّمَا جِئْنَاكَ فِي حَاجَاتِنَا

ترجمہ۔ اے امیر المومنین صاحب نعمت! اے امام المتقین صاحب کرم! ہم آپ کی خدمت میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہیں۔ آپ ہمیں یا اوس نہ فرمائیے بلکہ فرمائیے کہ ہاں منظور ہیں۔ جناب رسالتا علیہ السلام نے جناب تبوک میں حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ کی طرف رخ کر کے باہر فرمایا پکارا ہے اور علی مدینہ سے فرما کر دے کے لئے تبوک تشریف لائے ہیں جیسا کہ سابق اورا میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

جناب علامہ طبرسی نے احتجاج ص ۲۵۴ پر حضرت حجت محمد الشرف کی توفیق مبارک غفرہ فرمائی ہے اس میں جناب شیخ مفید کو تحریر فرمایا ہے کہ ہماری برکت سے خداوند عالم ہمارے شیعوں کو جمع کرے گا۔

نیز کتاب احتجاج طبرسی ص ۲۵۲ پر حضرت صاحب الامر کی توفیق مبارک میں تحریر ہے کہ جب تم ہماری طرف سے پکارو تو اس طرح ہمیں پکارو۔

السلام عليك ايها الغوث والرحمة الواسعة

اس توفیق مبارک میں امام کے لئے لفظ "غوث" موجود ہے لہذا ان کو فر

ان ہی کی تعلیم ہے ان حضرات میں فضل و کرم برکت و رحمت موجود ہے بلکہ خود رحمت و اسعہ ہیں اور مغز العباد ہیں یعنی بندوں کی جائے پناہ ہیں۔

فرشتوں کی طرح جنات بھی خادم ہیں!

احتجاج طبریؒ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا احتجاج طویل یہودیوں کے مقابلہ میں مندرج ہے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا:-

لقد اعطى محمدًا افضل من هذا ان الشياطين تخوف لنبوة محمد الشياطين بالايمان فاقبل اليه من الجن التسعة من اشرافهم واحد من جن نصيبين الثمان من بني عمرو بن عامر الاحبة منهم شضاء ومصاه والمملكان والمرزبان والمازمان ونضاه وهاضب وهضيب وعمرو هم الذين يقول الله تبارك اسمه فيهم واذا صرفنا اليك نقر من الجن يستمعون القرآن وهم التسعة فاقبل اليه الجن والنبي بطن النخل فاعتدوا بانهم ظنوا كما ظنتم ان لن يبعث الله احدا ولقد اقبل اليه احد وسبعون الفامنهم فبايعوه وهذا افضل مما اعطى سليمان سبجان من مخزها النبوة محمدًا بعد ان كانت تسترد وترغم ان الله ولدا ولقد شمل مبعثه من الجن والانس ما لا يحصى۔

حضرت رسالتا کو خداوند عالم نے جو کچھ عطا کیا ہے وہ سلیمان پیغمبرؑ سے کہیں زیادہ ہے سلیمان پیغمبرؑ کے لئے جنات مستخرجے مگر وہ کفر کی حالت میں رہے۔ اور آنحضرتؐ کے لئے جنات مستخرجے مگر وہ ایمان لائے۔ چنانچہ نو نفر سرداران جن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سردار قوم نصیبین میں سے تھا اور آٹھ بنی عمرو بن عامر میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: شضاء، مصاه، مملکان، مرزبان، مازمان، نضاه، هاضب، هضيب، عمرو۔ ان ہی جنات کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

ترجمہ آیت:- اور ہم نے تمہاری طرف بھیج دیئے کچھ افراد جنات میں جو بنور قرآن کو سنتے تھے اور یہ نو نفر سرداران جن تھے جب آنحضرتؐ بلین نخل میں تشریف فرما تھے انہوں نے قرآن مجید سنی کر اپنا غنہ پیش کیا کہ ہم بے خبر تھے ہمیں علم نہ تھا کہ خدا نے نبیؐ کو مجاہدے پھر سرداران جن اپنی قوم کو لے کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد اکہتر ہزار تھی۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہ فضیلت ہے جو سلیمان کو حاصل نہیں تھی ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ان جنات کو محمد مصطفیٰ کے لئے مسخر کر دیا پہلے یہ جنات سرکش تھے اور خدا کے لئے دلہ یعنی لڑکے کے قائل تھے جناب رسالت مآب کی بعثت جن داس دونوں کے لئے ہے۔ جنات کا شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حکیم رسول جنات کو شریعت کے احکام سکھاتا ہوں اور میں ہی ان کی تبلیغ پر مامور تھا۔ قوم جنات میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ یہودی بھی ہیں اور مجوسی بھی۔ نصاریٰ بھی ہیں اور ناصبی بھی۔

اجتاج طبری ص ۲۶ پر ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت رسول کو عیلازلوں سے فرمایا کہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی کو آنحضرتؐ نے احکام شریعت پہنچانے کے لئے قوم جنات کی طرف بھیجا ہے سب نے اقرار کیا کہ نہیں۔ پھر کیونکر ایسے لوگ غلیفہ ہو سکتے ہیں جو آنحضرتؐ کی اُمت کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جناب رسالت مآب کی جانب سے قوم جنات پر سردار مقرر تھے جہاد اُقبیلوں کے جُدا جُدا سردار تھے اور وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ان کے پاس بھی جلتے رہتے تھے یہ اعلم کی جنگ کافر جنات ہی سے ہوئی تھی انشاء اللہ مکمل حالات قوم جن آئندہ مفصل طور پر پیش کئے جائیں گے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

مؤلف اصول الشریعہ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے آسمان کی طرف تشریف لے جانے اور ملائکہ کا قضیہ چکانے اور واپس تشریف لانے اور ذوالفقار سے خون ٹپکنے والی روایت پر غلط تبصرہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس روایت میں فرشتوں کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ آسمان اور زمین کے درمیانی مخلوق کا ذکر ہے اور جانب آسمان تشریف لے جانے کا ذکر ہے نہ کہ آسمان پر فرشتوں کا جھگڑا ٹپکنے کا۔

اس سے صاف ظہور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے قوم جن کا جھگڑا اچکایا ہوگا نہ کہ فرشتوں کا جو معصوم ہیں اور جھگڑا نہیں کرتے ہیں۔ اور قوم جن میں کافر، یہودی، نصاریٰ بلکہ ناصبی بھی ہیں جو مومن جنات کے دشمن ہیں۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ ان کا فیصلہ کرنے تشریف لے گئے ہوں، نہ کہ ملائکہ کا۔ لہذا مولف صاحب کو چاہئے کہ وہ فضا ئل اہلبیت کو اگر نہ سمجھ سکیں تو یہ معاملہ ان ہی ذوالہ۔ بت قدرہ کی سپرد کر دیں، اپنے خیال و قیاس سے رد نہ کیا کریں۔ کیونکہ یہ موضوع متدین

کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی نصیحت ہے جن کے مقابلہ میں یہ صاحب خاک پا کے برابر بھی نہیں۔

ثبوت فضائل و مراتب اہلبیت عصمت کے لئے خبر واحد کافی ہے۔

مؤلف صاحب کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ عقائد کے معاملہ میں جب تک خبر متواتر نہ ہو اس وقت تک کسی چیز کو عقیدہ قرار دینا غلط ہے۔

حالانکہ خود ان کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ کیونکہ فضائل و کمالات اور مراتب و مقامات محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے قرآن و حدیث اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جو جستہ جستہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں بلکہ ان سے بھی زائد بلکہ ان حضرات کا مقابلہ کسی بھی مخلوق سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اول المخلوقات و افضل الوجودات ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اول المخلوقات اقوی المخلوقات ہوتا ہے لہذا ہر کمال میں افضل الخلائق ہیں۔ اس عقیدہ حقہ اور اس دلیل محکمہ پر ان مستحکم کے بعد کسی کمال سے ان ذوات قدسیہ کو محروم سمجھنا اور اخبار احاد کا بہانہ پیش کرنا سخت نالائق ہے۔ اسی لئے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

وما ورد من الاخبار الدالة على ذلك كخطبة البيان وامثالها فلم توجد الا في كتب الفلاة واشباههم ومنه يمكن حملها على ان المراد بها كونهم علة غائية لايجاد جميع المكوفات وانه تعالى جعلهم مطاعا في الامراض والسنوات ويطيعهم باذن الله تعالى كل شئ حتى الجملادات وانهم اذا شاءوا امرالا يرد الله مشيئتهم لكنهم لا يشاءون الا يشاء الله - (مرآة العقول شرح اصول کافی جلد ۱۲ و بحار الانوار جلد ۳۹۵)

یعنی جو احادیث واردہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ذوات مقدسہ تمام مخلوقات پر حکمران ہیں اور تمام امور کا کائنات خداوند عالم نے ان حضرات کے پیروں کو دینے ہیں جیسا کہ خطبہ بیان اور اسی قسم کے دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ چیز اگر غائبوں ہی کی کتابوں میں مرقوم ہو تب بھی اس کو رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان اخبار و احادیث کا صحیح مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات جمیع موجودات کی غلت غائی ہیں۔ اور خداوند عالم نے موجودات کے لئے ان حضرات کو حاکم و مطاع قرار دیا ہے کل زمین و آسمان کا حاکم بنایا ہے اور کل کائنات باذن اللہ ان کی مطیع و فرمانبردار قرار دی ہے۔ حتی کہ جمادات بھی تابع حکم ہیں اور خداوند عالم

ان ذوات عالیہ کی مشیت دارادہ کو رد نہیں کرتا ہے۔ اور یہ چاہتے بھی دی ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ اس لئے خلقت الہیہ ان اور اسی قسم کے دیگر روایات کو رد نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا اصل صحیح و درست معنی پر ہو سکتا ہے۔ اس تحقیق ایتق حضرت علامہ مجلسی سے ثابت ہے کہ یہ حضرات کل عالمین کے حاکم ہیں کیونکہ ہر کمال میں جمیع موجودات سے افضل و اکمل ہیں لہذا ان کی کسی بھی فضیلت و شرف کے لئے خبر واحد کا بہانہ چھالت ہے۔

نیز جناب علامہ موصوف اسی بیان کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:-

قد ورد فی اخبار کثیرہ لا تقولوا فیہا ما باوقولوا ما شئتم ولن تبلفوا و
وہر دان امرنا صعب مستصعب لایحتملہ الاملک مقرب ادنی مرسل
او مومن امتحن اللہ قلبہ لاییمان وورہ لوعلمہ ابوذر مانی قلب سلما
لقتلہ وغیر ذلک مما ورد سیاقی فلا یبدل للمومن المتدین ان لایبادر
برو ما ودر عنہم من فضائلہم و معجزاتہم و معالی امورہم

با تحقیق احادیث کثیرہ میں موجود ہے کہ اے شیعوں تم ہمیں رب نہ کہو اور جو دل چاہے کہو
مگر پھر بھی تم ہماری شان تک نہیں پہنچ سکتے ہو اور نہ ہماری فضیلت کا حق ادا کر سکتے
ہو جس کے ہم مستحق ہیں۔ اور یہ حدیث بھی کہی گئی کہ میں نے کہا ہے کہ میں جو شان الہیہ
فی نفسہ مشکل اور اس کا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ کوئی شخص ہماری شان کو برداشت نہیں
کر سکتا مگر ملک مقرب و نبی مرسل اور وہ مومن جس کا خدا امتحان لے چکا ہو اور وہ ایمانی
امتحان میں پاس ہو چکا ہو۔ پس یہ تین قسم کے حضرات برداشت کر سکتے ہیں (مگر اس میں
شامل نہیں ہے) اور یہ حدیث بھی موجود ہے کہ اگر ابوذر کو علم ہو جائے جو کچھ مسلمان کے دل
میں ہماری شان ہے تو ابوذر قتل کر دیں۔ نیز مسلمان نے کہا ہے کہ میں جو شان الہیہ
جانتا ہوں اس میں سے کچھ بیان کر دوں تو لوگ مجھے مجنون کہہ دیں گے اور میرے قاتل کی
منفرت کے لئے دعا کریں گے۔ احتجاج طبرسی، ایسی ہی کافی احادیث موجود ہیں جن میں
سے کچھ تحریر کی جا چکی ہیں اور کچھ آئندہ تحریر کی جائیں گی۔

لہذا روایات و ارمو من پر لازم ہے کہ جلد بازی میں کسی حدیث کی رد نہ کرے جو ان کے
فضائل و معجزات اور بلندی شان میں ان حضرات سے وارد ہوئی ہوئی ہیں (بجائے انوار)

علامہ مجلسی غواص بکار اخبار کو فضائل و کمالات اہلبیت کے رد کرنے کی ہمت نہیں

جناب علامہ مجلسی جیسی بلند پایہ ہستی نے یہ جرأت و ہمت نہیں کی ہے کہ فضائل اہلبیت کی کسی روایت کو رد کر دیں خواہ وہ روایت غالیوں ہی سے کیوں نہ مروی ہو بلکہ خطبۃ الیہان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ان روایات کا جب صحیح عمل اور درست مطلب ممکن ہے تو اس کی رد کے بجائے اس کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور مجھ میں نہ آئے تو ان ہی حضرات کے حوالہ کر دینا چاہئے: رد کرنے کی جسارت و جرأت نہ کرنی چاہئے۔ جب علامہ موصوف جیسی ہستی نے اپنی تحقیق ایسی میں رد فضائل اہلبیت سے منع کیا ہے اور جو شخص فضیلت اہلبیت کو رد کرنے کی جسارت و جرأت نہ کرے اس کو دیندار مومن کہا ہے اور جو شخص جلد بازی سے رد کرے اس کو دیندار ہی سے خارج کر دیا ہے مولف نے بھی جناب علامہ موصوف کے لئے اقرار نامہ لکھ دیا ہے کہ علامہ موصوف سے افضل کوئی محدث نہیں ہے اور ان کے بیان کی کوئی رد نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم کتاب اصول الشریعہ سے نقل کر چکے ہیں۔ پھر ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم علامہ مجلسی جیسی ہستی کے مقابلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ گریہ ستاغ مولف صاحب کس کھیت کی مولیٰ ہیں۔

لہذا خطباء و ذاکرین جناب علامہ سید محمد سیوطین صاحب مرحوم کے مضامین کو بلا خوف و خطر نا مصیوں کے علم الرغم بیان کریں اور ان کے صحیح تاویلات کو ضرور پیش کریں جو علامہ سرسوی مرحوم نے اپنی قابلیت سے مطابق ارشاد علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تحریر فرمائی ہیں خدا و پنجتن پاک انہیں اس کا اجر عطا فرمائیں۔ میں نے اگرچہ کوکب درسی نہیں پڑھی ہے مگر مولف صاحب کے اعتراضات سے اتنا سمجھتا ہوں کہ اس میں خطبۃ الیہان کے صحیح محاصل پیش کئے گئے ہوں گے۔ چنانچہ مولف نے مندرجہ ذیل تبصرہ اپنی کتاب احسن الفوائد میں تحریر کیا ہے جس کو ہم من و عن درج کر رہے ہیں۔ (احسن الفوائد ص ۳۶ و ۳۷)

”پس جس خطبہ کے غیر معتبر ہونے کی یہ کیفیت ہو آیا کوئی عقل مند دیندار اپنے عقائد کی دیوار کو اس پر استوار کر سکتا ہے۔ ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد سیوطین صاحب سرسوی اسطی اللہ تعالیٰ پر جو جنہوں نے کوکب درسی پر ۹۲ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ محض اس خطبہ کے فقرات کی تاویلات کے بارہ میں لکھ دیا مگر یہ خیال فرمایا کہ جس خطبہ کے فقرات کی تصحیح و تاویل کے لئے اس قدر رسمی تبلیغ کر رہے ہیں۔ آیا یہ حضرت

امیر علیہ السلام کا خطیبہ ہے بھی یہی آیا اس کی کوئی ایسی اسناد ہے جس پر اعتماد ہو سکے؟ کیونکہ عقلانی ضرب المثل ہے "ثبوت العوش ثمانقش" پہلے کوئی سختی ثابت کر دے پھر اس پر کچھ لکھو۔ ورنہ سرسبے صاحب تراشیدن ولی مثال صادق ہے۔ ہاں اگر بسند صحیح یہ خطیبہ آنجناب سے مروی ہوتا تو چونکہ اس کے ظاہری مطالب نصوص قرآنہ کے مخالف تھے ہر مومن ان کی تاویل کرنے پر مجبور ہوتا اور ہم حضرت مولانا نے مرحوم کی سعی کو مشکور سمجھتے! جب یہ خطیبہ سرسے سے ثابت ہی نہیں تو صحیح فقرات میں زور بیان صرف کرنا چہ معنی دار۔

ناظرین کرام جناب علامہ سرسوی علیہ الرحمہ نے خطبۃ الہیان کی سند پیش نہیں کی ہے بلکہ اس کے مندرجات کے صحیح محال تجربہ کئے ہیں جیسا کہ مؤلف کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ بیشناخت و یا اختیار مومن کی ہے کہ وہ فضائل اہلبیت کی رد کے بجائے ان مضامین کی صحت پر دیگر مستند احادیث و روایات سے استدلال کرے تاکہ مضبوط سند کا غدر قطع ہو جائے اور اصل مضمون دیگر روایات معتبرہ و دلائل عقلیہ و نقلیہ و درحقیقت سختی ہوں گے اور خطبۃ الہیان بھی کردار ادا کرے گا۔ اور یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ و درحقیقت سختی ہوں گے اور خطبۃ الہیان اس پر نقش کر دیا جائے گا۔ سختی پر لکھنا آسان ہے مگر سختی کو اپنی جدوجہد و تلاش بسیار کے بعد جیتا کر نا اور پھر لکھنا اس سے بہتر سعی مشکور کیا ہوگی۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی یہی قانون پیش کیا ہے جس کو علامہ سرسوی نے مشعل راہ بنا کر زور علم و بیان صرف کیا ہے۔ مگر بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلد باز قاصرین، غیر متدین ہیں اس کتاب کی حلاوت میں زیادہ روشنی ڈالی جائے گی انشاء اللہ۔

اسے ستفاشکی دیگر مثالیں

جناب متیم تمار کا بیان ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اشارہ فرمایا اور فوراً ایک امیر لاکڑا حاضر ہو گیا اور اس نے یوں سلام عرض کیا:-

السلام علیک یا امیر المومنین و یا سید الوصیین و یا امام المتقین و یا غیاث المستغیثین و یا کفر الطالیین و معدن الراغبین۔ اے فریادوں کے فریادرس!

آپ نے اشارہ فرمایا وہ نزدیک ہو گیا اور حضرت خود اور عمار یا سر اس پر سوار ہو گئے اور پہلی نظروں سے غائب ہو گئے کچھ دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور خطبہ شفقہ ارشاد فرمایا۔ علامہ کہتے ہیں مولانا نے چین کے ایک جزیرہ میں لے گئے تھے۔ اس معجزہ کو علم الہدی سید خرقہ علیہ الرحمہ نے عیون المعجزات میں درج فرمایا ہے۔ (مدینۃ المعاجز ص ۳)

جناب سلمان فارسی کا بیان ہے میں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک باغ میں تھے کہ حضرت نے یہ الفاظ دہرائے، لیتیکے لیتیکے میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ میں نے دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے رسول خدا نے جنگ تبوک میں یاد فرمایا ہے شکر چھوڑ گیا ہے دھوپ دعویٰ دیستغیث بنی۔ حضرت نے مجھے پکارا ہے اور استغاثہ کر رہے ہیں کہ جلد میری مدد کو پہنچو۔

بحکم امیر المومنین ؑ صالح جنتی سے استغاثہ

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الخصال میں تحریر فرمایا ہے:-
جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اصحاب کو ایک ہی مجلس میں چار سو باب علم کی تعلیم دی ہے جو ہر مسلمان کے لئے دین و دنیا میں موجب فلاح ہیں۔ ان میں سے ایک باب علم یہ ہے:-

من ضل منك في سفر او خان علي نفسه فليناد يا صالح اغثني فان في اخوانك من الجن جنيا سيدي صالحا يسيم في البلاد لمكانكم محتسبا نفسه لكم فاذا سمع الصوت احبابا واما شدا الضال منك وحبس دابة۔

اے شیخ موجب تم سفر میں راستہ بھول جاؤ یا جان کا خطر لاحق ہو جائے تو تم فوراً پکارو یا صالح اے اغثنی اے صالح میری مدد کو پہنچو کیونکہ تمہارے جنت بھائیوں میں ایک جن ہے جس کا نام صالح ہے وہ تمہارے لئے شہر بہ شہر حکم لگا تا رہتا ہے اور اُس نے یہ ڈیوٹی اپنے لئے مخصوص کر لی ہے۔ جب وہ تمہاری آواز سنتا ہے تو فوراً لیتیک لیتیکے اور بھگولے ہوئے مسافر کو اس کی سواری روک کر راستہ بتاتا ہے۔

مولف صاحب اگر آپ شیخ صدوق ؑ کے اعتقاد پر کی شرح کو سعادت سمجھتے ہیں تو اُن کے بیان فرمودہ ہدایات پر عمل بھی کرنا چاہئے اور اپنے سابقہ عقیدہ سے توبہ کر کے اولیاء اللہ سے استمداد و استغاثہ بھی کریں۔ یہ استغاثہ و استمداد احکام شریعت میں نہیں ہے کہ محفل و حرام کے مسائل دریافت کئے جائیں۔ بلکہ مسافرت میں ہلاکت سے بچنے کے لئے مولا علی ؑ کے غلام کو امداد کے لئے پکارا جائے جو جنت میں سے ہے اور اُس کی ڈیوٹی ہے کہ وہ شیعیان علی ؑ کے استغاثہ پر فوراً مدد کے لئے پہنچے اور اپنے اُلو اور کپڑوں کی خدمت کی ضرورت حاصل کرے۔ مگر مولف صاحب سفر میں اپنی ہلاکت

کو پسند کریں گے قرآن مولا پر عمل نہیں کریں گے۔ خداوند عالم ان کو ہدایت دے۔

حضرت امیرؓ کی نصرت خلیفہ ثانی

جناب جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ جناب عمر بن خطابؓ ایک دن بہت گھبرائے ہوئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی لشکر اسلام نہادوں کی جنگ پر گیا ہوا ہے اور اس لشکر میں عمر بن معدی کرب بھی تھا جو نہادوں میں قتل ہو گیا ہے۔ لشکر کا مفصل حال معلوم نہیں ہے۔ سخت فکر ہے آپ مدد فرمائیے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ لشکر اسلام وادی میں ہے اور مخالفت لشکر ان کو گھیرے میں لے رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کا لشکر پہاڑ پر چڑھ کر پناہ حاصل کر لے تو وادی میں محصور ہو جائے اور شکست کھانے سے بچ جلے گا۔ جناب عمر نے عرض کی پھر کس طرح ان کی مدد کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کا حال دیکھو اور ان کو پیغام دو کہ وہ پہاڑ سے پناہ حاصل کریں۔ جناب عمر نے عرض کی میں کس طرح دیکھوں اور کس طرح پیغام دوں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں منبر پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھے اور ان کے چہرہ پر ہاتھ پھر کر فرمایا اب دیکھو چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر وادی میں ہے اور مخالفت لشکر ان کو گھیرے میں لیتا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان کو آواز دو اور یہ کہو جبل سے پناہ لو۔ چنانچہ انہوں نے کہا یا سماء یا سماء الجبل یا سماء یا سماء الجبل۔ اے ساری پہاڑ سے پناہ لو اے ساری پہاڑ سے پناہ لو۔ فوراً لشکر نے آواز سن لی اور آواز کو پہچان بھی لیا۔ اور پہاڑ سے پناہ لی اور محفوظ ہو گئے اور جنگ فتح کر کے واپس آئے۔

جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم تو اسی وقت ایمان لے آئے کہ جو کچھ ہمارے مولا آقاؐ نے فرمایا ہے اور دکھایا ہے اور آواز پہنچائی ہے حرف درست و صحیح ہے۔ مگر کچھ لوگوں نے اس میں شک کیا۔ اور جب لشکر جنگ فتح کر کے واپس آیا تو لوگوں نے تمام واقعہ دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم وادی میں تھے اور گھیرے میں آگئے تھے کہ ہمیں آواز خلیفہ ثانیؓ آئی کہ پہاڑ سے پناہ لو۔ اور ہم نے فوراً اپنا رخ پہاڑ کی طرف کر دیا اور گھیرے سے بچ گئے اور لشکر مخالفت پر غالب آگئے۔

مولف صاحب بتاتے ہیں کہ یہ مدد شریعت کے مسائل میں تھی جس کے لئے مشہور ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔ یا یہ مدد کوئی امر میں ہے۔ لہذا اب منبر واد

بیٹھ کر شیعوں کو یہ فریب نہ دیں کہ مولائے کائنات صرف شرعی مسائل میں مشکل کشا ہیں بلکہ امور تکوین کا بھی ذکر کریں ورنہ آپ کو منبر پر بیٹھنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ منبر فریب دینے کے لئے نہیں ہے بلکہ گلے پھاڑ پھاڑ کر (بقول مولف) ذکر مشکل کشائے تشریح و تفسیر کے لئے ہے۔ (مدینۃ المعاجز)

احیاء موتی و اماتت احیاء

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے کمالات میں مَرَدُول کو زندہ کرنا اور زَندُول کو مَرَدہ کرنا دونوں ہی شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت المومنین علیہ السلام نے حکم رسولِ قبرستان میں تشریف لے جا کر مَرَدُول کو نکاراؤ زندہ ہو گئے اور پھر ان کو اصلی حالت پر مَرَدہ کر دیا جس کا تذکرہ سابقہ اوراق میں کر چکا ہے۔

جاہر کا بیان ہے کہ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے وادی برصوت میں دو شخص شیعہ بنوہ اور جبر کو دیکھا کہ اُن پر عذاب ہو رہا تھا اور آپ اُن سے گفتگو فرما رہے تھے۔ میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا "میں یہ نہیں کر دوں گا یہ نہیں ہو سکتا" اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ آیت) اگر ان کو دُنیا میں واپس کر دیا جائے تب بھی یہ باز نہیں آئیں گے یہ جھوٹے ہیں " میں نے دریافت کیا مولا آپ کس سے کلام فرما رہے ہیں آپ نے دو نام لئے شیعہ بنوہ اور جبر۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں میرے سخت دشمن تھے ان پر عذاب ہو رہا ہے مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں واپس دُنیا میں کر دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تعمیل حکم کریں گے۔ میں نے ان کے سامنے آیت پڑھی:

"وَلَوْ مَرَدُوا لَنُحْيِيهِمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ"

— اور ان کو بتایا کہ میں یہ نہیں کر دوں گا اور یہ بات اب نہیں ہو سکتی (بخاری ج ۱۰ ص ۲۴۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں بنی مغزوم کا ایک جوان شخص حاضر ہوا اور عرض کی مولا میرا جوان بھائی مر گیا ہے اس کے صدمہ سے میں بے قرار رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا کو اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ پس آپ قبرستان میں تشریف لے گئے اور کچھ الفاظ زبان مبارک پر جاری فرمائے اور قبر کو ٹھوکر ماری وہ قبر سے باہر نکل آیا اور وہ فارسی بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا تو مرد عرب ہو کر فارسی بولتا ہے۔ اس نے عرض کی ہم فلاں اور فلاں کی سنت پر کھڑے تھے اس لئے ہماری زبان بدل گئی۔ (بخاری ج ۱۰ ص ۲۴۵)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی مولائیں آپ کا غلام شعیب ہوں کمزور و ضعیف ہوں اور ناپتا ہوں۔ مجھے جنت کی ضمانت دیجئے حضرت نے فرمایا کہ میں ائمہ طاہرین کی ایک علامت عطا کر دوں میں نے عرض کی مولائے آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ حضرت نے فرمایا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں حضرت نے میرے چہرہ پر دست مبارک پھیرا۔ میں نے سقیفہ کی تمام سرگزشت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی آپ نے دریافت کیا اسے ابو محمد کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے عرض کی مولائے بندگان اور کچھ سنگ و خنزیر نظر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہمارے دشمن ہیں جو مسخ ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت نے دست مبارک پھیرا وہ پھر اصلی حالت پر آگیا۔ (بکار جلد ۷ ص ۲۵۹)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں حضرت کے ساتھ مکہ میں موسم حج میں تھا۔ اس سال کثرت حجاج سے شہر مکہ تنگ نظر آتا تھا۔ میں نے عرض کی اس سال کس قدر حاجی آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا حاجی کم ہیں شورو غل زیادہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو نبوت فرمایا اور پھر اپنے پاس بلایا، حج ان ہی کا قبول ہے جو ہمارے دوست اور مولیٰ ہیں جس طرح تم محبت رکھتے ہو۔ (بکار جلد ۷ ص ۲۵۹)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے خطبہ میں فرمایا کہ میں قَدْ بُدِئْتُ بِاللّٰهِ ہوں لِسَانُ اللّٰهِ ہوں۔ اور خدا کی رحمت کا ہاتھ ہوں جو تمام خلق پر عادی ہے (بکار)

ابو بصیر سے روایت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا اَنَا مُلْجَاؤُكُمْ كُلُّ ضَعِيفٍ وَمَا مِنْ كُلِّ خَائِفٍ۔ میں ہر کمزور کی جلتے پنا اور ہر خوفزدہ کی جلتے پنا۔ (امان ہول۔ بکار)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: نَحْنُ عَصَمَةُ لِمَنْ لُجَاؤُ الْيَهُودِ وَالْمَنْ لِمَنْ اسْتَجَاسَ بِهِمْ۔ ہم پناہ حاصل کرنے والوں کی پناہ ہیں اور امن و امان لینے والوں کے لئے امن ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم کے ارشاد ان فی ذالک لآیات لا ولیّ للذّٰہیّ میں ہم ہی اولیٰ الذّٰہیّ ہیں اور ہم ہی خدا کی طرف سے اس کے مخلوقات پر قوام ہیں یعنی حکمران ہیں اور اس کے دین کے خزانے بھی ہیں۔ (بکار)

جامع بن عبد اللہ انصاری نے روایت کی ہے کہ جناب رسالتؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا میری عزت و ذریت و اہلبیت میرے خلفاء ہیں اور خداوند عالم نے اپنی کرامت سے

سے انکو شرف کیا ہے اور اپنی راز و دلیعت کئے ہیں اور اپنا غیب عطا کیا ہے اپنے بندوں کا راہی بنایا ہے اور اپنے ملائکہ کو ان کا خدمت گار بنادیا ہے اور اپنی مملکت میں تصرفات کا حق دیا ہے اور اپنے کلمات کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنا امر انکو عطا کیا ہے اور نشان دین و گواہ اپنے بندوں کیلئے بنادیا ہے اور شہروں میں انکو اپنا امین قرار دیا ہے یہی آئمہ مہدی ہیں اور یہی عزت ذکی ہیں اور ذریت نبوی ہیں اور سرداران علوی ہیں اور یہی امت وسطیٰ اور کلمہ علیا ہیں اور تمام دنیا کے سردار ہیں اور یہی خدا کی رحمت موصولہ ہیں یہی پناہ لینے والوں کی پناہ ہیں اور تمسک کرنے والوں کی نجات ہیں وہ سعید ہے جو ان سے محبت کرے اور وہ بد بخت ہے جو ان سے عداوت رکھے جو ان کی پیروی کرے گا عذاب سے محفوظ ہوگا جو ان سے تخلف کرے گا نا امید ہوگا یہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خدا ہی کی طرف سے کہتے ہیں اور خدا ہی کے امر پر عمل کرتے ہیں ان کے گمروں میں تزیل اتری ہے اور ان ہی کے پاس جبرئیل بھیجے جاتے ہیں۔

(بحار الانوار ۳۳۶ جلد ہفتم)

باب جنت پر کلمہ مکتوبہ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں نے دروازہ جنت پر یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا ہے
 لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، علی حبیب اللہ، الحسن و الحسین صفوة
 اللہ، فاطمہ امۃ اللہ علی جا غضہم لعنة اللہ (بخار ۲۵۹ جلد ۷)

حَقَائِقُ الْوَسَائِطِ

یعنی

مَعْرِفَتِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

بِجَوَابِ أَصُولِ الشَّرِيعَةِ

جلد دوم

مطبعة دار الفکر، بیروت، لبنان
علامہ محمد بشیر انصاری، علیہ السلام، علیہ السلام، علیہ السلام

فہرست مندرجات جلد دوم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
490	آیہ مائتہری مالا الکتب میں روح سے مراد	461	خطبہ
	ماکب نہیں ہے	463	حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو مخلوق اول نوری تسلیم کرنا
495	تائین وحدت نور نے آیہ مائتہ مائتہری کا		شرط شیعیت ہے۔
	مطلب غلط فہم کیا ہے	464	علم و قدرت مخلوق اول میں تخلیق ہیں
500	علوم دینیہ کی حقیقت و کیفیت حصول	465	حقیقی معرفت خدا ذریعہ مخلوق اول ہے
500	علم دین کی دو قسمیں	468	تائین وحدت نور کی نئی منطق
501	طریقہ حصول علم حقیقی	469	تکذبات کتاب و سنت صرف جاہلوں کے لئے تکذبات ہیں
502	علم کثرت تعلم سے حاصل نہیں ہوتا	470	نور محمد و آل محمد علیہم السلام کے سوا کوئی مخلوق اول نہیں
504	علم تہذیبی کی دونوں قسموں کی تشریح	471	نور کے حقیقی معنی کی بالذات لائق توجہ
505	معرفت میوہ علوم الہی بیت پر موقوف ہے	473	اشتراک لفظ سے اشتراک معنی لازم نہیں
505	مناظرہ اقوال معصومین کے ذریعے کرنا چاہیے	473	تشری اور توحی علماء کی اصطلاح
506	حقانیت دین کا انتظام	474	علمائے تفسیرین کے لئے کھل الجواہر
506	مسور دین میں قیاس و تخمین کی وجہ	476	روح اور نور و جدا گانہ حقیقت ہیں
507	علماء محدثین کی بے مثال خدمت	478	روح کو نور سے تعبیر کرنا مسلمات شیعہ کے خلاف ہے
508	مہد علمائے علی تک خصوصاً آئمہ پر عمل و اعتقاد	479	ثبوت نور میں حضرات معصومین علیہم السلام کا مطنیہ بیان
	موقوف تھا	480	مکرون نور معارین میں داخل ہے
508	قرآن فہمی کے لئے ضروری ہدایات	481	ارواح مقدسہ حضرات معصومین ایک لمحہ کے لئے بھی جدا
514	تفسیر قرآن کے بنیادی اصول		نہیں ہوتیں
519	احادیث مذکورہ کا نتیجہ	483	انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی نبوت و امامت جمعی ہے
524	شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی مصدق روایت کے نتائج	484	روح لفظ مشترک ہے مختلف افراد پر اطلاق ہوتا ہے
526	اصل مقدمہ کی طرف رجوع	485	ہر ایک مخلوق سات درجات پر مشتمل ہے
531	حدیث مفصل کا خلاصہ	486	آیہ مائتہ مائتہری مالا الکتب والا ایمان کی تشریح
534	حصول معرفت خدا میں معصومین سے استفادہ ممکن نہیں		

فہرست مندرجات جلد دوم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
601	علماء متعقبن نے اطلاق بشریت سے انکار نہیں کیا	536	توحید باری عزاسر کے باب میں لٹکری دوہشتیں
604	قائلین وحدت نوع کے غفلتوں پر نقد و نظر	540	ادویہ معرفت مصومین کی تشریح
621	اجزاء مصومین علیہم السلام کے اجزاء اصلہ	546	حقیقت معرفت اور معرف و معرف کا بیان
	تمام نوع بشر سے جدا ہیں	548	معرفت خدا کا ذریعہ مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں
622	مصومین کی تخلیق جسانی میں مقصرین کا افتقاد	549	معرفت خدا کا مطلب اس کے واسطے امتیاز ہے
	ہر انسان اپنے اجزاء اصلہ کے ساتھ مشہور ہوگا	549	مخلوقات اپنے تخلیقی کمال اور حکمت و مصلحت کے لحاظ سے بلند و پست ہیں
624	مکرمین معاد جسانی کا اعتراض	550	افضل معرفت افضل مخلوق سے ظاہر ہوگی
625	جواب اعتراض معاد جسانی	550	معرفت خدا کے لئے ناقص امتیاز ناقص تدبیر کا اثر ہے
627	حضرات مصومین علیہم السلام کی طبیعت غرور نہ ہی جسامتی ہے	551	اختلاف امتیازات کامل مخلوق اکمل ہے
628	دو جوہر جسامتی نورانی روح نبوتی و لامتی کے ساتھ ایک متعبد میں ممکن ہے	551	حضرات محمد و آل محمد تمام کائنات کے سبب معرفت خدا ہیں
	حضرات مصومین علیہم السلام کے انکسار احتیاج و فقر کی حقیقت	553	خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے
631	اقتدار ربی و امام سبب ثبوت خلافت و سفارت ہے	553	مقدّمات مذکورہ کی روشنی میں اعراف اللہ بالحدی توحید
633	قائلین کی کراہی کا سبب اقتدار خلفاء باللہ ہے	558	اسماء حسنی و آل محمد ہیں۔
634	مقصرین کی کراہی کا سبب احتیاج و افتقار خلفاء باللہ ہے	560	اہل بیت سے منحرف کرنے کی معاندانہ ہم جہت باطن کی دلیل ہے
635	انکسار و فقر و احتیاج مٹانی اقتدار نہیں	561	قائلین نے خدا کو اپنے مثل بنا ڈالا
635	قائلین کی ناجہی	564	حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوع تمام کائنات سے جدا گانہ ہے۔
636	انفقر و فقری مقام عہدیت ہے	564	قائلین وحدت نوع کی دشنام طرازی
637	مصومین سے اقتدار کی سبب نہیں ہوتا	566	ذاتیات کا نہیں تقسیم و توہین اہل بیت کا مقابلہ ہے
638	قانون لطف کا اور اک باعث ہدایت ہے۔	589	ہدایہ گانہ نوع کے دلائل
		599	قرآن مجید کی روشنی میں ثبوت ہدایہ گانہ نوع کل فقہاء شیعہ کا نہایت مٹی پر خفاق ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَسْمَأُهُ تَعْيِيرٌ وَأَفْعَالُهُ تَفْهِيمٌ وَذَاتُهُ حَقِيقَةٌ وَ
 كُنْهُهُ تَفْرِيقٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ وَعِيُومُهُ تَحْدِيدٌ بِمَا سِوَاهُ فَقَدْ جَهِلَ اللَّهُ مِنْ
 اسْتَوْصَفَهُ وَقَدْ تَعَدَّاهُ مِنْ اسْتَمَثَلَهُ وَقَدْ أَخْطَأَ مِنْ اكْتَنَهَهُ وَمَنْ قَالَ كَيْفَ
 فَقَدْ شَبَّهَهُ وَمَنْ قَالَ لِمَ فَقَدْ عَلَّلَهُ وَمَنْ قَالَ مَتَى فَقَدْ وَقَّتَهُ وَمَنْ قَالَ
 نِيمَ فَقَدْ ضَمَّنَهُ وَمَنْ قَالَ إِلَى مَا فَقَدْ نَهَاهُ وَمَنْ قَالَ حَقًّا فَقَدْ غَيَّاهُ وَمَنْ غَيَّاهُ
 فَقَدْ غَايَاهُ وَمَنْ غَايَاهُ فَقَدْ جَزَاهُ وَمَنْ جَزَاهُ فَقَدْ وَصَفَهُ وَمَنْ وَصَفَهُ فَقَدْ
 أَحْدَثَ فِيهِ هُوَ آيِنُ الْآيِنِ وَكَانَ وَلَا آيِنَ وَهُوَ كَيْفَ الْكَيْفِ وَكَانَ وَلَا كَيْفَ وَلَا
 يُعْرَفُ بِكَيْفُونِيَّةٍ وَلَا بِآيِنُونِيَّةٍ لَهُ مَعْنَى الرَّبُّوبِيَّةِ إِذَا لَا مَرْبُوبٌ وَحَقُّ الْوَلِيَّةِ
 إِذَا لَا مَالُوءٌ وَمَعْنَى الْعَالِمِ إِذَا لَا مَعْلُومٌ وَمَعْنَى الْخَالِقِ إِذَا لَا مَخْلُوقٌ وَتَأْوِيلُ
 السَّمْعِ إِذَا لَا مَسْمُوعٌ خَلَقَ الْأَسْمَاءَ وَسَيَّلَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ يَتَضَرَّعُونَ بِهَا
 إِلَيْهِ وَيَعْبُدُونَ وَهِيَ ذِكْرُهُ وَكَانَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَلَا ذِكْرًا وَمَذْكُودٌ بِالذِّكْرِ
 هُوَ الْقَدِيمُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَالْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ مَخْلُوقَاتٌ وَالْمَعْنَى بِهَا هُوَ اللَّهُ
 لَا يَلِيْقُ بِهِ الْإِخْلَاطُ وَلَا اِسْتِلَاطٌ بِشَعِيرَةٍ الْمَشَاعِرُ عُرِفَ أَنْ لَا مَشْعَرَةَ
 بِتَجْهِيرَةِ الْجَوَاهِرُ عُرِفَ أَنْ لَا جَوْهَرَ لَهُ وَبِمَصَادِقِهِ بَيْنَ الْأَشْيَاءِ عُرِفَ
 أَنْ لَا ضِدَّ لَهُ وَبِمَقَارِنَتِهِ بَيْنَ الْأُمُورِ عُرِفَ أَنْ لَا قَرِينَ لَهُ كُلَّمَا مِزَّجْتُمُوهُ
 بِأَدْعَاكُمْ فِي آدَقِ مَعَانِيهِ فَهُوَ مَخْلُوقٌ مَصْنُوعٌ مِثْلَكُمْ مَرْدُودٌ إِلَيْكُمْ لَا تَهْ
 وَمَقْدَارُكُمْ لَا مِقْدَارُهُ سُبْحَانَهُ لَعَلَّ الشَّمْلَ الصِّغَارَ تَتَوَهَّمُ أَنَّ إِلَهَهُ
 رَبَّانِيَّةٌ لَا تَهْمَا كَمَالُهُمَا وَعَدَمُهُمَا نَعْضَانٌ هَكَذَا أَحَالَ الْعُقْلَاءُ بِصِفُونَةٍ
 تَعَالَى بِالصِّفَاتِ الَّتِي الْفُؤَاهَا وَشَاهَدَ دَهَاغِي أَنْفُسِهِمْ مَعَ سَلْبِ النَّفَائِصِ وَكُو
 ذِكْرَهُمْ مِنْ صِفَاتِهِ مَا لَيْسَ لَهُمْ يَفْهَمُوهُ أَيْ اللَّهُ أَنْ يَجْرِيَ الْأَشْيَاءُ إِلَّا
 بِالتَّوْبَاتِ فَجَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَجَعَلَ لِكُلِّ سَبَبٍ شَرْحًا وَجَعَلَ لِكُلِّ شَرْحٍ
 مِفْتَاحًا وَجَعَلَ لِكُلِّ مِفْتَاحٍ عِلْمًا وَجَعَلَ لِكُلِّ عِلْمٍ بَدَنًا نَاطِقًا مَنْ عَرَفَهُ
 عَرَفَ اللَّهَ وَمَنْ أَنْكَرَهُ أَنْكَرَ اللَّهَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ وَاهْلِيَّتُهُ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ

الزَّلَّيَاتِ الطَّيِّبَاتِ الثَّامِيَّاتِ هُمْ وَسَائِطُ اللَّهِ وَسَائِلُهُ وَحَالَ مَشِيَّةُ اللَّهِ وَإِرَادَتُهُ
 فِي جَمِيعِ مَقَادِيرِ أُمُورِهِ تَهَيَّطُ إِلَيْهِمْ وَلَيُّدُّ مِنْ بَيُوتِهِمْ هُمْ أَسَاءَةُ الْحُسْنَى
 وَحُجَّةُ النَّظْمِيِّ وَالْمَثَلُ الْأَعْلَى وَالْأَيَّةُ الْكُبْرَى وَمَقَارِعُ الْعِبَادِ عِنْدَ الدَّوَاهِي عَلَى
 بَرِّيَّتِهِ وَوَلَاةُ أَمْرِهِ عَلَى خَلْقِهِ وَبَرَاهِينُ قُدْرَتِهِ بَعَثَهُمْ فِي اللَّامُوتِ بِالْأَرْوَاحِ
 اللَّامُوتِيَّةِ وَفِي الْمَلَكُوتِ بِالشَّجَاحِ الْمَلَكُوتِيَّةِ وَفِي النَّاسُوتِ الْهَيَاكِلِ النَّاسُوتِيَّةِ
 مَشِيَّتَهُمْ مَشِيَّتُهُ وَأَفْعَالُهُمْ أَفْعَالُهُ وَطَاعَتُهُمْ طَاعَتُهُ وَمَعْصِيَتُهُمْ مَعْصِيَتُهُ
 هُمْ الْأَوَّلُونَ فِي سِلْسِلَةِ الْبَدْوِ وَالْآخِرُونَ فِي سِلْسِلَةِ الْعَوْدِ هُمُ بِيْدَةُ الْبَاسِطَةِ
 وَعَيْنُهُ النَّاطِرَةُ هُمْ الْوَلَاةُ وَالْكَفَاةُ هُمْ الشَّرْعَاءُ وَالْحِمَاءُ وَأَعْضَادُ وَأَشْهَادُ
 وَأَزْوَادُ وَرَوَادُ هُمْ الرُّوحُ الْأَعْظَمُ وَاللُّوْحُ وَالْقَلَمُ أَوْجَبَ اللَّهُ طَاعَتَهُمْ
 عَلَى الْمَلَكُوتَاتِ مِنَ الْأَرْضِيَّاتِ وَالسَّمَاءِيَّاتِ حَتَّى الْجَمَادَاتِ لَا يَحْدُثُ شَأْنُهُمْ
 بِالْقِيَاسِ وَلَا يَنْتَالُ بِالْخَوَاسِ أَمْرُهُمْ هُمْ مَنِ مَسْتَضَعٌ لَا يَتَحَمَّلُهُ الْأَمَلُ
 مُقَرَّبٌ أَوْ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْ مُؤْمِنٌ اِمْتَحَنَ اللَّهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ ضَلَّتِ الْعُقُولُ
 وَتَاهَتِ الْحُلُومُ وَحَارَتِ الْأَلْبَاءُ وَحَصَرَتِ الْخُطَبَاءُ وَتَصَاغَرَتِ الْعُظَمَاءُ
 وَتَحَيَّرَتِ الْحُكَمَاءُ وَتَقَاصَرَتِ الْعُلَمَاءُ وَكَلَّتِ الشُّعْرَاءُ وَعَجَزَتِ الْأَدْبَاءُ
 وَعَيَّتِ الْبُلَغَاءُ وَعَنْ وَضَعِ شَانِهِمْ وَسَائِلُ مَعْرِفَةِ ذَاتِهِ وَوَسَائِلُ ظُهُورِ
 صِفَاتِهِ هُمْ كَهُوَ وَلَيْسَ هُوَ كَهُمْ لَا فَرْقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ
 عِبَادُهُ وَالْكَافِرُونَ يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمْ
 الْكَافِرُونَ حَقًّا صَلَوةً دَائِمَةً مَا دَامُوا وَقَائِمَةً مَا قَامُوا وَعَلَى مَنْ جَعَلَ
 لَهُمُ الْمَثِيلَ وَالْعَدِيلَ أَلَنْ الْوَيْلَ وَعَلَى مَنْ أَدْعَى بِأَتَمِّ كَهُوَ فَعَلِيهِ مَا عَلَيْهِ
 وَعَلَى مَنْ لَدَيْهِ :

(اقتباس از کلام اهل بیت عصمت و طهارت)

حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کو مخلوق اول نوری تسلیم کرنا شرط شیعیت ہے

بعد محمد صلوة بندہ حقیر غریب تفسیر محمد بشیر انصاری بن مولوی امام علی انصاری مرحوم عرض کرتا ہے۔ کہ حقائق الوسائط جلد دوم جو اس وقت پیش نگاہ ہے۔ اس میں زیادہ تر ان ذوات مقدسہ کی تخلیق نوری اور جداگانہ نوع کے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور براہین قرآنیہ و حدیثیہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ دیگر اختلافی مسائل اسی کے فروع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ان حضرات والاصفات و بالکالات کی نوع تمام انواع عالم سے جداگانہ ثابت ہے تو ان ذوات عالیہ کے ساتھ کسی بھی مخلوق کا قیاس نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ خود ہی ان حضرات کا ارشاد ہے۔
لَا يُقَاسُ بِشَيْءٍ آخَرُ۔ یعنی ہمارے ساتھ کسی بھی مخلوق کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
نیز ارشاد ہے۔

لَمْ يُجْعَلْ لِأَحَدٍ فِي مِثْلِ الَّذِي خُلِقْنَا مِنْهُ تَصْيُبٌ۔

ہم جس سے پیدا کئے گئے اس کا مثل کسی بھی مخلوق کو نصیب نہیں۔

اسی طرح ان حضرات کے علم غیب، قدرت معجزات، حضور و شہود، نصرت و مدد یا انیز قبیل و دیگر کمالات کا قیاس بھی کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔ نیز ان کے بعد پیدا ہونے والے ارواح و انوار بلکہ ارواح انبیاء و ملائکہ کا قیاس بھی ان کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ بشریت کا قیاس کیا جائے جو حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو عالین (بلند ہستیوں) کے ہزار ہا سال بعد عطا کی گئی جب کہ یہ حضرات عالم لاہوت و ملکوت کے ہادی و معلم معرفت و عبادت خداوند عز و جل تھے۔

انبیاء کی مفاضلت کا معیار ہمارے نبی کی معرفت ہے

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے عالم ذر میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور ان کے درجات کا معیار بھی آنحضرت کی معرفت و اقرار و نصرت کو قرار دیا گیا تھا۔ جس نے جتنی معرفت حاصل کی اُس کے مطابق اُسے درجہ عطا کیا گیا۔

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے اعتقاد یہ میں باری عبارت اس مقصد کو تحریر فرمایا ہے۔

”وَأَنَّ اللَّهَ بَعَثَ نَبِيَّهُ مُحَمَّدًا إِلَى الْبَشَرِ فِي الذِّكْرِ وَأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ آعْطَى كُلَّ نَبِيٍّ عَلَى قَدْرِ مَعْرِفَتِهِ وَمَعْرِفَةُ نَبِيِّنَا

مُحَمَّدٌ وَبَنِيهِ الْإِقْرَارُ بِهِ (اعتقاد یہ منہ بلیغ ایران)

اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ خداوند عالم نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کر عالم زمین انبیاء کی طرف سے بعث فرمایا اور خداوند عزوجل نے جس نبی کو جو دہر عطا کیا وہ اپنی اور ہمارے نبی کی معرفت کی مقدار اور ان کی نبوت کے اقرار میں سبقت کی مقدار کے مطابق عطا فرمایا۔

یہی حضرات عالی درجات منظر اول کمال الہی ہیں۔ ان ہی کی قدرت سے قدرتِ خدا اور ان ہی کے علم سے علمِ خدا کی معرفت دیگر تمام مخلوقات کو حاصل ہوئی ہے۔ جیسا کہ خود ان ہی حضرات کا ارشاد ہے۔
 ”بِنَا عَرَفَتِ اللّٰهُ وَكَوْنُوْا حُنَّ مَّا عَرَفَتِ اللّٰهُ وَكَوْنُوْا اللّٰهُ مَّا عَرَفْتُمْ“
 ہمارے ہی ذریعہ خدا پہچان لیا گیا۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا اور اگر وہ نہ ہوتا تو ہم نہ پہچانے جاتے۔ ہم نے اس کی معرفت کی ہے اور اس نے ہماری۔

”علم و قدرت“ مخلوق اول میں تخلیق ہیں

علم و قدرت ہی وہ بنیادی کمالات ہیں جو بعد از کمال ان حضرات کو خلقت اولیٰ میں حاصل ہیں۔ ان ہی دونوں کمالات کے ذریعہ تمام صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ان ہستیوں کو عالم زمین میں بعث کیا گیا تو یہ دونوں کمال ان کو عطا کئے گئے۔ کیونکہ بغیر علم و قدرت بعثت کا کوئی مفہوم ہی نہیں۔ بعثت اس امر کی دلیل ہے کہ علم بھی دیا گیا ہے۔ اور قدرت بھی۔ کیونکہ تعلیم و ہدایت کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے مگر یہ امر محتاج دلیل ہے کہ خداوند عالم نے ان حضرات کو علم و قدرت عطا فرما کر ہر سبب کر لئے جس کا ثبوت تاقیامت ممکن نہیں۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی نوع جداگانہ ہے۔

لہذا ان کا قیاس کسی بھی مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ان حضرات کا نوع بشر پر قیاس کیا جائے ان کی کلی حقیقت اور تمام ماہیت جب تمام افرایع کائنات سے جداگانہ ہے تو یہ حال ان کی نوع جداگانہ ہے۔ اس نوع کے صرف یہی افراد ہیں جن کو چہارہ معصومین علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ حضرات شیعیان حیدر کرار ان ہی حضرات کو بعد از خدا تمام کائنات و کمالات سے افضل و کمال اور باعث ایجاد و بقاء عالم جانتے اور مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ لفظ نوع کا اطلاق اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کے افراد کی حقیقت ایک ہو جس کو فرق منطق کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے۔ اس نوع کے صرف چودہ ہی افراد ہیں جن کی حقیقت و ماہیت ایک ہے صرف ان ہی حضرات کے لئے یہ حدیث وارد ہے۔
 اَوَّلَنَا مُحَمَّدٌ وَآدُسَطْنَا مُحَمَّدٌ وَآخِرُنَا مُحَمَّدٌ۔

یعنی ان میں ہر ایک محمد ہے خواہ اول ہو یا اوسط ہو یا آخر جو معنی یہ سب کے سب محمد ہیں۔ صلاوات اللہ علیہم اجمعین۔

حقیقی معرفت خدا ذریعہ مخلوقِ اول ہے

عند التلاویہ اُسرسلات میں سے ہے کہ حقیقت و باہتیت خدا کا ادراک محال ہے جو کچھ تصور ذہنی حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے عقل کا مخلوق ہے جس کی مدد بندہ ہمارے عقل نے کی ہے۔ جو خود بھی محدود ہیں۔

اسی طرح اس کے صفات کی حقیقت کا سمجھنا بھی ہماری پرواز عقل سے بالاتر ہے کیونکہ اس کے صفات اس کی ذات سے جدا اور غیر نہیں ہیں کہ جن کی طرف اُسے احتیاج ہو۔ اور محتاج الی غیر ہو کر فنا ہی نہ رہے۔ بلکہ اس کے صفات عین ذات ہیں۔
أَلْعِلْمُ ذَاتُهُ وَالْقَدْرَةُ ذَاتُهُ (صائق آل محمد) علم خدا اس کی ذات ہے قدرت خدا اس کی ذات ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی ذات میں غور و فکر کرنا باعثِ ہلاکت ہے۔ ہاں اس کی عظیم مخلوق میں غور و فکر کرنے ہی۔ صحیح معرفت حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ ان ہی قلوب متعالیہ کا ارشاد ہے۔

لَا تَعْبُدْ عِظْمَةَ اللَّهِ عَلَى قَدْرِ عَقْلِكَ فَتَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ إِيَّاكُمْ
وَالْتَفَكَّرْ فِي اللَّهِ وَلَكِنْ إِذَا أَرَدْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى عِظْمَةِ اللَّهِ فَانظُرُوا
إِلَى عَظِيمِ خَلْقِهِ (باقر آل محمد)

خداوند عالم کی عظمت کا اندازہ اپنی عقل سے نہ لگاؤ۔ ورنہ ہلاک ہونے والوں میں شمار ہو گے۔ اور خداوند عالم کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ اگر تم اس کی عظمت کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی عظیم مخلوق کو دیکھ کر اس کی عظمت کو پہچانو یعنی جب اس کی مخلوق عظیم میں یہ عظمت ہے تو خود اس کی ذات میں کیا عظمت ہوگی جس نے اس کو پیدا کیا ہے!

جب ان کے کمالِ علم و کمالِ قدرت کو دیکھ کر عقلِ انسانی حیرت زدہ ہوگی۔ ادب بارگاہِ امدیت میں ان حضرات کے سر بسجود ہونے پر نظیرِ فاثر پڑے گی کہ اس سے بآسانی اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ جب یہ حضرتِ علم و قدرت کی اس منزل پر فائز ہیں تو ان کا خالق معبود کیسا عالم اور کیسا قادر ہو گا جس نے انہیں یہ علم و قدرت عطا کیا ہے۔ یعنی جب عقلِ انسانی ان کے کمالات کی حقیقت کو نہیں پاسکتی تو یقیناً ان کے خالق بے ہمتا

کے کمالات پر انتہائی تحیر پیدا ہو گا اور یہی تحیر سبب معرفتِ خدا ہو گا۔

اسی وجہ سے ان حضرات کی تخلیق تمام کائنات سے آدھ ہوئی۔ ان کا ”علم غیب“ خدا کے کمالِ علم کا مظہر ہے۔ ان کے ”معجزات“ خدا کی قدرت کا مددگار ہیں۔ ان کا ”حضور و شہود“ خدا کے لایزال و لا مکان ہونے کی دلیل ہیں۔ ان کا ”مددگار“ خداوندِ عالم کے ناصر و نصیر حقیقی ہونے کا ثبوت واضح ہے یعنی جب یہ اتنے بلند کمالات کے حامل ہیں تو جس نے انہیں یہ کمالات عطا فرمائے ہیں وہ کیا کامل الٰہیات ہو گا۔ اس تحیر کی وجہ سے مخلوقِ عجز و جمل کے سامنے فطری طور پر سرخم ہو جائیں گے یہی حقیقی معرفت ہے۔ احادیث کثرہ مستفیضہ سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ یہ حضرات محلِ مشیتِ خدا و خزانہٴ علمِ خدا ہیں۔ جن کے بعد یہ امر تسلیم کرنا بالِ اہلِ ناگزیر ہے کہ ان احادیث میں علم و قدرتِ خدا سے مراد پرکھ صفتِ علم و قدرت نہیں کیونکہ اس کے صفات جین ذات ہیں۔

اور یہ سننا تو ہرگز ذاتِ خدا کا عمل و خزانہ نہیں ہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات خداوندِ عالم کے معلومات کا خزانہ اور مقدرات کا محل ہیں یعنی ان کے معلومات و مقدرات سے خدا کے علم و قدرت کے آثار کا ظہور ہوتا ہے جس کا فطری نتیجہ یہ ہو گا کہ جب ان حضرات کے معلومات اور مقدرات کا یہ مرتبہ ہے تو جس نے یہ کمالات عطا کئے ہیں اس کے معلومات و مقدرات کی کوئی حد ہی تصور نہیں ہو سکتی۔ یہ تحیر و استعجاب جب ذاتِ حق کے باب میں پیدا ہو گا تو یہی تحیر اس کی عظمت کی دلیل بن کر انسانی فطرت کو سرسبز و کدوے گا۔ کیونکہ یہ حضرات خود اس کی جناب میں اپنی عاجزی پیش کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اسی لئے یہ ذاتِ مقدسہ تمام کائنات کے لئے سببِ معرفتِ خدا ہیں۔

حقیقتِ مخلوقِ اول کا ادراک صعب و مستعجب

میں تسلیم کرتا ہوں کہ جلد دوم میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ ناپید کنارِ سند کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کی حقیقت اور آثارِ حقیقت کا احاطہ اور احصاء ناممکن ہے۔ حضرت غزالیؒ سارا اخبارِ اہل بیت المبارک علامہ مجلسی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنی کتاب مرآۃ العقول میں اس عبارت کے ذریعہ اظہارِ عجز و قصور فرمایا ہے۔

”وَالْاَخْبَارُ فِي ذَلِكَ مُسْتَفِيضَةٌ اَوْ رَدَّتْ اَكْثَرَهَا فِي الْكِتَابِ الْكَبِيرِ
لَيْكُنْ فَهْمُهَا صَعْبٌ عَلَى الْعُقُولِ وَالْاَوَّلَى الْاِيْمَانُ بِهَا اَجْمَلًا وَرَدُّ
عَلَيْهَا الْيَقِيْنُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ“

ان ذواتِ عالیہ کی خلقتِ اولیٰ روحانی فرائض کے باب میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے اکثر احادیث کو میں نے اپنی کتاب کبیر (بخارا لاوار) میں درج کر دیا ہے۔ لیکن ان کی حقیقت کا ادراک ہمارے عقل کے لئے دشوار ہے۔ لہذا ہمیں یہ ایمان ترک نہ کرنا چاہیے کہ ان کی شان اس قدر بلند ہے جسے ہماری عقل پانیں سکتیں لیکن ان حقائق کے تفصیلات کا علم ان ہی ہستیوں کے حوالہ کر دینا چاہیے۔

غرض بخارا احادیث اہل بیت اطہار حضرت علامہ مجلسی جیسے ہستی نے ان حضرات والا درجات کی حقیقت کے فہم و ادراک میں اپنی عاجزی کا انہماک فرما کر ایمان اجمالی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ احادیث کثیرہ کو رو نہیں کیا۔ جسے بلکہ ان احادیث کے حقیقی صحیح علم کو ان ہی حضرات کے سپرد کر دینے کی تلقین فرمائی ہے۔ نیز اپنی کتاب ”بلغیہ“ میں فرمایا ہے کہ ان احادیث کو تسلیم کرو۔ اور جس قدر سمجھ سکو۔ اس پر تفصیل ایمان لے آؤ اور جو تمہاری عقل سمجھ سکے اُسے رو نہ کرو۔ بلکہ اس پر بھی ایمان اجمالی رکھو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ان ہی حضرات کا کلام ہو۔ اور تم اپنی ضعیف عقل کی وجہ سے رد کر دو تو یہ تکذیبِ خدا ہوگی۔

”یہ اجمالی ایمان اسی طرح ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا ایمان ہے کیونکہ اس کی ذات کا علم محال ہے۔ یعنی صرف یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ہے اور اس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ جیسا کہ ان ہی ذواتِ مقدسہ کا ارشاد ہے۔

”هُوَ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِّ بْنِ حَدِّ الْأَبْطَالِ وَحَدِّ النَّشِيبِ“

وہ دو حدوں سے باہر ہے پہلی حد نہ ہو نا۔ اور دوسری حد کسی کے مثل نہ ہو نا۔ یعنی وہ ہے مگر کسی کے مانند نہیں۔

لہذا اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک ہمارے عقل سے بالاتر ہے۔ اس کا تفصیلی علم محال ہے۔ لہذا اجمالی علم ہی ہو سکتا ہے جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔

یہی شانِ مخلوقِ لول کی ہے جس کی حقیقت و ماہیت کا ادراک ہمارے عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ لہذا علم اجمالی ہی ہو سکتا ہے جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں فرق ہے۔ خداوندِ عالم کا وجود بالذات ہے۔ اور ان حضرات کا وجود بالذات ہے مگر دونوں حقیقتوں کا ادراک ہمارے انہماک سے بلند ہے۔

اسی طرح کائنات میں ایسے حقائق موجود ہیں جن کی حقیقت تک ہماری رسائی ناممکن ہے۔ لیکن

ان کے دُجود پر یکجہ خدا و رسول ایمان اجمالی رکھتے ہیں۔ جیسے روح، ملک، جن، برزخ، صراط، میزان، حشر و نشر وغیرہ ان کے حقائق اور تفصیلات کا علم اجمالی ہے۔ لہذا ایمان بھی اجمالی ہے۔ اسی لئے امتیازات بھی اجمالی ہیں جن کے ذریعہ جنس و فصل و نوع کا تعین ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قائلین وحدت نوع نے ان حضرات عالی درجات کی حقیقت کو کس درجہ الہام کے ذریعہ پایا۔ جبکہ عللار مجلسی جیسی سنی اپنے عجز و قصور کا اظہار فرما گئے ہیں۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی حقیقت کا ادراک جب ہمارے عقول سے بلند ہے جس کو خدا جانتا ہے یا خود یہ حضرات جانتے ہیں تو ان حضرات کو کسی نوع میں اُسی وقت و حالت میں داخل کیا جاسکتا ہے جب ان کی تمام ماہیت و کل حقیقت کا علم حاصل ہو۔ لہذا قبری طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی نوع تمام مخلوقات سے جدا گانہ ہے۔ کیونکہ ان کی تمام حقیقت کا علم نہیں ہے۔ صرف ظہور کمالات اور آثار صفات کے ذریعہ امتیازات کا تصور ہوتا ہے جو ان فوات مقدر کے لئے تمام خلایق سے جدا گانہ ثابت ہیں۔

قائلین وحدت نوع کی نئی منطق

ہم نہایت افسوس کے ساتھ قائلین وحدت نوع کے ردِ حیل کے ایک خط کی چند سطروں پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے جناب الحاج سید جمیل حسین صاحب رضوی کو لکھا ہے۔ جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔
”تحریر فرماتے ہیں“

”بابرین جب یہ احادیث متشابہ ہیں تو کیا کوئی عقلمند و دانشمند انسان تشابہات پر اپنے عقائد کی دیوار کو استوار کر سکتا ہے؟ تشابہات پر مروت ایمان رکھا جاتا ہے مگر عقیدہ محکمات کے مطابق رکھنا لازم ہے“

اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایمان و عقیدہ میں یہ فرق ہے کہ کسی شے پر ایمان ہو سکتا ہے مگر عقیدہ نہیں ہو سکتا یعنی ایمان کا دُجود بغیر عقیدہ ہوتا ہے۔

اگرچہ تو خداوند عالم نے قرآن مجید میں اور انبیاء و ائمہ طہرین علیہم السلام نے اپنے ارشادات میں تمام خلایق کو ایمان لانے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے۔ ہر مقام پر لفظ ”ایمان“ ہی کا حکم ہے کہیں بھی لفظ ”إِنْعَقِدُوا“ قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ لہذا ہماری شرعی تکلیف یہی ہے کہ ایمان لائیں۔

ثانیاً یہ امر یہی ہے کہ ہر عقیدہ حق نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کے

ماننے والے اس کے معتقد نہ ہوں۔ سب ہی اپنے اپنے مذہب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار بھی اپنے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر سب مومن نہیں ہیں۔ کیونکہ ایمان کے معنی ہیں "اعتقاد جازم مطابق واقعہ" معنی وہ اعتقاد جو قلب میں مستحکم ہو اور جس پر عقیدہ ہے وہ حق ہو۔ واقعی ہر غلط نہ ہو باطل نہ ہو۔

کتب منطق میں علم کے اقسام اربعہ قسم دوم تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں۔ ابتدائی کتب ہی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دوم، ظن، شک، یقین، تشکیک، غلطی، تشکیک، مصیب کس مفہوم کے اقسام ہیں۔ انوس ہے کہ بڑے بڑے العقاب سے متصف ہو کر یہ بھی نہیں جانتے کہ جل مرکب بھی اعتقاد ہی کی ایک قسم ہے جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔ خداوند عالم قائلین وحدت نوع کاس طرف سے ہٹا کر ایمان کی طرف لائے

تشابہات کتاب سنّت جاہلوں کے لئے متشابہات ہیں

امادیث کثیرہ متواترہ کو اپنے زعم میں تشابہات ظاہر کر کے قائلین وحدت نوع نے ان ذواتِ مظہرہ کی خلقت نوری کے باب میں لکھ دیا ہے کہ۔

"یہاں ولد شدہ لفظ "نور" سے مراد ان کے بدن جسم نہیں ہیں بلکہ ان کی ادواح مقدسہ مراد ہیں۔ اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ ان کے ادواح مظہرہ کے حامل ہیں اس مناسبت سے ان کو سنّ باب الجواز نور کہہ دیا گیا ہے۔ (اصول الشرعیہ ص ۱) یعنی کہنا تو نہیں چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ کہہ دیا گیا ہے۔ کیا یہ انداز قرین قرین آمیز نہیں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ "تشابہات" قرآن وحدیث میں ان جاہلوں کی نسبت سے متعلّق ہوا ہے جو حقیقی معنی "ان آیات وامادیث کے نہیں جانتے ہیں۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے غلط تاویلیں کر کے فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں۔ لیکن خداوند عالم خود جانتا ہے اور وہ ہستیاں بھی جن کو خداوند عالم نے ان کی تخلیق میں علم عطا کر دیا ہے۔

لہذا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے کوئی آیت وحدیث تشابہات نہیں ہے۔ ان کے لئے پورا قرآن ہی حکمت و ہدایت ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أَدَّبُوا الْعِلْمَ

یہ قرآن ان بہتوں کے سینوں میں روشن آیات ہے جن کو علم دیا جا چکے ہے۔

ان نعاتِ مقدسہ نے جن لوگوں کو صحیح معنی سمجھا دیے ہیں۔ ان کے لئے بھی یہ آیات تشابہات نہیں ہیں۔ ہر امام علیہ السلام نے اپنے اپنے مستحق اصحاب کرام کو سنّری و تاویل بجا دی ہے جن کے ذمہ وہ

تغایر و احوال میں سلسلہ پہ سلسلہ ہم تک پہنچی ہیں حضرات محدثین نے کیسے کیسے آزمائشی دلد میں اپنے سینوں میں محفوظ کیا ہے۔ اس کے تفصیل زیر نظر جلد دوم میں درج کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بقانون ٹھٹھ ہمیں گراہی سے بچانے اور ہدایت حاصل کرنے کے اسباب ہتیا کر دئے ہیں اور وہ نہیں میں مگر حضرت محمد آل محمد علیہم السلام کے ارشادات۔

لہذا ہم پر فرض ہے کہ اپنے اپنے ایمان اور عقیدہ کا جائزہ ان ہی کی روشنی میں لیں۔ حصول ہدایت کے لئے جن کی بقاء کا انتظام خود خدا پر لازم ہے۔

نور محمد وال محمد علیہم السلام کے سوا کوئی مخلوق اول نہیں

کتب احوال میں حضرات چارہ صدیقین علیہم السلام کا مخلوق اول ہونا مترادفات سے ہے متقدمین و متاخرین محدثین نے ان حضرات کے سوا کسی مخلوق کو اول خلق نہیں کہا۔ اور نہ کسی غیر کی نشاندہی کی۔ اور نہ اس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ یہ سارا مستحکم ایمان ہے کہ یہی حضرات اول خلق ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا جیسا کہ جناب شیخ صدوق نے بالوضاحت اپنے اعتقاد پر اس درج فرمایا ہے۔ ہم نے زیر نظر کتاب میں نقل کر دیا ہے۔

عند العقلاء یہ امر مسلم ہے کہ اول مخلوق ایک ہی ہے جس کو آثار و صفات کے لحاظ سے متعدد اسماء سے سمنی کیا گیا ہے۔ مگر حقیقت اس کی ایک ہی ہے۔ چنانچہ عالم ربانی مجتہد لاثانی صدر المجتہین بدر النائبین جامع المعقول و المنقول حادی الفروع و الاصول سرکار علامہ سید حسنت علی خیر اللہ پوری اعلیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے علمی جواہر باروں میں سے جو ہند و پاک میں میاری افاضات علیہ ہیں رحمن کی اشاعت کی طرف ان کی اولاد اور مستحقین کو جلد توجہ کرنا اور اس ضروری ہے ایک کتاب ضروری الامام تحریر فرمائی ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

• جاننا چاہیے کہ نہ محمدی اقرب مخلوقات و اہل بحولات ہے طرف حق اول کے اور اعظم و اتم موجودات ہے۔ اور موجودیت میں ثانی موجودات ہے۔ اور یہی مراد ہے ان اقوال کی جو احادیث نبویہ میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ کا قول ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اول ما خلق اللہ العقل یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ عقل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اول ما خلق اللہ نور حق۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ میری مدح ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اول ما خلق اللہ العقل

یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم ہے۔ واضح ہو کہ یہ سب اوصاف اور نعمت شے واحد کے ہیں باعتبار مختلف۔ پس وہ شے باعتبار ہر صفت کے ایک اسم سے سنی ہے۔ اگرچہ اسما و تو کثیرہ ہیں لیکن سنی واحد ہے۔ ذاتاً و وجوداً۔

نور کے حقیقی معنی کی بالذلل تصحیح

یاد رکھنا چاہیے کہ ہر لفظ کے معنی ایک ایسی حقیقت ہوتے ہیں کہ جس کی صورتیں اور قالب متعدد ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ میزان کسی شے کے انداز کرنے کا آلہ۔ جیسے علم منطق نگری نتائج کا آلہ ہے۔ ترازو تولنے کا آلہ ہے۔ مسطر اور پر کا علم ریاضی کے لئے آلہ ہے۔ اور حضرت امیر علیہ السلام اعمال و اعتقاد کی صحت کا آلہ ہیں۔ اسی طرح لفظ "قلم" بھی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے وہ ایک ایسے آلہ کے لئے ہے۔ جس کے ذریعہ لوح پر نقش بنائے جائیں۔

جب قلم ایک ایسے آلہ کا نام ہے جس کے ذریعہ نقش کھینچے جائیں تو یہ معنی ایک حقیقت ہیں جس کا وجود متعدد صورتوں اور متعدد قالبوں میں ہوتا ہے۔ ملک سے بنایا جائے تو وہ بھی قلم ہے۔ لوہے۔ پستیل۔ تانبہ سے بنایا جائے تو بھی قلم ہے۔ کسی مصالح سے بنایا جائے تو وہ بھی قلم ہے۔ یہ سب جہانی قلم ہیں۔ اگر نور سے بنایا جائے۔ تو وہ بھی قلم ہے مگر نورانی قلم ہے۔ یعنی قلم سب میں مشترک ہیں۔ مگر صورتیں اور قالب جدا جدا ہیں۔ (علم الیقین کا شانی)

اسی طرح لوح جس پر نقش بنائے جائیں وہ بھی ایک حقیقت ہے جس کے لئے متعدد صورتیں اور قالب ہیں۔ وہ لوح خواہ لکڑی کی ہو خواہ سونے چاندی کی۔ اور خواہ کاغذ اور دفعتی کی ہو۔ سب لوح کہلاتے ہیں کیونکہ حقیقت لوح سب میں مشترک ہے۔ یہ سب جہانی لوح ہیں۔ اگر وہ لوح نورانی و روحانی ہو تو وہ بھی لوح ہے مگر روحانی و نورانی ہے۔

اس تمہید سے واضح ہو گیا کہ اول خلق کو اس لئے قلم کہا گیا ہے کہ وہ کائنات کے نقش و وجود بنانے کا آلہ ہے اور اسی کو لوح اس لئے کہا گیا ہے کہ خلاق عالم نے سب سے پہلے اپنے علم و قدرت کے نقش اس پر ظاہر کئے۔ یہی مظہر صفات جلال و جمال ہے۔ لہذا یہ مخلوق اول قلم بھی ہے اور لوح بھی (علم الیقین کا شانی) اسی اول مخلوق کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ کائنات کا ظہور ہوا ہے یہ خود ظاہر ہے اور کائنات کو ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی حقیقی معنی ہیں۔ نور کے۔ یعنی ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ خود اپنے وجود میں ظاہر ہوا اور دوسروں کو ظاہر کر دے۔

خداوند عالم کے لئے بھی اسی حقیقی معنی کے لحاظ سے لفظ "نور" قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔

"اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" خداوند عالم مخلوقات سماوی وارضی کے لئے نور ہے وہ بذاتِ خود ظاہر ہے اور اسی نے مخلوقات کو خلعتِ وجود دے کر ظاہر فرمایا ہے۔

حقیقتِ نور اپنے معنی کے لحاظ سے مشترک ہے مگر صورتوں اور تقابلوں کے لحاظ سے جدا جدا ہے چنانچہ خداوند عالم نے اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا ہے "وَالْقَمَرُ نُورٌ" یعنی ماہتاب کو اس نے نور بتایا۔ لہذا چاند بھی نور ہے۔ خود ظاہر ہے اپنے وجود میں اور اپنی شاعروں سے درسوں کو روشنی کر دیتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ روشنی کا مطلب و معنی بھی اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے مراد ہر گاہ اس کے لئے بھی صورتیں اور تقابلات جدا جدا ہیں۔

کبھی روشنی کا معروض یعنی جس پر روشنی پڑے گی اجسام ظاہری ہوں گے جس طرح آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے اشیاء زمین روشن ہو جاتے ہیں۔ جس کو ہمارے حواسِ غیبیہ ظاہری میں سے صرف حواسِ بصر محسوس کرتا ہے یعنی آنکھ دیکھتی ہے۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ ہاتھ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ لہذا روشنی جس قدر صرف آنکھ کے لئے نور ہے۔ باقی حواس کے لئے نور نہیں ہے۔

معنی نور کو لحاظ رکھتے ہوئے جو چیز ہمارے حواسِ باطن کو روشنی بخشنے کی وہ بھی نور کہلائے گی۔ یعنی اگر وہ قلوب میں روشنی پیدا کر دے یا ہمارے عقل کو روشنی بخش دے تو وہ بھی حقیقی معنی میں نور ہوگی۔ خواہ وہ روشنی بخشے والی چیز ذی حیات ہو یا ذی حیات نہ ہو۔

اس تسمیہ سے ثابت ہو گیا کہ کتاب منزل من اللہ بھی نور ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ہمارے عقل و قلوب کو روشنی حاصل ہوتی ہے جس سے مدحِ الہیان منور ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اسی معنی حقیقی کے لحاظ سے کتبِ الہامی کو نور کہا گیا ہے اور اسی معنی حقیقی نور کے لحاظ سے حضراتِ انبیاء و ائمہ علیہم السلام نور ہیں۔ جن کے ذریعہ حقائق کائنات و کائنات روشن ہوئے اور عقائد و معارف اور عبادات و اعمال کو ضیاء و جلال نصیب ہوئی۔ یہی حضرات ہمیں غلاتِ گراہی سے نیر ہدایت کی طرح لائے ہیں۔ تاریکیوں سے نکال کر روشنی بخشی ہے۔ لہذا معنی حقیقی نور ان حضرات میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہیں بلکہ مخلوقات میں اصل نور اور حقیقی نور یہی ہیں۔



اشتراک لفظ سے اشتراک معنی لازم نہیں

یاد رکھنا چاہیے کہ معنی ظاہر اور معنی منظر بھی ایک حقیقت ہے۔ خداوند عالم کے لئے ظاہر و منظر کے جو معنی ہیں وہ اپنے معنی کے لحاظ سے بے مثل و بے مثال ہے۔ وہ بالذات ظاہر اور بالذات منظر ہے۔ اس واسطے کہ ساقی تمام مخلوقات بالغیر ظاہر اور بالغیر منظر ہیں۔

لہذا اشتراک لفظ سے اشتراک معنی لازم نہیں آتا۔ خدائے عزوجل کی توحید اپنے مقام پر قائم و دائم ہے اس معنی کو ہم نے حقائق الوسائط جلد اول میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کر دیا ہے خصوصاً اس سلسلہ میں ایک حدیث رضوی پیش کرنے کا فرح حاصل کیا ہے۔ جس میں حضرت نے اشتراک لفظ و اختلاف معنی کی تفسیر و توضیح فرمائی ہے۔ اور اسمائے مشترکہ بین الخلق و المخلوق کو شمار کر کے ایک ایک اسم کے جدا جدا معنی ثابت فرمائے ہیں۔ جیسے انسان کے لئے اسم سین و بصیر اور خدا کے لئے بھی اسم سین و بصیر اطلاق ہوا ہے۔ صرف الفاظ مشترک ہیں معانی جدا جدا ہیں۔

قشری اور لبتی علماء کی اصطلاح

ہمارے ان تشریحات کے بعد قشری علماء اور لبتی علماء میں فرق واضح ہو جائے گا۔ قشری سے مراد ظاہر بین علماء ہیں۔ اور لبتی سے مراد باطن نگاہ علماء ہیں۔ قشری ہچکچہ کو کہتے ہیں۔ اور لبت مغز کو کہتے ہیں۔ چپکا ظاہر پر تا ہے اور مغز باطن یہ اصطلاح علماء کاشانی کی ہے۔ قائلین وحدت فرع اور ان کے سرخیل کو اپنے اس خیال باطل گناہ کو ناچاہیے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو جن احادیث میں نور کہلایا گیا ہے وہ مجازاً کہلایا گیا ہے۔ نور سے مراد ان کی مدح ہے حقیقت میں وہ نور نہیں ہیں۔

حالانکہ حقیقت ان کی اس تحریر کے بالکل برعکس ہے کیونکہ حقیقی معنی میں تو یہی حضرات نور ہیں جن کے ذریعہ دیگر انوار پیدا ہوئے ہیں۔ تمام انوار کی اصل امدان کا سرچرہ ہی انوار مقدسہ ہیں ان ہی کے نور حقیقی کی شاعروں سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ ان ہی کی شاعروں سے عرش و کرسی اور شمس و قمر کو نور نصیب ہوا اور ان ہی کی شاعروں سے مومنین کو نور حاصل ہوا۔ یہی حضرات نور الانوار۔ نور الانوار۔ عنانہ الاربار مصباح الدی نور الہدی، اصل قدیم امد فرخ کیم ہیں جس کے دلائل حقائق الوسائط جلد اول میں شرح و بسط کے ساتھ مندرج ہیں اور زیر نظر جلد دوم میں بھی مزید اندراجات ہیں۔

مختصر یہ کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ اور سید رضی علم الہدی علیہ الرحمہ کی طرف ایک قول فرستیں کہ

یہ حضرات خلقتِ اولیٰ نہدی کے قائل نہ تھے بلکہ اشغال و اشباح کے قائل تھے۔

یہ نسبت اولاً مقدم ہے۔ اس کا مستبر ثبوت نہیں ملتا۔ ثانیاً جو کچھ منسوب ہے اس میں ان کے اشغال و صوم کا خلقت آدم سے پیشتر وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ عرش سے بھی پہلے موجودیت ثابت ہوتی ہے ثالثاً جس زمانہ میں یہ قول منسوب کیا گیا وہ شیعوں کی قلت کا بڑا ناک زمانہ تھا۔ اس لئے تفتیش ممکن ہے جس طرح حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے علی بن نقیطن کو وصو کے متعلق حکم دیا تھا کہ اس طرح کرو جیسے عاشر کرتے ہیں۔ مسیح پاکے بجائے پیروں کو دھویا کرو۔ البتہ ان جناب شیخ مفیدؒ نے حضرت ولی العصر علیہ السلام فرج کی ترویج مبارک خود تحریر فرمائی ہے جس میں یہ فقرات موجود ہیں "تَحْنُ حَسَنًا يُعْزِزُ رَبَّنَا وَالْحَقُّ بَعْدَ حَسَنًا يُفْنِي"۔ یعنی ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور اس کے بعد تمام خلق ہماری صنعتیں ہیں۔ اس سے ترویج مبارک سے تقدم و موجود معصومین علیہم السلام ثابت ہے۔ تفصیلات ترویج مبارک کے لئے محتاج الوساطہ مجدد اول کا مسالہ کیجئے۔ خامتا احادیث کثیرہ میں ان کی تخلیق فوری کا ذکر موجود ہے جن کو شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور شیخ طوسی علیہ الرحمہ و علامہ مجلسی علیہ الرحمہ وغیرہ میں المحدثین نے اپنی کتب میں درج فرمایا ہے ان سب بزرگواروں نے حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کی تخلیق اول فوری اور تقدم وجودی کو یقینی و تحقیقی قرار دیتے ہوئے اسی پر اپنے لیان و اعتقاد کا اظہار فرمایا ہے جس کے مقابلہ میں شکرک و منسوب قول ردو ماتا ہے۔

سادہ تخلیق اول نوری ممکن الوجود ہے عقلاً محال نہیں ہے۔ قدرت کاملہ البتہ کی عروسیت خارج نہیں ہے اور مخبر بن مارقین علیم السلام نے اس کی خبر دی ہے۔ لہذا ثابت ہے کہ حضرات محمد آل محمد علیہم السلام ہی تخلیق میں اول المرادات ہیں۔ لہذا جن شخص ان حضرات کو نور تسلیم نہیں کرتا وہ یقیناً احادیث متواترہ کا منکر ہے۔ اور منکر فرمودہ آل محمد علیہم السلام سلم ہو تو برہمیت سے خارج ہے۔

عَلَمَاءِ قُسْرِیْن کے لئے کُل الجواب

حضرات قائلین وحدت فرع کی نظر میں نور کا مطلب ظاہری روشنی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہو لیکن بزقلوب وعقل کو روشن کرے وہ ان کی نظر میں مجازاً نور ہے حقیقہً نور نہیں ہے۔ مگر اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ان نعمات مقدسہ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ضرور ہوا ہے۔ لیکن مابہ التنازع یہ امر ہے کہ اطلاق نور ان معنیوں کے لئے حقیقت ہے یا مجاز۔ ہم انہیں حقیقت ومجاز

کے تین بات کے لئے ایک قانون بلاغت کی طرف توجہ دلاتے ہیں تاکہ وہ اس کی روشنی میں حقیقت کو مجاز کا فیصلہ کیا کریں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ہر لفظ اپنے حقیقی معنی ہی میں متعلیٰ ہوتا ہے مگر جب مجازی معنی میں استعمال کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے کسی ایسے لفظ کا اس کے ساتھ استعمال کرنا لازم ہے جو اصل و حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو یا حقیقی معنی مراد لینا عقلاً محال ہوں تب کہیں اس کے معنی مجازی مراد لئے جائیں گے۔

ہم لفظ نور کے حقیقی معنی گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں لفظ نور کے حقیقی معنی ظاہر بغیر مظہر وغیرہ ہیں۔ بخدا اس کا مظہر نور اس ظاہری کے ذریعہ ہو یا حواس باطنی کے ذریعہ بنا بریں حضرات انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے لفظ نور اپنے حقیقی معنی میں متعلیٰ ہے۔ ان کے ذریعہ تمام خلائق کو روشنی نصیب ہوئی ہے اور ہر قیامت کے لئے لفظ نور اپنے حقیقی معنی میں متعلیٰ ہے۔ ان کے ذریعہ تمام ظاہری نور سے ظاہری حواس کے ذریعہ دور ہو کر روشنی سے متصل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح باطنی تاریکیوں باطنی نور سے باطنی حواس کے ذریعہ متصل ہو جاتی ہیں یہی نور کے حقیقی معنی ہیں اس کو مجازی معنی کہنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ان کو نور کہنا عقلاً محال نہیں ہے۔ لہذا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام بالتحقیق نور ہیں۔ معنی مجازی مراد لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی معنی کا مراد لینا محال عقلی ہو جو اس مقام پر ثابت نہیں ہے۔

لیکن اگر نور کے معنی علمائے تشریفین کی فرضی اصطلاح میں ظاہری روشنی کے ہیں تو انھوں سے لفظ آنے کو اس معنی سے بھی حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام نور ہیں جس کا اظہار و اخفا خداوند عالم نے ان کے اختیار میں دے دیا ہے چنانچہ ان حضرات نے موقع بہ موقع جب مصلحت اپنے نور کا اظہار فرمادیا ہے۔

جناب علامہ جزائریؒ نے اپنی کتاب انوار النہایہ میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔
ایک مرتبہ جبریل حضرت سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور مصروف گفتگو ہوئے۔ جناب سیدہ نے یا عجم کہہ کر خطاب فرمایا۔ جب جبریل نے ان حضرات کی خدمت میں یہ گفتگو پیش کی۔ اور یہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم مخلوق نوری ہیں اور آپ حضرات کی خلقت طین سے ہے پھر یا عجم یعنی اے چچا کیوں فرمایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبریل "نَحْنُ اَيْضًا مَخْلُوقُونَ مِنَ التُّرَابِ" ہم بھی نور سے خلق ہوئے ہیں۔ پھر ان حضرات نے حضرت امیرؑ کو بلایا اور اپنی پیشانی جناب امیرؑ کی پیشانی سے ملا کر ذرا رگڑ دی اس سے اس قدر نور ساطع ہوا کہ لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبریل اس نور کو پہچانتے ہو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تو وہی نور ہے جس کو ہم عرش پر دیکھتے تھے۔ ان حضرات نے فرمایا۔ اسی لئے میری بیٹی نے یا عجم کہا تھا۔ ایسے واقعات بحیرت

امادیت میں وارد ہیں جن سے نور معنی روشنی ظاہری ثابت ہے۔

اگر ناظرین کرام سید حاصل اطلاع کے متمنی ہیں تو میں خصوصیت کے ساتھ التماس کروں گا کہ جناب مولانا محمد حسین صاحب سابق سلمہ التذکیہ کی کتاب ”جواب الاسرار“ کا جزو رسالہ فرمائیں۔ یہ کتاب ثانیین وحدت نوع کی کتاب ”أصول الشریعہ“ کا بہترین اور شکست جواب ہے جس میں تمام سرچرودہ اختلافی مسائل پر اہلینان بخش تبصروہ ہے۔ اور أصول الشریعہ کے ہر باب کا مکمل و مبرہن جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب جوابی نوعیت میں مثالی و معیاری کتاب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کی نشر و اشاعت میں مقصرین کے ہتھکنڈے مانع ہوئے ہیں۔ میں داعطین کرام اور خطباء عظام بلکہ مدین مدرس عربیہ سے عرض کرتا ہوں کہ اس کی اشاعت میں سعی بلیغ فرمائیں۔ اور حضرات الکاکان کتب خانہ اس کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری قوت صرف کریں۔ غالباً فی الحال یہ کتاب اندرون مچی دروازہ کتب خانہ حنیفہ یا کتب خانہ امیر لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ نیزہ افتخار بک ڈپو کرشننگر لاہور سے بھی فراہم ہو سکتی ہے۔

روح اور نور دو جداگانہ حقیقت ہیں

حقیقت روح اور اس کے آثار اور حقیقت نور اور اس کے آثار جدا جدا ہیں جس کے ثبوت کے لئے

شواہد ہی کافی دوانی ہیں۔

ثانیین وحدت نوع کے لئے یہ امر نہایت مشکل و دشوار تھا کہ اگر حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو نور تسلیم کر لیا گیا تو پھر ان کی حقیقت نوع بشر سے جداگانہ تسلیم کرنا پڑے گی۔ چنانچہ ان کا مفروضہ ”وحدت نوع“ صہاً بشریاً ہو جائے گا جس کے لئے وہ موجودہ خالصی اور اس کے نجدی آقاؤں کی طرف سے مامور نظر آتے ہیں۔ ورنہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام اگر ان کے مجرب ہیں تو ان کے بلند درجات اور اعلیٰ مراتب پر ایمان لانے والوں اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے والوں سے دشمنی کیوں ہے۔ اور ان کی رو میں مخفی کتب کی اشاعت و طباعت کے لئے لاکھوں روپیہ کس خزانہ سے حاصل ہوتے ہیں جبکہ مجالس خوانی کا معادضہ بھی نہیں لیتے تو پھر زریعہ معاش کیا ہے۔ بہر حال یہ معاملہ چھپیدہ ہے۔ قوم خود اس کی طرف ناظر ہے۔ ان کے محاسبہ کا وقت قریب آچکا ہے۔ علامہ سیلانی نے فرمایا ہے۔ اینہما زمرہ بیکانگان ہستند علماء قشرین ہی ان ذوات مقدسہ کو فی الحقیقہ نور تسلیم نہیں کرتے۔

یہ امر مسلم ہے کہ غفلتوں کے سہوت کرتے ہی جو معنی ذہن میں آجائیں وہ معنی حقیقت

کہلاتے ہیں۔ کیونکہ التَّبَادُّرُ مِنْ عِلَاقَةِ الْحَقِيقَةِ لفظ سنتے ہی جو معنی فوری طور پر ذہن میں آ جاتی ہیں اس کے حقیقی معنی ہونے کی دلیل ہے۔

لہذا لفظ رُوح سنتے ہی جو معنی قیادہ ہوتے ہیں وہی رُوح کے حقیقی معنی ہیں۔ چنانچہ تمام عقلائے دوز کا اس امر پر متفق ہیں کہ لفظ رُوح سنتے ہی یہ بات ذہن میں آ جاتی ہے کہ وہ ایسی قوت ہے۔ جس سے زندگی حاصل ہوئی ہے اگر وہ جدا ہو جائے تو موت واقع ہو جائے گی۔ یہی معنی رُوح کے حقیقی معنی ہیں۔ اس معنی کے تصور کے ساتھ کسی بھی ہوشمند انسان کو معنی نور کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ لہذا معنی نور جدا گانہ ہیں۔ اور معنی رُوح جدا۔

چنانچہ احادیث کثیرہ و صحیحہ میں نور کی تخلیق جدا گانہ اور رُوح کی جدا گانہ بیان کی گئی ہے۔ فارغین کرام کو زیرِ نظر کتاب میں سیر حاصل بحث کے مطالعہ کا موقع ملے گا۔ انشاء اللہ۔

اس وقت ہم صرف ایک حدیث مبارک کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ تَمَلَّمَ بِكَلِمَةٍ فَصَارَتْ نُورًا وَخُلِقَ مِنْهُ نُورُ النَّبِيِّ وَنُورُ الْأَوَّلِيَّةِ وَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أُخْرَى فَصَارَتْ رُوحًا فَأَسْكَنَهَا فِي ذَلِكَ النُّورِ وَأَسْكَنَهُ فِي أَبْدَانِنَا

بالتفصیل خلاوند عالم نے ایک کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا یعنی مادہ کیا پس وہ نور ہو گیا۔ اس سے نبی و آئمہ علیہم السلام کا نور خلق کیا۔ اور دوسرے کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا تو وہ رُوح ہو گیا پس اس رُوح کو اس نور میں ساکن کر دیا اور اس کو جہاں سے جہاں میں ساکن فرما دیا۔

اس حدیث مبارک سے صاف طور پر واضح ہے کہ ان کی رُوح اور ان کے نور کی خلقت جدا جدا ہے اور پھر ایک کو ظرف بنایا گیا ہے۔ اور دوسرے کو ظروف جس کو ساکن کیا ہے وہ رُوح ہے اور جس میں ساکن کیا ہے وہ نور ہے لہذا وہ جدا جدا حقیقت ہیں۔ نور کو جدا گانہ حقیقت تسلیم نہ کرنا غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کفار میں رُوح موجود ہے مگر کسی قاتل نے آج تک ان کی رُوح کو نور نہیں کہا اور نہ کفار بھی نورانی مخلوق کہے جاتے۔ بلکہ تمام مخلوق جن میں رُوح ہے نورانی مخلوقات ہوتے خواہ وہ پرندے ہوں یا دندے۔ پاک ہوں یا نجس العین۔

لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ رُوح علیحدہ ایک حقیقت ہے جس کو عرف عام میں نور نہیں کہا جاسکتا۔ قائلین وحدت نوع نے اپنے مفروضہ کے ثبوت میں احادیث صحیحہ کثیرہ کو نظر انداز کر کے صرف

دو روایتیں تحریر کی ہیں۔ ایک روایت مجہول الکتاب میں مجہول الحال مولف کی پیش کردہ ہے جو سب سے
عن الاعتبار ہے۔ دوسری روایت ایک غیر معصوم کی ہے جو عند الشیعہ سند نہیں ہو سکتی۔ لہذا بقول ان کے
ایسی ضعیف اور مقطوع السند روایت پر اپنے عقیدہ کی دیوار استوار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ جب کہ
وہ عقل و روایت کے بھی خلاف ہے۔ جب کثرت احادیث صحیحہ جو حضرات معصومین علیہم السلام سے
منقول ہیں اور جامعین احادیث بھی شیوخ حدیث و مراجع ہیں جن پر متقدمین و متاخرین کو مکمل اعتماد
ہے بلکہ مجتہد مذہب شیعہ کے مرتبہ پر فائز ہیں ان کے مقابلہ میں کسی مجہول الحال مولف کی کوئی حیثیت
ہی نہیں ہے جب کہ روایت بھی مشکوک ہے۔ جیسا کہ جواہر الاسرار میں مولانا سابق صاحب سلمہ اللہ
نے مندرجہ ذیل تحقیق قلم بند کی ہے۔ ص ۱۲ و ص ۱۳۔

روح کو نور سے تعبیر کرنا مسلمان شیعہ کے خلاف ہے

فاضل مولف (اصول الشرعیہ) نے اپنے مولف میں دو حدیثیں پیش کی ہیں (۱) بحار الانوار جلد ۱۵ ص ۱۵۱
میں منہج التحقيق الی سوا الطرق کے حوالہ سے مرقوم ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے ان الله
خلق اربعۃ عشر نورا من نور عظمتہ قبل خلق آدم اربعۃ عشر عام فی ارواحنا۔
خداوند عالم نے حضرت آدم سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار
ہمارے ارواح ہیں۔

جواب عرض ہے کہ یہ حدیث علم روایت کے لحاظ سے وثاقت سے گری ہوئی ہے چونکہ منہج التحقيق
ایک مجہول الحال مولف کتاب ہے جس کے متعلق آج تک ثابت نہ ہو سکا کہ کس کی ہے۔ لہذا بقول مولفینا
صاحب کے جب اصول العقائد میں ایک صحیح الاسناد خبر واحد بھی حجت نہیں ہو سکتی تو ایک مجہول الحال
مولف اور مجہول الحال کتاب کی روایت پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے ثانیاً انیکہ اس روایت کو اگر تسلیم کر
لیا جائے تو بھی مولف کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ کتاب عالم جلد ۲ اور الدمۃ السکبۃ ص ۳۳
سطر ۲ پر بھی یہ روایت منقول ہے جہاں ”فہی ارواحنا“ کی بجائے ”فیہن ارواحنا“ لکھا
ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ ان چودہ انوار میں ہماری ارواح رکھی گئی تھیں۔ جو ہمارے نظریہ کے
بالکل مطابق ہے۔

(۲) دوسری روایت کنز العمال کے حوالہ سے شیخ صدوق کی کتاب المعراج سے نقل کی
گئی ہے۔

یا علی! ان الله کان ولا شیء معه خلقنی وخلقک روحین من نور جلاله
یا علی خزانہ عالم موجود تھا۔ اور اس کے برابر اور کوئی چیز نہ تھی۔ پس مجھے اور آپ کو اپنے نور
جلال سے دو روح پیدا کیا۔

اس شبہ کے چند جوابات موجود ہیں۔

(۱) ایک یہ حدیث کنز العمال کے ایک جگہ پر درج نہیں ہے حال غلط دیا گیا ہے بلکہ کنز جامع الغوائد
ودفع العائد سے منقول ہے جس کے موقف بھی مختلف فیہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ علم بن منصور متوفی
۹۳۷ھ (تقریباً) ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ السید شرف الدین علی البغنی صاحب تاریل الایات الباہرہ
ہیں۔ علامہ مجلسی جہاں ”کنز“ لکھتے ہیں اس سے یہی کتاب مراد ہوتی ہے۔ اور اگر اہل متوفی ۹۳۷ھ کی
کنز الغوائد کے لئے کنز الکلاہکی لکھتے ہیں۔

(۲) ایک اس روایت کے راوی ابن عباس ہیں۔ ان کی شخصیت بھی مختلف فیہ ہے۔ باقی اسناد حذفت ہیں
تا کہ ابن عباس کی مدثنی میں اس کو جا بجا جلتے ہیں اصول العقائد جیسے معاملہ میں فاضل مولف ایک مرسل
اور غیر معصوم کی روایت پر عقائد کی دیرا کیونکر استوار فرما رہے ہیں۔

(۳) ایک فاضل مولف نے یہاں بھی حسب عادت روایت منقطع دبر بیکر کے لائنڈوبو اللہ ملوۃ والا
تفسیر پیش کیا ہے۔ الخ (جواب الاسرار)

ثبوت نور میں حضرات معصومین علیہم السلام کا حلفیہ بیان

ہم نہ کہ بحث کو ارشادات معصومین علیہم السلام میں سے صرف ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ جناب
شیخ محمد تقی رب کلینی رضوان اللہ علیہ نے کافی میں ایک باب قرار دیا ہے جس کا عنوان ہے، ، اَنَّ
الْاَوَّلِيَّةَ نُوْرُ اللهِ عَنْ وَجْهِ ،، بالتحقیق اللہ طاہر بن علیم السلام خدا سے عز و جل کا نور ہیں۔ ابو خالد
کاہلی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیۃ قَامُوا بِاللهِ وَالشُّوْرِ الَّذِي اَنْزَلْنَا (سورۃ فہر) سے
دس ایمان لاؤ اللہ پر اور رسول پر اور اُس نور پر جس کو ہم نے اتارا، کی تفسیر دریافت کی تو حضرت نے
فرمایا اے ابو خالد آل محمد میں سے ائمہ قیامت تک واللہ نور ہیں۔ اور وہ اللہ خدا کا وہ نور ہیں جس
کو اُس نے اتارا۔ اور وہ واللہ آسمان میں زمین میں نور ہیں۔ واللہ اے ابو خالد یقیناً امام کا نور قلوب
مومنین میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ واللہ وہ قلوب مومنین کو متور کرتے ہیں اور خدا نے
عز و جل ان کے نور کو جن سے چاہتا ہے ملک دیتا ہے۔ پس ان کے قلوب تاریک ہو جاتے ہیں۔

واللہ اے ابوالفضل کوئی بندہ ہم سے محبت و تولا رکھ ہی نہیں سکتا۔ جب تک اس کے قلب کو خداوند عالم پہلے طائر نہ کر دے۔ اور خداوند عالم اس کے قلب کو پاک نہیں کرتا جب تک وہ ہماری ولایت کو قبول نہ کر لے اور ہمارے سامنے تسلیمِ خم نہ کر لے۔ جب وہ ہمارے سامنے جھک جاتا ہے تو خداوند عالم اس کو سخت حساب سے پکالتینا ہے۔

اس حدیث مبارک میں حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کو قسمِ خدا کے ساتھ نذر فرمایا گیا ہے۔ واللہ فرد ہیں۔ واللہ نور ہیں۔ واللہ نذر ہیں۔

اب اس کے بعد بھی کوئی شخص انکارِ نذر کرے اور قسم بھی کھائے کہ اللہ نذر نہیں ہیں۔ تو زمین پر واجب ہے کہ علی الاعلان کہیں کہ اللہ تو بھوسا ہے۔ اگر اب بھی باز نہ آئے تو علی الاعلان کہیں واللہ تجھ پر لعنت ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ جب تم اہل بدعت و شک کو دیکھو کہ وہ نئی نئی چیزیں پیدا کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شک ڈال رہے ہیں تو ان سے قطعِ تعلق کرو۔ اور ان کو کثرت سے سب و شتم کرو۔ اور ان کی خوب برائیاں کرو۔ اور ان کی غیبت بھی کرو۔ اور ان کو لعن و لعن کا نشانہ بناؤ تاکہ وہ دین میں فتنہ و فساد پیدا نہ کر سکیں۔ اور لوگوں کو ڈراؤ کہ ان سے تعلق نہ رکھیں۔ اور ان سے بدعتیں نہ لیں۔ اللہ تمہارے حسنات میں اضافہ کر دے گا اور تمہارے درجہات بلند کر دے گا (روانی ص ۵)

منکرِ نور معارین میں داخل ہے

ائمہ معصومین علیہم السلام نے نقلی مومنوں کی ایک قسم "معارین" فرمائی ہے۔ اس کے معنی ہیں ظاہری ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ باطن میں وہ ہمارے منکر ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا قول لوگوں کے سامنے کچھ اور ہوتا ہے اور عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ ہماری طرف کذب کی نسبت دیتے ہیں اور جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے نقلی مومنوں کے لئے کئی حسرت ہے۔ کئی ندامت ہے۔ کئی ذلیل ہے۔ دکافی

"معارین" درحقیقت یہی ہیں جو زمین کرام کے سامنے حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فضائل بیان کر دیتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں اقوال و ارشاداتِ معصومین علیہم السلام کی تائید نہیں کرتے ہیں۔ کبھی معنی بدل دیتے ہیں کبھی حقیقت سے انکار کر کے مجاز کی رٹ لگاتے ہیں۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مسئلہ غلو کی توضیح فرماتے ہوئے ان معارین مومنوں کا نشانہ بنایا جس عبارت فرمائی ہے۔ معنی خیز ترجمہ بدیرِ ناظرین ہے۔

بعض تشکیم اور محنت لوگوں نے غلو کے معنی بیان کرنے میں غلو سے کام لیا ہے کیونکہ ایسے لوگ حضرت محمد آل محمد علیہم السلام کی حقیقی معرفت سے قاصر تھے۔ اور ان کے حیرت انگیز حالات و واقعات کو سمجھنے، اور ان کی تعجب خیز شان کو برداشت کرنے سے عاجز تھے۔ انہوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے ان معتمد و موثق راویوں میں بھی قدرح کردی ہے۔ جنہوں نے حضرات معصومین علیہم السلام کی شان میں حیرت انگیز حالات اور تعجب خیز واقعات بیان فرمائے ہیں۔

حقیقت و شان معصومین علیہم السلام کے اور اگ سے قاصروں اور عاجزوں نے (بجائے اس کے کہ اپنا قصور علم و عجز معرفت تسلیم کرتے) ان فدائیت مقدسہ کے لئے بھول چوک نہ ماننے والوں کو بھی غالی کہہ دیا ہے۔ اور ان قاصروں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جو ان حضرات کو عالم ماکان و مایکون تسلیم کرتا ہے۔ وہ بھی غالی ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے دیگر فضائل و کمالات کو بھی اپنی کم علمی کی وجہ سے غلو کہہ دیا ہے حالانکہ احادیث کی شرح میں بلا شک و شبہ یہ مضمون وارد ہے جو خود ان ہی حضرات کا ارشاد ہے کہ "اے مومنین تم ہمیں خدا نہ کہو۔ اس کے سوا جو چاہو کہو۔ اور ہماری شان بیان کرو مگر پھر بھی تم ہماری فضیلت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ نیز ان ہی فدائیت مقدسہ کا یہ ارشاد ہے کہ ہماری شان بذات خود مشکل ہے۔ اور اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس کا تحمل ہونا ملک مقرب یا نبی مرسل یا اس بندہ مومن کا کام ہے۔ جس کے ایمان کا امتحان خدا لے چکا ہو" اور بلا شک و شبہ ان حضرات کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ "اگر ابوذر کو سامان کا وہ ایمان معلوم ہو جائے جو انہیں ان فدائیت مقدسہ کے باب میں حاصل ہے تو وہ اسے قتل کر دیں اور اس قبیل احادیث کچھ گزر چکے ہیں اور کچھ آئندہ لکھے جائیں گے۔ لہذا بندہ مومن کو جو متدین مومن ہو۔ لازم ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے کہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بلند فضائل و کمالات اور حیرت خیز معجزات کا انکار نہ کرے۔ جب تک دلائل یقینیہ سے کوئی چیز ان کے بلند فضائل و کمالات اور حیرت انگیز معجزات اور اعلیٰ شان کے خلاف ثابت نہ ہو یا ضروریات دین کے خلاف نہ ہو یا آیات حکمت کے خلاف نہ ہو۔ (دبحار الانوار جلد ۷ ص ۲۶۹)

اس محدث جلیل نے جو افادہ علیہ و آفاضہ عرفانیہ فرمایا ہے۔ اس کی روشنی میں فدائیت مقدسہ متعالیہ نذرانیہ کو نو تسلیم کرنے اور جدا گانہ مخلوق ماننے میں کسی طرح غلو ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

أرواح مقدسہ حضرات معصومین ایک لمحے کے لئے بھی اہل حق میں

ہم نے سابقہ صفحات میں حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کا تقدم و جدوی احادیث و عقل کی روشنی

میں مختصر طور پر پیش کیا ہے مفصل و مشروح دو باب قائم کر کے سچاس دلائل زیر نظر کتاب میں درج کر دئے ہیں۔ قرآن و حدیث و عقل سے جب ان ذوات مقدسہ کی خلقت فوری و روحی کا تقدم ثابت ہے تو یقیناً یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حضرات عالم ہیں کیونکہ علم کے معنی کشف ہیں۔ اور باغ کشف مراد جہانیا ہے۔ جب مادہ کشف کا درجہ ہی نہ تھا تو کشف ہی کشف تھا۔ جس کو علم ہی علم سے تعبیر کیا جائے گا۔

نیز یہ ثابت ہے کہ اشیاء کائنات کا وجود ان کے بعد ہے۔ خواہ وہ فوری مخلوقات ہوں یا مادہ کشف سے وجود میں آئی ہوں۔ سب کچھ مخلوق اول کے لئے کشف ہے یعنی علم ہے۔

نیز یہ امر ثابت ہو چکا ہے اور کتاب مذہب شیعہ میں سے ہے کہ حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کے اندام و انوار ایک ہی نوع کے اصناف ہیں۔ شخصیات و تعینات کے لحاظ سے چارہ ہیں۔ ان ہی ذوات مقدسہ نے سب سے اول تسبیح و تحمید خدا کی اور ان کی تسبیح و تحمید ہی سے تسبیح و تحمید کو وجود حاصل ہوا۔

یہی حضرات معلم عالم لاہوت و ملکوت ہیں ملائکہ اور ارواح انبیاء کو تعلیم دی ہے۔ لہذا ان حضرات کے لئے عالم معلم ہونا ثابت ہے اور علم و تعلیم کی استعداد و قابلیت ان کے لئے تخلیق ہی ہے۔ یعنی خدا سے عزوجل نے جب ان کی روح اور نور کو ہم کیا یعنی دونوں کو متحد کیا تو عالم و معلم بن گئے یہی سننے ہیں خدائی تعلیم کے۔ اسی کو معلم لئی اور علم دی کہتے ہیں۔ یہ علم ہماری طرح اکتساب سے حاصل نہیں ہوا کہ ہم پیدائش میں جاہل تھے۔ پھر جہتہ جہتہ علم حاصل کرتے گئے۔ اور عالم و علامہ و صدر الحقین بن گئے۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

خداوند عالم نے بذریعہ ضرب الاشمال اس حقیقت کو قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے۔ اور مختلف اصناف مخلوقات کو ان کی تخلیق میں علم عطا کیا ہے جسے وحش و طیر اور حشرات الارض خصوصاً شہد کی مکھیاں اور عنکبوت جن کا تذکرہ ان ہی کے نام پر سورہ نمل و سورہ عنکبوت، قرآن میں موجود ہے۔ یہ سب شکل کہلاتے ہیں و ذہب کے ساتھ کیونکہ ان کے ذریعہ وہ مقصد جو ذہن سے پوشیدہ ہے۔ جلد ہی ذہن کے قریب ہو جاتا ہے۔ یعنی پیدائش ہی میں استعداد و قابلیت عطا کر دینا ثابت ہو جاتا ہے۔

لہذا انبیاء و آلہ علیہم السلام کی تخلیق میں درجہ اولیٰ تخلیقی علم کا ثبوت واضح ہے وہ پیدائش جسمانی میں بھی عالم ہوتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اور تلامذ کتاب کرتے ہیں۔ یہ علم و حقیقت علم مبذل ہے۔ احادیث اہل بیت علیہم السلام میں علم کی دو قسم بیان کی گئی ہیں۔ ایک علم مبذل ہے جو فطرت و جبلت میں عطا ہو جاتا ہے۔ دوسرا علم مکفوف ہے جو حسب مصلحت خداوند عالم عطا کرتا رہتا ہے۔

اسی کے لئے دُعا کی جاتی ہے ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ پالنے والے میرا علم زیادہ فرماتا رہے۔ یہ علم صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی کے لحاظ سے صرف خدا عالم الغیب ہے۔ یعنی یہ علم تمام کائنات سے پوشیدہ ہے۔ علم مبذول یعنی علم مجبور و جبروت میں نبی و امام کو حاصل ہے اور ان کے غیر کو حاصل نہیں اس علم کے لحاظ سے یہ حضرات بھی عالم الغیب ہیں بمقابلہ دیگر ان۔

لہذا اس یقین کے ساتھ عالم الغیب کو پناہ صحیح و درست ہے (کافی)

ملائکہ ان پر نازل ہوتے ہیں جن کو یہ دیکھتے ہیں اور پہچانتے ہیں کہ یہ ملک کس نام سے موسوم ہے۔ اور اس کی جگہ کہاں ہے۔ نزول ملائکہ تنزیل کے لئے ہوتا ہے یعنی پیغامات خدا پہنچانے کے لئے آتے ہیں نہ کہ تعلیم دینے کے لئے۔ بلکہ جس پیغام کو لے کر ملائکہ نازل ہوتے ہیں وہ اُس کے پہنچانے ہی پر مامور ہوتے ہیں پیغام کا مقصد اور اُس کا علم ان کے ذمہ منصبی میں داخل نہیں ہوتا یعنی ان کا کام صرف پہنچانا ہے۔ نہ کہ پیغام کی حقیقت کو جاننا۔

بنا بریں جب ان کا عالم ہونا ہی ثابت نہیں تو وہ انبیاء و ائمہ عظیم السلام کو تعلیم کیا دیں گے۔ خصوصاً حضرات محمد و آل محمد عظیم السلام کو کہ جنہوں نے خود ملائکہ کو تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ مفصل و مشرح زیر نظر کتاب میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

انبیاء و ائمہ عظیم السلام کی نبوت و امامت جبری ہے

برخی و امام تخلیق میں نبی و امام ہوتا ہے۔ اُس کی جبلت میں یعنی فطرت میں نبوت و امامت برقی ہے وہ اپنے صفات نبوت و امامت کے ساتھ مجبور و مضطور ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَبَلَ النَّبِيِّينَ عَلٰى نَبُوْتِهِمْ فَلَا يَزِيْدُوْنَ اَبَدًا وَجَبَلَ الْاَوْصِيَاءَ عَلٰى وِصَايَاهُمْ فَلَا يَزِيْدُوْنَ اَبَدًا (کافی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء عظیم السلام کو فطرت و جبلت میں انبیاء بنایا ہے۔ وہ کبھی کسی آن میں کسی حال میں اس جبلت و فطرت سے ہٹ نہیں سکتے۔ اسی طرح ان کے اوصیاء کو بھی فطرت و جبلت میں وصی بنایا ہے وہ بھی اپنی وصایت و امامت سے کبھی اور کسی لمحہ میں کسی حالت میں اس جبلت و فطرت سے ہٹ نہیں سکتے۔

ان حضرات کا علم تخلیق ہے۔ اور یہ علم ان کو تمام کائنات کی خلقت سے پہلے حاصل ہو چکا ہے

جیسا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

ہم تمام کائنات سے زیادہ عالم ہیں ہمیں تمام مخلوقات کی خلقت سے قبل یہ علم حاصل ہو چکا ہے (بعد از ان)
جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیق اتنی باریک عبارت تحریر فرمائی ہے۔
إِنَّ أَوْدَاحَهُمُ الْمَقْدَسَةَ قَبْلَ تَعْلُقِهِمْ بِأَجْسَادِهِمُ الْمَطْهُرَةِ كَأَنَّ
عَالِمَةَ بِالْعُلُومِ الدُّنْيَا مَعْلَمَةً لِلْآلَايِكَةِ۔

بالتحقیق ان ذرات مقدسہ کے اوداح مقدسہ ان کے اجسام مطہرہ سے تعلق پیدا ہونے سے پیشتر
عالم علوم لدنی تھے اور ملائکہ کے معلم بھی تھے۔ (بجاء اللادار)
لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

نیز علامہ ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کو عالم تکوین و ایجاد میں یہ علم
دیا گیا ہے جو ان حضرات کے کسی وقت بھی جدا نہیں ہو سکتا۔ (مرآة العقول)

نیز تحریر فرمایا ہے کہ ان کی اوداح مقدسہ تمام ملائکہ اور جبرئیل امین سے بھی اعظم ہیں۔ ان ہی اوداح
کے ذریعہ عالم ہیں۔ یہ اوداح بلحاظ صنف اوداح ہیں درجہ نوع ان کی ایک سے (مرآة العقول)
تحقیقات علیہ مذکورہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ روح اعظم ایک نوع کلی ہے جس کے افراد
اوداح چہارہ و مصدقین علیہم السلام ہیں۔ ہر ایک میں یہی روح اعظم موجود ہے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی
ہم پیشتر یہ بھی تحریر کر چکے ہیں کہ یہ روح عطیہ خدا ہے فطری و تعلیقی ہے ناقابل انفکاک ہے کبھی
ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔ خداوند عالم نے بعد عطیہ اس کو سلب نہیں کیا ہے۔ آج تک کوئی منقصر کوئی مراعی
کوئی غابی کوئی نامل وحدت نوع اس عطیہ خداوندی کے سلب کئے جانے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں کر سکا۔

روح لفظ مشترک ہے مختلف افراد پر اطلاق ہوتا ہے

قرآن مجید اور احادیث میں لفظ روح متعدد و مختلف افراد کے لئے استعمال ہوا ہے جس کے بعد ہر مقام پر
روح کے ایک معنی تکرار لینا ناہمی و نادانی ہے۔ ہر عالم و عامل کا فرض ہے کہ مناسبت و قرائن کو پیش نظر
رکھے۔ تاکہ غلطی سے خد بھی محضوظ رہے اور زمین کرام بھی۔

بعد استقرار و تفحص کامل علمائے اعلام نے لفظ روح کے دس معنی تحریر کئے ہیں جن میں ان کا استعمال ثابت
و مسلم ہے و الہی و جبرئیل و حضرت عیسیٰ و اسم اعظم و الرحمة و الراحۃ و الخیل و قرآن و
حیات و عظیم قوت۔

اگر ہم ہر ایک معنی کا عمل استعمال تحریر کریں اور قرائن و مناسبات اور اس کے دلائل پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے لہذا ہم صرف اس رُوح کے متعلق بحث کریں گے جو انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں ہے وہ رُوح، رُوحِ اعظم کہلاتی ہے جو تمام اُرداح سے قوت میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ رُوح ایک نورانی کلی ہے جس کے اقسام بطور شدت و ضعف انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔ مگر تمام ملائکہ سے یہ رُوح افضل ہے۔ لہذا ہر ایک نبی ملک سے افضل ہے۔ ہمارے اس بیان سے اس حدیث کی توضیح ہو جاتی ہے کہ انبیاء میں پانچ درجے ہیں اور مرئیین میں چار اور کافرین میں تین۔

درحقیقت صفات کے لحاظ سے تعداد کا اظہار کیا گیا ہے نہ کہ رُوحِ اصل کے لحاظ سے وہ تو ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کے آثار مجزا ہیں۔ ان آثار پر بھی اطلاق رُوح ہوتا ہے۔ لہذا اصل رُوح جس معنی میں مستعمل ہے وہ اُرد ہیں۔ اور جن آثار کو رُوح کہا گیا ہے۔ اُس کے معنی مجزا ہیں۔ جیسا کہ رُوح کے دس معانی سے ثابت ہے۔ تاہم تدریجاً۔

رُوحِ اصل ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انداز ہمارے عقول سے بالاتر ہے۔ اسی درجہ سے حکماء و شکلیں اس کے معنی کا آج تک تعین نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کا تعلق عالمِ اہم سے ہے نہ کہ عالمِ خلق سے جب کہ عالمِ خلق کی حقیقت سے بھی ماہر ہیں۔ خداوند عالم نے قَسَدًا لَكَ تَحِيَّاتُ الشُّرُوحِ کے جواب میں فرمایا ہے قُلِ الشُّرُوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ اے رسول کہہ دو کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔ یعنی مخلوق امری ہے جو کہ نیکوں سے تعلق رکھتی ہے۔ تمہارا علم اُسے نہیں پاسکتا۔

یہی رُوحِ اعظم حضراتِ محمد آلِ محمد علیہم السلام کو عطا ہوئی ہے۔ جو اپنے اقسام میں سب سے افضل و کمال ہے۔

ہر ایک مخلوق سات درجات طے کرتی ہے

حضراتِ معمرین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی مخلوق اُس وقت تک عالمِ وجود میں نہیں آ سکتی جب تک سات درجات سے نہ گزرے۔

پہلے علمِ خدا میں آتی ہے۔ پھر مشیتِ خدا میں آتی ہے۔ پھر ارادۂ خدا میں آتی ہے۔ پھر قضائے خدا میں آتی ہے۔ پھر قدرِ خدا میں آتی ہے۔ پھر اہلِ خدا میں آتی ہے۔ پھر اذنِ خدا میں آتی ہے۔ تب اس کو وجود نصیب ہوتا ہے۔ اس قانونِ کلی سے کوئی موجود خارج نہیں ہے (کافی)

یعنی جس چیز کو خدا پیدا کرتا ہے وہ پہلے اُس کے علم میں آتی ہے۔ پھر مشیت میں آتی ہے۔ پھر ارادہ میں آتی ہے۔ پھر اُس کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی تمام قصا میں آجاتی ہے۔ پھر فیصلہ کے مطابق اس کا تعین ہوتا ہے یعنی قدر میں آجاتی ہے پھر اس کے لئے اجل یعنی مدت مقرر ہوتی ہے۔ پھر اس کے صدور کا اذن ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ عالم واقع میں موجود ہو جاتی ہے۔

اس حدیث مبارک میں یہ درجات بلحاظ تقدم و تاخر ذاتی ہیں نہ کہ زمانی و مکانی فانیہم۔ جب ہر شے کے لئے یہ سات درجات ہیں تو ان درجات میں تمام انبیاء و ائمہ علیہم السلام بھی محسوب ہیں یعنی وہ بھی ان درجات سے گذر کر عالم وجود میں آئے ہیں۔

آیہ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کی تشریح

قرآن مجید میں خداوند عالم نے ہمارے رسول سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
 وَمَا كُنْتَ لَتُبَشِّرَ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا آتُوكَ وَرَأَى حِجَابٍ أَوْ
 يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِي بِلَاذِيهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ عَزِيزٌ ۝۵۲ وَكَذَلِكَ
 أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ
 وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا فَهَدَىٰ بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّا لَنَهْدِي
 إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ صِرَاطُ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي
 الْأَرْضِ ۚ إِنَّا إِلَى اللَّهِ تَسْوِيطُونَ ۝۵۳ (پس شروعی آیت ۵۲ و ۵۳)

اور کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو کہ بذریعہ وحی اس پر وہ یا کوئی رسول بھیج کر ہر اس کے اذن سے وحی کو کتاب جو خدا جانتا ہے وہ بے شک بلند بالا حکیم ہے۔ ہ اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف ایک روح وحی کی جو ہمارے امر کی فرع ہے تم نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے مگر ہم نے اس کتاب کو نور بنادیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور بلا شک و شبہ ہر حال تم صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرتے ہو جو اس اللہ کی صراط ہے جس کے قبضہ میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ ہے جو زمین میں ہے و یقیناً اللہ ہی کی طرف ہم اس کی بازگشت ہے۔ اس آیہ دافی ہدایہ سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول: کسی بشر سے خداوند عالم ہم کلام نہیں کرتا یعنی بالمشافہ گفتگو نہیں کرتا۔ اُس نے بشر سے

رابطہ کلام پیدا کرنے کے لئے تین طریقے معین فرمائے ہیں۔ پہلا طریقہ وحی ہے۔ یعنی اس کے قلب میں القا کر دیتا ہے۔ اسی کو راضی کہتے ہیں جو وحی کے حقیقی معنی ہیں۔

دوسرا طریقہ "حجاب" ہے۔ یعنی وہ وسیلہ جس کی ایک طرف خدا سے رابطہ رکھتی ہو۔ اور دوسری طرف بشر سے۔ کیونکہ حجاب میں ایک ظاہری طرف ہے اور ایک باطنی۔

بنابریں معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے۔ "تَحْتَ حِجَابِ اللَّهِ" یعنی ہم اللہ کے حجاب میں یعنی مخلوقات اور خدا کے درمیان ہم وسیلہ ہیں۔

تیسرا طریقہ اپنے فرستادہ فرشتہ کے ذریعہ جو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔

یہ بشری حالت میں وحی کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ لہذا اس کا تیسرا وجود بشریت سے پیشتر کے حالات پر نہیں کیا جاسکتا۔ فافہم و تفکر۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی قدرت کا ملکہ اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنی ذات بے سمیت کی عظمت و قدوسیت بھی واضح فرمادی ہے۔ کہ وہ کسی سے نہ سبوتا ہے اور نہ کوئی اس سے مس ہو سکتا ہے۔ وہ لمن وس سے منزہ ہے۔ اور قرب و بعد مکانی و زمانی سے بلند و بالا ہے۔ یعنی نہ کوئی اس کو چھو سکتا ہے۔ اور نہ وہ کسی کو چھو رہا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے اُمور پہنچانے کے لئے ایسے حدود و معین کر دیے ہیں کہ اس کی ذات ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے۔ چنانچہ مخدوم و لفظ آیت "عَلَى كَيْفِهِ" اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ بلند و بالا ہے۔ اور صاحب حکمت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ جمیع عیوب سے منزہ رہے گا۔

اس کے بعد دوسری آیت میں اپنی قدرت و عظمت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے حبیب سے اس انداز میں خطاب فرمایا ہے کہ اُن حضرت کی جلالت شان بھی ظاہر ہو جائے جو مذکورہ طرق کلام سے جدا گانہ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی مملکت و علو شان کے مطابق تمہیں روح عطا کی۔ جو ہمارے امر کی فرع ہے۔

در حقیقت اُن حضرت ہی کو یہ مخصوص روح عطا کی گئی کیونکہ دیگر انبیاء کو اس قسم روح کی ایک فرع عطا کی گئی ہے۔ خدا کے امر کی فرع وہ بھی ہے مگر قوت میں قوی اور قوی ترین کافر ہے۔ اس کا ثبوت لفظ "من" ہے جو لفظ "روح" کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے "قِنْ زَنْجِي" استعمال ہوا ہے۔ مروجی نہیں ہے۔ بنابریں اُن حضرت تمام انبیاء سے افضل ہیں اور انبیاء و تمام ملائکہ سے۔ اسی روح امر کی وجہ سے افضل ہیں۔

جیسا کہ ہم پیشتر واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت و فوقیت کا سبب یہی روح ہے۔ جو تمام انبیاء کو عطا ہوئی ہے۔ قوی و قوی تر کا امتیاز ہے جس کی وجہ سے بعض افضل ہیں بعض سے مگر ملائکہ سے سب ہی افضل ہیں۔ کیونکہ ملائکہ کو روح امری حاصل نہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے امور ہیں۔ ان پر امر نہیں ہیں۔ ان میں ارادہ و اختیار نہیں۔ انبیاء قادر و مختار ہیں۔

بتائیں ہم نے کبھی ملائکہ کو وسیلہ نہیں بنایا۔ اور نہ بوقت مشکل انہیں پکارا۔ کیونکہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ جب تک امر خدا یا امر رسول و ائمہ علیہم السلام نہ ہو۔ لہذا ہم ان کے امر کو پکارتے ہیں جس کے وہ امور میں کفایت الودھین میں علامہ نوری طبرسیؒ نے بالوضاحت تحریر فرمایا ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ملائکہ کو جو حکم دیتے ہیں وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان ذوات مقدسہ کے بغیر حکم کچھ نہیں کرتے اور یہ حضرات وہی حکم دیتے ہیں جو خدا کی مشیت میں ہوتا ہے۔ وَمَا تَأْتُونَ إِلَّا بِشَاءِ اللَّهِ۔ اور تم وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے، یعنی مشیت خدا کے عالم میں۔ لہذا وہی چاہتے ہیں جو وہ چاہتا ہے ہر حال میں ملائکہ ان حضرات کے تابع فرمان ہیں۔ کیونکہ ان ذوات مقدسہ کو روح امری عطا ہو چکی ہے۔ اور جب عطا ہو چکی تو ان حضرات سے واپس نہیں لی گئی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

چونکہ ان حضرات کا امر جاری اور حکم نافذ ہو چکا۔ اس لئے یہ خطرہ ناکزیر تھا کہ غلات ان ہی کو خدا نہ سمجھ لے۔ اور ان کی پرستش نہ کرنے لگے۔ لہذا خداوند عالم نے روح امری عطا کرنے کے بعد ان حضرات کی مخلوقیت اور اپنی خالقیت ان حضرات کی عاجزی اور اپنی قادریت کا اظہار آیت کے اس جملہ سے فرمایا کہ تم اے حبیب ہمارے عطائے روح امری سے پہلے نہ کتاب کے عالم تھے نہ اس پر ایمان لانے کے طریقوں کو جانتے تھے۔ یعنی علم و قدرت دونوں خدا نے عطا کئے ہیں جس کی وجہ سے ہادی قرار پائے ہیں۔ اور لوگوں کو صراط مستقیم دکھاتے ہیں۔ وہ چونکہ تمام کائنات سماوی وارضی کا مالک ہے اس لئے حضرات انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کا بھی مالک ہے۔

خداوند عالم نے لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے یہ امور بیان فرمادئے ہیں تاکہ اس کی توحید برقرار رہے اور ان حضرات کی عظمت شان کا بھی اظہار ہو جائے۔

آں حضرت بھی دیگر مخلوقات کی طرح مسات درجات تخلیق سے گذرے ہیں جیسا کہ ہم نے درجات کی نشاندہی پیشتر تحریر کر دی ہے۔

اب ہمیں ان درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے کہ آں حضرت کے لئے بھی موجود حقیقی واقعی ہونے سے یعنی وجود ظاہری نورانی سے قبل جب کہ آپ علم خدا میں تھے۔ مشیت خدا میں تھے۔ تضاد قدر

اور اہل واذن میں تھے تو آپ کو نہ علم کتاب حاصل تھا۔ اور نہ علم طریقہ ایمان۔ مگر موجودیت کے ساتھ ہی ساتھ علم حاصل ہو گیا۔ یعنی آپ کے وجود واقعی اور علم میں فصل نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی یہ علم خدا کی طرح عین ذات نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ ذات کے ساتھ ساتھ ہے۔ اسی مقصد کو صادق آل محمد علیہ السلام نے اس طرح ادا کیا ہے کہ ان حضرات ایسے حال میں گذرے ہیں کہ علم نہ تھا۔ یہ لفظ حال درحقیقت اخبار مقصد کے لئے ہے درز وقت و زمانہ ہی نہ تھا جب کہ ان کی خلقت برائی اور علم دیا گیا۔

ہم نے ”رُفَعَا مِنْ آمْرِ نَا“ کے معنی روح امری اس لئے لکھے اور تحریر کئے ہیں کہ یہاں لفظ امر سے پہلے لفظ ”مِنْ“ ہے جس کی شے کی فرع کو متضمن ہے۔ یعنی درج مذکور خدا کے امر کی فرع ہے۔ یعنی خدا کل امر کا مالک ہے اور ان کو اس امر کی فرع عطا کر دی ہے۔ یہ روح امر ہے مگر بعض امور میں اور خدا امر ہے کل امور میں چنانچہ اس آیت کے آخر میں صاف طور پر فرمادیا ہے۔ ”وَإِلَى اللَّهِ تَصِيبُ الْأُمُورُ“، یعنی تمام امور کا مرجع وہی ذات کی تائید و لا شریک ہے۔

نیز لفظ ”أَوْحَيْنَا“ یعنی ہم نے غنی طور پر روح عطا کر دی، کے بعد یہ کہنا کہ یہ عطیہ ہم نے اپنے امر سے کیا۔ یعنی اپنے حکم سے کیا کس قدر بے معنی اور لغو و بھل ہے۔ کیا وہ خود ہی امر ہے اور خود ہی مامور ہے۔ یعنی عطا کرنے والا بھی وہ خود ہی ہے۔ اور حکم دینے والا بھی وہ خود ہی ہے۔ فافہم ولا تفعل۔

لفظ ”أَمْرٌ جَرَّ آيَةَ الْخُلُقِ وَالْأَمْرُ نَبْزَايَهُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“ میں بیان ہوا ہے وہی ایہ مذکورہ میں ہے۔ اور یہی لفظ ”امر“ وہ ہے جو آيَةُ اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ میں وارد ہوا ہے۔

یعنی جنہیں روح امر دی گئی ہے انہیں بعض امور میں ”كُنْ فَيَكُونُ“ کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ بعض امور تکوین میں قدرت و اختیار رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

وَاجْرِي فِعْلَ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ عَلَى أَيْدِي مَنْ اصْطَفَا مِنْ أَمَنَائِهِ مَكَانَ تَعْلَمُ فَعَلَهُ وَامْرُؤُهُ (اجتہاج طبری ص ۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کے فعل کو اپنے منتخب ائمہ کے دست ہائے مبارکہ پر نافذ کر دیا

ان حضرات کا فعل، فعل خدا اور ان حضرات کا امر امر خدا ہے۔

یعنی بعض امور تکوین ان ذوات مقدسہ کے تابع امر قرار دے دئے۔ مگر کل امور تکوین خدا ہی کے دست قدرت میں ہیں۔ یہ بعض امور تکوین اس لئے عطا کئے کہ ان حضرات کا حجت خدا ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے (اجتہاج طبری) اس کی تفصیلات حقائق الوسائط

جلد اول میں ہی ملاحظہ کیجئے۔

آیہ ماتدری ما الکتاب میں روح مراد مالک نہیں ہے

آیہ مذکورہ کی تشریح و توضیح ہم نے دلائل کے ساتھ پیش کر دی ہے جس کی تائید علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے پیش کردہ بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ اور احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بھی نیز بہترین تفسیر وہ ہے کہ خود آیات ہی آیات کی تفسیر بن جائیں جیسا کہ ہم گذشتہ اوراق میں درج کر چکے ہیں۔ اب ہم اصول کافی سے چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ جو آیہ مذکورہ میں لفظ روح کے معنی کی تفسیر میں وارد ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

خلق من خلق الله عن وجل اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول الله

صلی الله علیه واله یخبره ولیدده وهو مع الامة من بعده۔

یہ روح جو آن حضرت کو عطا ہوئی ہے یہ ہے تو خدا ہی کی مخلوق مگر جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہے

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ رہی جو جبرئیل و میکائیل سے اعظم تھی۔ اور وہ ہی روح آنحضرت

کے علاوہ ائمہ علیہم السلام کے بھی ساتھ ہے۔

لفظ "من بعده" کا ترجمہ ہم نے علاوہ کیا ہے یعنی عالم انعام میں یہ روح پہلے آں حضرت

کو عطا ہوئی۔ پھر ائمہ طاہرین علیہم السلام کو عطا ہوئی جس طرح پہلے آں حضرت کی تخلیق توری ہوئی۔ پھر

اسی سے ائمہ طاہرین کی تخلیق ہوئی۔

پھر حال اس قدر در واضح ہے کہ وہ روح فرشتہ نہیں ہے۔ نیز یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت

کو عطا ہونے کے بعد اور کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔ سوائے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے۔ اس معنی میں لفظ

"من بعده" قرآن مجید میں خود خداوند عالم نے اپنی ذات کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

رَفَعْنَا قَعْدِيَهٗ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ (پس جانشینہ آیت ۲۳)

پس کون ہے جو اس کو ہدایت دے گا اللہ کے بعد۔

یہاں اللہ کے بعد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے مرنے کے بعد بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ سے کوئی عظمت میں برابر نہیں ہے جب اللہ ہی ہدایت نہ دے تو کون ہے جو ہدایت

دے سکے اللہ کے بعد۔

لہذا حدیث میں لفظ من بعد کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے بعد اگر عظمت حاصل ہے تو وہ عطا پرین علیہم السلام کو حاصل ہے۔ اس کا مطلب اُن حضرت کے مرجع کے بعد نہیں ہے۔

یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جس طرح اُن حضرت کے اوصیاء عالم امر میں اوصیاء مقرر ہو چکے تھے ان میں بہر وقت کمالات موجود تھے مگر اپنے امر و نہی کا نفاذ رسول اللہ کے بعد عمل میں لایا گیا ہے اسی طرح یہ درج اعظم ان میں موجود تھی مگر اُس پر عمل درآمد بعد رسول کیا ہے۔

ان تمام کثر بحیات کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں بالوصاحت موجود ہے کہ اول تخلیق میں جو کمالات اُن حضرت کو عطا ہوئے وہ سب کمالات اللہ طاہرین علیہم السلام کو بھی اسی اول تخلیق میں حاصل ہوئے۔ درج اعظم ایک نوع کلی ہے جو چار درجہ معصومین علیہم السلام کو فروا فرداً حاصل ہوئی ہے۔

حدیث دوم: میں حضرات معصومین علیہم السلام میں سے کسی کا نام درج نہیں ہے مگر قرینہ بتاتا ہے کہ یہ سوال بھی حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے کیا گیا۔ اور آپ نے فرمایا جب سے یہ روح اُن حضرت پر اتری پھر آسمان پر واپس نہیں گئی۔ وہی روح ہم اہل بیت میں ہے۔ اس سے اس قدر ثوابت ہو جاتا ہے کہ وہ روح ملک نہیں رہے۔ اور نہ وہ قرآن ہے بلکہ خدا کا مخلوق ہے جو حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے فوات بعد میں ہے۔

حدیث سوم: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آیہ یسئلونک عن الروح میں لفظ قیل الروح من أمر ربی سے مراد وہ روح مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہے۔ سابق میں جو حضرات گزر گئے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ یہ روح نہیں تھی سوائے آنحضرت کے اور وہی روح اللہ کے ساتھ ہے جو قوت پہنچاتی ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُ مَا طَلَبُ دُجْدٍ اور یہ روح ایسی نہیں ہے کہ جب کوئی طلب کرے تو اُسے پالے۔ یعنی یہ طلب کرنے اور دعا کرنے سے نہیں مل سکتی۔ یہ ترجمہ بصیغہ معروف ہے۔ اگر بصیغہ مجہول ہو تو یہ معنی ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب طلب کی جائے تو پائی جائے۔

اس کی تائید حضرت امام رضا علیہ السلام کے خطبہ امامت سے ہو جاتی ہے کیونکہ بعض احادیث بعض احادیث کی تفسیر کرتی ہیں۔ حضرت نے یہی لفظ طلب ارشاد فرمایا ہے۔

”لَئِنْ يَطْلُبُ مِنْهُ لَهُ ذَلَا اِكْتِسَاب“ یعنی یہ مرتبہ اپنے لئے دعا کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ مجدد جبر سے بل سکتا ہے۔

حدیث چہارم ابو حمزہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے سوال کیا۔

قال سئلت ابا عبد الله عليه السلام من العلم اهو علم يتعلمه العالم من افواه الرجال ام في الكتاب عندكم تقرؤنه فتعلمون منه قال الامر اعظم من ذلك وارجب اما سمعت قول الله عز وجل وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان ثم قال اني مشي يقول اصحابكم في هذه الآية ايقرون انه كان في حال لا يدري ما الكتاب ولا الايمان فقلت لا ادري جعلت فداك ما يقولون فقال بلى قد كان في حال لا يدري ما الكتاب ولا الايمان حتى بعث الله الروح التي ذكر في الكتاب فلما اوحاها اليه علم بها العلم والفهم وهو الروح التي يعطيها الله عز وجل لمن شاء فاذا اعطاها عبدا علما الفهم ابو حمزہ نے حضرت سے علم امام کے متعلق سوال کیا کیا امام کا علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل ہوتا ہے؟ یا آپ حضرات کے پاس کسی خاص کتاب میں ہے جس کو شیوہ کر علم حاصل کر لیتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا یہ معاملہ اس سے اعظم اور واجب ہے کیا تم نے خدا کے عز وجل کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ كَذَلِكَ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ پھر فرمایا تمہارے اصحاب اس آیت کے بارہ میں کیا کہتے ہیں کیا یہ ارشاد کرتے ہیں کہ آں حضرت ایسے حال میں تھے کہ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ پس میں نے عرض کی میں آپ پر قربان مجھے نہیں معلوم لوگ کیا کہتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ ہاں ایک حال ایسا تھا کہ آپ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ روح عطا کی جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ روح انہیں عطا فرمادی تو اس کے ساتھ ہی علم و فہم کی تعلیم دے دی یہ وہ روح ہے کہ اللہ عز وجل جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ پس جب عطا کرتا ہے کسی عبد خاص کو تو اسے فہم عطا کرتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے چند اہم امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ان ذوات مقدسہ کا علم نہ تو لوگوں کے مونہوں سے حاصل ہوتا ہے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے۔ ان کے علم کی شان اس سے اعظم ہے اور واجب اس لئے ہے کہ یہ دونوں طریقے تو

عام لوگوں کے تحصیل علم کے ہیں۔ نبی و امام اس سے بالاتر ہیں کہ وہ لوگوں سے یکتا ہوں سے علم حاصل کریں۔ یعنی وہ بدو فطرت میں علم لے کر آتے ہیں۔ ان کی تخلیق میں جب روح و نور ہم ہوتے ہیں تو عالم ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کے علم کو اپنی طرح تدبیر کی نگہ جیسے عام انسانوں کا علم ہے۔ ان کے علم کی شان اعظم ہے یعنی ان کا علم امری ہے۔

دوم یہ کہ جب خداوند عالم نے روح امری عطا کی تو اس کے ساتھ ہی علم و فہم پر قدرت حاصل ہو گئی۔ سوم۔ یہ کہ صرف آں حضرت ہی کو یہ روح امری عطا نہیں ہوئی بلکہ جن کو خدا اپنی شہادت میں منتخب کر لے انہیں بھی روح امری عطا کرتا ہے۔ یہ درحقیقت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شان علم سمجھائی گئی ہے کیونکہ اس نے سوال ہی علم امام کے متعلق کیا تھا۔

چہارم۔ یہ کہ آں حضرت کو یہ روح امری وقت تخلیق اولیٰ عطا ہوئی۔ آپ عالم ادراج کے نبی اسی روح امری کی وجہ سے قرار پائے کیونکہ آیت میں عطائے روح کا ذکر ماضی مطلق کے ساتھ ہے۔ جس طرح خداوند عزوجل نے خود اپنی ذات کے لئے ماضی مطلق قرآن مجید میں کثرت مقام پر استعمال فرمایا ہے لہذا خلقت اولیٰ میں زمان و مکان کا وجود نہ تھا۔ اسی لئے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ آں حضرت کے لئے ایک وقت ایسا گذرا ہے جس وقت آپ کتاب و ایمان کو نہ جانتے تھے بلکہ حضرت نے لفظ حال ارشاد فرمایا ہے یعنی آں حضرت ایسے حال میں تھے کہ علم کتاب و ایمان نہ تھا۔ وہ حال کیا تھا؟ اس کا مفصل ذکر سابقہ ادراج میں درج کیا جا چکا ہے۔ یعنی موجودیت واقعی اولیٰ سے پیشتر جب کہ آپ سات درجات طے کرنے کے حال میں تھے امد روح امری بھی عطا نہیں ہوئی۔ اس حال میں نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا۔ جب یہ روح عطا ہوئی تو دینی طور پر عالم ہو گئے نہ کہ ہماری طرح تدبیر کی طور پر۔ کیونکہ ان حضرات کی نوع ہی جدا گانہ ہے۔

حدیث پنجم۔ عن سعد الاسکا فی قال الی جعل امیر المومنین صلوات اللہ علیہ

والہ لیسئلہ عن الروح الیس ہو جبرئیل فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام جبرئیل من الملائکۃ والروح غیر جبرئیل فکدر ذلک علی الرجل فقال لہ لقد قلت عظیماً من القول ما احذینہ عن الرّوح غیر جبرئیل فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام انک ضال تروی عن اهل الضلال یقول اللہ عزوجل لبنیۃ علیہ السلام اتی امر اللہ فلا تستجولوا سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون نزل الملائکۃ بالروح والروح غیر الملائکۃ

صلوات اللہ علیہ۔

سدا سکا فی کا بیان ہے کہ ایک مرد حضرت امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا روح سے مراد جبرئیل نہیں ہے۔ پس حضرت نے فرمایا جبرئیل تو ملائکہ میں سے ایک ملک ہے۔ اور روح جبرئیل کے علاوہ ہے۔ آپ نے اس جملہ کو مکرر فرمایا کہ روح ملائکہ کے علاوہ ہے جبرئیل تو ملک ہے اُس نے عرض کی کہ آپ نے تو یہ ایک بہت بڑی بات کہہ دی۔ کئی بھی اس خیال کا نہیں ہے کہ روح جبرئیل کے علاوہ ہے۔ پس حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا تو یقیناً گمراہ ہے تو گمراہ لوگوں کی روایات بیان کرنا ہے۔ اللہ عزوجل تو اپنے نبی علیہ السلام سے قرآن میں یہ بیان کرتا ہے۔ اللہ کا امر آگیا۔ پس تم اس کے بارہ میں جلدی نہ کرو۔ جن چیزوں کو یہ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں خدا ان سے پاک ہے اور برتر ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ نازل کرتا ہے تاکہ تم ڈراؤ کہ میرے سوا معبود نہیں ہے پس مجھ ہی سے ڈرو (نحل پط آیت ۶۲)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ روح ایک جداگانہ سنیت ہے جو ملائکہ کے علاوہ ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ جو لوگ روح کا مطلب جبرئیل سمجھتے ہیں وہ گمراہ لوگ ہیں مگر ان سے روایات لیتے ہیں۔ حضرت نے مکرر اس حقیقت کو دہرایا کہ روح اود ہے جبرئیل اود ہے (یہ پانچ احادیث کافی سے نقل کی گئیں)

کتاب عین اخبار الرضا علیہ السلام میں حدیث ذیل منقول ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام مجلس مامون میں تشریف فرماتے جب کہ وہاں دیگر فرقوں کے لوگ اور تکلم بھی موجود تھے۔ حضرت سے آیہ "إِن فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ" کے متعلق سوال کیا گیا حضرت نے فرمایا کہ اول متوسمین رحائق عالم کے عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں پھر امیر المؤمنین علیہ السلام پھر حسن علیہ السلام پھر حسین علیہ السلام۔ اسی طرح سلسلہ سلسلہ روز قیامت تک متوسمین ہیں مامون نے یہ سن کر عرض کی۔ اے ابوالحسن اللہ تعالیٰ نے آپ اہل بیت کو جو شان عطا کی ہے کچھ اور بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک روح مقدس ہمیں تائید کے لئے عطا فرمائی ہے۔ وہ فرشتہ نہیں ہے۔ آدوہ روح سابق میں گذر جانے والوں کے ساتھ نہیں رہی بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئی ہے آدوہی ہم میں سے ائمہ طاہرین کو عطا ہوئی ہے۔

اس حدیث رضوی سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روح علیحدہ نوع ہے فرشتوں کے سوا ہے اس کی کامل تر فرشتہ حضرت محمد آل محمد علیہم السلام کو عطا ہوئی ہے۔ باقی انبیاء میں بھی یہ روح ہے۔ مگر

اسی قوی تر نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں: "يلقى الروح من امره على من يشاء من عباده" مذکور ہے یعنی خدا اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے یہ روح عطا کر دیتا ہے۔

یعنی یہ روح ملائکہ کے علاوہ ہے۔ نیز اس روح کا ملائکہ سے جداگانہ ایک حقیقت ہونے کا ثبوت تخلیق آدم کے سلسلہ میں نوح کے ذکر میں اللہ طاہر بن علیم السلام سے منقول ہے۔
یاد رکھنا چاہیے کہ اس روح کے افراد ہیں یہ ایک نوع ہے جو ہر ایک نبی دامام کو عطا ہوئی ہے اس کو خداوند عالم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کبھی روح امری کہا ہے کبھی میری روح اور کبھی روح القدس کبھی روح اللہ۔

”قدس“ بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہ اسی طرح اللہ کی طرف منسوب ہے۔ جیسے بیت اللہ یا بتی یعنی میرا گھر۔

ہمارے پیش کردہ حقائق کی روشنی میں قرآن و حدیث کی تائید سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیم السلام ایک ایسی روح رکھتے ہیں جو ملائکہ کے علاوہ اور ان سے افضل و اعظم ہے۔

اب ہم قائلین وحدت نوع کے شبہات پر تبصرہ کرتے ہیں جن کو وہ اپنی نظر میں بہت بڑی علمی خدمت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ایک ایک فقرہ سے توہین و تنقیص اہل بیت طاہر بن علیم السلام ثابت ہوتی ہے جو درحقیقت ان کے دل کی آواز ہے۔

قائلین وحدت نوع نے ایسے ماکنت تدللی مطالب غلط پیش کیا،

اس گروہ کے سرخیل مولف اصول الشریعہ تحریر فرماتے ہیں۔ ص ۱۱

”مماط سے مماط لغظوں میں بھی اتنا تو اس آیت مبارکہ سے عبارت النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت الیاس بھی تھا کہ آں حضرت موجود تھے لیکن وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہیں ہوا تھا۔ مزید اطمینان طلب کے لئے اسی آیت کی تفسیر میں جو حدیث شریف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ملاحظہ کریں۔ (ترجمہ) امام سے اپنے علم کے متعلق سوال کیا گیا کہ عالم دامام لوگوں کے مونہوں سے اُسے حاصل کرتا ہے یا آپ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ آں جناب نے فرمایا۔ اصل صورت حال اس سے اہل وافر ہے کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا۔ وکذلک آو حینا۔ پھر فرمایا تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ آں حضرت پر ایسی حالت

ہے جیسا کہ تفصیلاً سابقہ اوراق میں درج کیا جا چکا ہے۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس روح کے افراد کثیرہ ہیں۔ ان میں جو سب سے افضل ہے وہ اس حضرت ص اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ محض ہے۔ باقی ہر ایک نبی کو عطا کی گئی ہے یہ غیر ملائکہ ہے اور جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہے۔ یہ عناصر ارضیہ میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق عالم روحانیات سے ہے۔ (مرآة العقول)

یہ تحقیق ہے محدث اہل و اکمل عالم ربانی عارف لائانی علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی۔ اس کے مقابلہ میں قائلین وحدت نوع کے سرخیل کی تحقیق انتق ملاحظہ فرمائیے جو اخبار ضعیفہ پر مبنی ہے۔ اصول الشریعہ ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”مذکورہ بالا احادیث شریفہ پر نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ ائمہ طاہرین کے پاس جبرائیل و جبرائیل یعنی خالق ہر موجود سے علم و فضل کے حاصل کرنے کے متعدد طرق و ذرائع میں سے ایک ذریعہ روح القدس بھی ہے۔ دوم یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام سے گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں۔ سوم یہ روح القدس عالم ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ہے چہاں کہ یہ روح القدس جناب رسول خدا کے ارتحال کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ ہدی کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پنجم روح القدس کو سب سے زمین پر اتارا گیا ہے۔ پھر اوپر نہیں گیا۔ ششم جب یہ روح القدس نبی یا امام کی طرف منتقل ہوتا ہے تو خدا اسے خاص علم و فہم عطا فرماتا ہے۔ ہشتم یہ روح القدس ظاہری درجہ امامت پر فائز ہونے کے بعد ائمہ کو عطا ہوتا ہے۔ نہدہم یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ دہدہم یہ روح القدس حسب تقاضائے مصلحت ایزدی نبی و امام سے کچھ لمحات کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔ (مفہم میں علامہ مجلسی کا تحقیقی نظریہ ہے جس کو انہوں نے قبول نہیں کیا ہے اس لئے ہم نے درج نہیں کیا)

(۱) ہمارا مختصر تبصرہ یہ ہے کہ جب یہ فرشتہ ہے اور نبی و امام کو علم و فہم دیتا ہے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ معلم انبیاء و ائمہ علیہم السلام ایک فرشتہ ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ احادیث متواترہ صحیحہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے برعکس سلمات شیعہ میں سے ہے کہ ملائکہ اور کل مخلوق کے علم و ہادی حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ لہذا یہ عقیدہ نجدی ہے۔ جو شخص اس عقیدہ کا متفق ہے وہ شیعیت سے خارج ہے۔

(۲) یہ فرشتہ گفتگو کرکے تاج گرامہ علیہم السلام اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ عقیدہ بھی نجدی عقیدہ ہے۔
حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تمام کائنات و کمونات سماریات و درنیات کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر
اس مولوی فرشتہ کو نہیں دیکھ سکتے جو ان سے گفتگو کر رہا ہے اور پاس بیٹھا ہے۔ ایسا شخص شیعیت
سے خارج ہے۔

(۳) یہ فرشتہ جو تعلیم کتاب دیتا ہے۔ اور علم و فہم سکھاتا ہے۔ ان حضرت کی وفات کے بعد ہی
یکے بعد دیگرے اللہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تاحیات رسول
یہ فرشتہ ائمہ کے پاس نہیں گیا۔ لہذا وہ علم و فہم اور علم کتاب و ایمان سے خالی رہے۔ یعنی معاذ اللہ
بے علم، بے فہم، بے علم کتاب اور بے رہے۔

کیا اب بھی مطابقت حدیث رسول ایسے مقتدر علانیہ لعن و لعن نہیں کرنی چاہیے؟
(۴) یہ فرشتہ طاہرین درجہ امامت پر نازل ہو جانے کے بعد امام کے پاس آتا ہے یعنی پیدائش امام
سے تادقت اجرائے امامت نہیں آتا اور جب بنی آتا تو امام کی راہ جاتا ہے؟ تو یہ معاذ اللہ
استغفر اللہ (یہ ہے عقیدہ صدر المتحققین کا)

ایسا عقیدہ مذہب شیعہ سے ٹکرا بھی نہیں رکھتا۔ جن کی جبلت و فطرت میں امامت و نبوت
ہو۔ اور کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی جو جو شکم مادر میں بھی تسبیح و تہلیل کرتے ہوں۔ پیدا ہوتے ہی
قرآن پڑھتے ہوں۔ ان فدائیت مقدسہ کے لئے یہ قرین آئینہ تحریر کس طرح برداشت کی جا سکتی
ہے۔ لہذا قوم شیعہ پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے مجالس میں اپنے جلسوں میں عربی کریں
اور ان سے اپنی برادرت کا اعلان کریں۔ یہ خالص نجدی عقائد ہیں۔ کسی خاص منصب کے تحت
شیعوں میں پھیلائے جا رہے ہیں۔ خدا محفوظ رکھے اس بلا سے

(۵) یہ فرشتہ کبھی امام دینی سے غائب بھی ہو جاتا ہے؟ لہذا وقت گم شدگی نبی و امام کیا رو گئے؟ اسی
لئے ان صاحب نے لکھ دیا ہے کہ نبی و امام سائلوں کے جواب سے درمانہ بھی ہو جاتے ہیں۔
معاذ اللہ، استغفر اللہ، لاجل و لاقرۃ الا باللہ۔

اسی کتاب کے ص ۵ پر تحریر کیا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس لئے زہر کھا لیا کہ انہیں بتانے والا فرشتہ غائب ہو گیا تھا۔
نمود باللہ من الشیطان الرجیم۔

جہیں انوس ہے کہ ان لوگوں کو صرف وہی روایتیں تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ جن میں نقیض البسیۃ طاہرین ہو

جس سے نجدی عقائد ثابت ہوں۔

آخر ان حضرات کے فضائل و مناقب کمالات و معجزات کے بارہ میں وارد شدہ لا تعداد احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے کیوں گریز ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اپنے نجدی آقاؤں کے کتابوں کے صلب میں انصاف کثیر سے محروم ہو جائیں گے؟

حضرات مومنین کو اس حقیقت کی طرف ملاحظہ رہنا چاہیئے کہ بنی امیہ و بنی عباس کے انتہائی ہولناک دور میں بلکہ اس کے بعد بھی بطور تہقیر و مجبوراً ہمارے علماء کو مطابق عقائد عامہ روایات ضعیفہ اپنے کتب میں درج کرنا پڑیں۔ مگر انہوں نے ان کے پرکھنے کے لئے اصول و معیار بھی اپنے کتب میں درج کر دئے بلکہ ابتدائی عنوانات میں صحیح و ضعیف روایات کی کسوٹی بھی تحریر کر دی۔ چنانچہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا یہ ارشاد بھی درج کیا گیا ہے کہ جب ہماری طرف منسوب کی ہوئی روایتوں میں اختلاف ہو تو جو قرآن مجید کے مطابق ہوں وہ قبول کر لو۔ ورنہ مخالف قرآن روایات کو دلیار پر دے مارو۔ اُند اگر ہماری طرف منسوب روایتوں میں دو قسم کے عقیدے ظاہر ہوتے ہوں تو اس عقیدہ کو قبول کر دو جو ہمارے مخالفوں کے عقیدہ کے خلاف ہو۔ کیونکہ حق اسی صورت میں حاصل ہو سکے گا۔ واللہ ولی المومنین۔

اس سلسلہ میں کتاب "اسرار الشریعۃ فی عقائد الشیعہ" مولفہ جناب مولانا سید محمد عارف صاحب قلم ممتاز الافاضل واعظ مدرستہ الراعظین لکھنؤ حال دہلی پرنسپل مدرستہ الراعظین عہدہ بی ایپرس روڈ لاہور ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

یہ کتاب "اصول الشریعۃ" کے جواب الجواب میں تحریر کی گئی ہے۔ معلومات کا نایاب ذخیرہ ہے۔ نیز کتاب "حقائق العقائد" مولفہ جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قلم صدر الافاضل واعظ مدرستہ الراعظین لکھنؤ حال پرنسپل مدرستہ الراعظین عہدہ بی ایپرس روڈ لاہور بھی کتاب "اصول الشریعۃ" کا جواب لاجواب ہے۔ جس میں علمائے عراق و ایران کے فتاویٰ بھی درج ہیں۔ یہ بھی لاجواب ہے

”علومِ دینیہ کی حقیقت و کیفیت حصول“

ہم اس مقصد کے لئے مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت علامہ کا شانی ”مفسر قرآن“ صاحب فقیر صافی محدث کبیر صاحب کتاب دانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جلیل ”دانی“ کے مقدمہ سے چند علمی جواہر پاپے پیش کریں تاکہ ناظرین کو علومِ دین کے اقسام اور اعراض و مقاصد سے واقفیت تازہ حاصل ہو جائے اور کسی دینی مسئلہ میں غلط مبحث سے متاثر نہ ہو سکیں۔ اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شے کا انکشاف اس کا علم کہلاتا ہے مگر وہ شے واقع میں جس طرح ہو اس کا اسی طرح انکشاف علم ہے اور اگر نفس الامر کے خلاف انکشاف ہو تو جہل ہے مثلاً جو حقیقت نبی ہے۔ اس کو غیر نبی جانا اور جو غیر نبی ہو اس کو نبی جانا جہل ہے۔ یعنی عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم جانا جہل ہے لہذا علم حقیقی وہ ہے جو مطابق واقعہ ہو یعنی جو عیناً ہو اس کو ویسا ہی جانا علم ہے۔ اور اس کے خلاف جانا جہل ہے۔ اسی طرح مستبصر کو غالی اور غالی کو مستبصر جانا جہل ہے۔

علومِ دین کی دو قسمیں

قسم اول۔ وہ علم ہے جو بحیثیت علم مقصود ہے یعنی جن علم کا حصول صرف علم ہی کے لئے ہو۔ اور علم ہی مقصود بالذات ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ، فرشتے، کتب و صحف، رسل و انبیاء، اور روزِ آخرت کا علم۔ یہ وہ معلومات ہیں جن کا علم ہی مقصود بالذات ہے۔ اس علم کو اعتقاد کہا جاتا ہے۔ اس کا حصول مد طریقہ سے ہوتا ہے۔ تحقیقی و تقلیدی۔

پہلا طریقہ علم تحقیقی ہے۔ یہ درحقیقت وہ فہم ہے جو قلب میں ظہور کرتا ہے۔ اور اس کو ایسا نور کہ دیتا ہے کہ وہ غیب کا شاہدہ کرنے لگتا ہے۔ اس میں ایسی وسعیت ہوتی رہتی ہیں۔ جن کے بعد وہ ہر بلا کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور روزِ واسرار کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنے لگتا ہے۔ اس علم کی عظمت یہ ہے کہ اس کا عالم اپنے کو اس مکارِ دنیا سے بچانے رکھتا ہے اور ہر وقت دارِ آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہ علم ”علم لدنی“ کہلاتا ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے اپنے ایک عبدِ خاص کے لئے فرمایا ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔ یعنی ہم نے اس کو اپنی جانب سے علم عطا کیا۔

آیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ علم خدا کی بخشش سے نصیب ہوتا ہے جس کے بعد قلب مغرب ہو جاتا ہے۔ یہ علم افضل علوم ہے بلکہ درحقیقت علم ہی یہی ہے جو ہماری خلقت کا مقصد اصلی ہے۔

دوسرا طریقہ علم تقلیدی ہے۔ یہ درحقیقت وہ علم ہے جو خدا صاحب شریعت بقدر طاقت برداشت و بمقدار فہم کسی شخص کو عطا کریں۔ اور یہ شخص اسی کو اپنا اعتقاد قرار دے کر اس پر قائم ہو جائے۔ مذکورہ بالا دونوں طریقے حصول علم کے طریقے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہی مقصود بالذات ہے۔ یہ پہلی قسم کے دو طریقے ہیں۔

قسم دوم :- وہ علم ہے جو عمل کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔ یعنی مقصود بالذات صرف علم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو ذریعہ عمل سمجھ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس علم کی غرض حصول عمل ہے۔ جو مقصود بالذات ہے یہ علم ان محاسن کا علم ہے جن کے ذریعہ تقرب خدا حاصل ہوتا ہے۔ اور ان قبائح کا علم جو خداوند عالم سے نفرت کا باعث ہیں۔

اس علم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اعتقاد و جوارح کو خدا کی اطاعت کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہیے اور کس طرح اخلاقی حسن حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ کونسا استعمال ہے جس سے خدا کی معصیت اور اخلاقی بد پیدا ہوتے ہیں۔ یہ علم مکمل طور پر تقلیدی ہے صاحب شریعت کے ارشادات کے مطابق بلا چون و چرا اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس علم کے ذریعہ معرفت و منکر کی شناخت ہوتی ہے اس علم کے حصول کی صرف عمل ہے۔

طریقہ حصول علم تحقیقی

علم تحقیقی حاصل کرنے کے لئے قلب کو صاف کیا جائے اور نیک نیتی کے ساتھ شریعت کے ارشادات کو قبول کیا جائے۔ برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں کا اقتساب کیا جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی پابندی کی جائے تہذاوند عالم دل میں ندر پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔
و اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ

پرہیزگار بنو خدا تمہیں علم عطا فرمائے گا۔
نیز ارشاد قدرت ہے۔

ان تقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔

اگر تم پرہیزگاری اختیار کر دو گے تو خدا تمہارے لئے حق و باطل کا فرق ظاہر کر دے گا۔
نیز ارشاد قدرت ہے۔

والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبیلنا۔

اور جو لوگ ہمیں راضی رکھنے کے لئے دوسری وہ کوشش کرتے ہیں ہم خود انہیں اپنی راہیں بتا دیتے ہیں۔

علم کثرتِ تعلم سے حاصل نہیں ہوتا

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ علم کثرتِ تعلم کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتا ہے یہ تو ایک نور ہے جس کے دل میں خدا چاہتا ہے خود داخل کر دیتا ہے۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

ہر شخص چالیس روز خدا کے لئے خلوص پیدا کرے تو اس کے دل میں حکمت کے چشے پھوٹنے لگتے ہیں جو اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

جو شخص علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے تو خداوندِ عالم اس کے علم میں اضافہ کر دے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص چراغ لے کر تاریکی میں چلتا ہے اور اس کی روشنی جتنے حصہ زمین پر پڑتی ہے اتنے طے کر لیتا ہے۔ اسی طرح اس کے بڑھنے سے روشنی اگلے حصہ زمین کو روشن کر دیتی ہے۔ پھر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں روشنی بڑھتی جاتی ہے سفر طے کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح علم بمنزلہ چراغ ہے اور عمل بمنزلہ رفتار ہے۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

سربندہ کے دل میں دو پرشیدہ آنکھیں ہیں جن کے ذریعہ وہ غیب کا ادراک کرتا ہے۔ جب خداوندِ عالم کسی بندہ کو غیر دیکھی عطا کرتا ہے تو اس کے دل میں دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کو دیکھ لیتا ہے جو ظاہری آنکھوں سے پرشیدہ میں۔ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے ارشادات اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں جن کا احصاء مشکل ہے۔ خصوصاً حضرت سید المرشدین امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ کے کلام میں خصوصی طور پر مذکور ہیں جو علم خداوندِ عالم کا عطیہ بنے چاہیے کہ اس کو بے بصیرت لوگوں سے پرشیدہ رکھے اور نااہلوں کے سامنے بیان کرنے سے بخل کیا جائے کیونکہ ہر شخص ہر علم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جو دقائق و نکات علم حضراتِ علمائے عارفین سمجھتے ہیں ان کو ہر جامِ دافندہ بھی سمجھ لیتا مگر ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص ہر علم کو سمجھ سکے۔

ظاہری علوم اور باطنی علوم میں فرق

یاد رکھو ظاہری شریعت کے عالم جو رسمی علوم کے ماہر بنتے ہیں وہ حقائق و اسرار دین کو نہیں سمجھ

کہتے۔ اسی لئے اکابر اصحاب اہلبیت طاہرین علیہم السلام اپنے علوم کو آپس میں ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھتے تھے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ بالتحقیق "اس میں تمام علوم موجود ہیں۔ کاش ان علوم کے حامل اور برداشت کرنے والے مل جاتے۔"

حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔
اگر ابوذر کو علم ہو جاتا کہ سلمان کے قلبی اعتقاد میں کیا ہے تو ان کی طرف کفر کی نسبت دے دیتے اور بدایتے واجب القتل سمجھ لیتے۔ علاوہ بالتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان دونوں میں اخوت قرار دی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔

نیز حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔
میں اپنے علمی جواہر یاروں کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ کوئی جاہل ہماری حقیقت کو دیکھ کر ہمیں مصائب میں مبتلا نہ کر دے۔ یہی وحیت ہمارے جد امجد نے اپنے دونوں فرزندوں امام حسن اور امام حسین کو فرمائی تھی۔

بالتحقیق میرے علم میں ایسے جواہر بھی ہیں کہ اگر میں ظاہر کر دوں تو میرے لئے کبہ دیا جائے گا کہ تم صنف پرستوں میں سے ہو۔ سلمان لوگ میرے خون کو حلال سمجھنے لگیں گے اور جو بیعت ترین فعل ہے اس کو وہ لوگ نیک کام سمجھ کر کر بیٹھیں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

لوگوں سے ان کی معرفت کے مطابق گفتگو کرو۔ اور جو حقائق ان کی نااہلی کی وجہ سے انہیں ناپسند ہیں وہ ترک کر دو تاکہ ہمارے اور تمہارے لئے مصیبت نہ بن جائیں۔ کیونکہ ہماری شان فی نفسہ مشکل ہے۔ اور سمجھنے والوں کے لئے بھی دشوار ہے۔ سوائے ملک مقرب یا نبی مرسل یا مومن کامل کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

ان حضرات کی یہ شان اس لئے نا قابل برداشت ہے کہ حقیقی علوم ظاہری شریعت کے مطابق نہیں ہوتے (جیسا کہ حضرت موسیٰ اور ایک عبد خاص کے واقعہ میں ہے کہ کشتی میں سوراخ کر دیا یا کچھ کو قتل کر دیا۔ ایک دیوار کو بلند کر دیا۔ جس کا راز حضرت موسیٰ نہ سمجھ سکے۔ عبد خاص کے اظہار پر راز مشکف ہوا۔)

اس واقعہ میں جس موسیٰ کا ذکر ہے یہ بردایتے حضرت موسیٰ کلیم اللہ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

علم تقلیدی کی دُلوں قسموں کی تشریح

علم اعتقادی اور علم عمل کی معرفت کا طریقہ صوف ایک ہی ہے۔ اُردو یہ ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے آثار کی صحیح معرفت اور ان کے احادیث کا صحیح علم حاصل ہو کیونکہ یہی ذوات مقدسہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے جانشین اور خدا کی وحی کی فروگاہ ہیں۔ اور یہی حضرات علم حقیقی کے خزانے اور حقیقی داسخون فی العلوم ہیں اور یہی حضرات ایسے اہل ذکر ہیں کہ جن سے مسائل دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے

فَلْيَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

یعنی تم لوگ جب مسائل سے ناواقف ہو تو اہل ذکر یعنی اہل رسول سے دریافت کرو و ذکر سے مراد خود رسول ہیں لہذا اہل ذکر اہل رسول ہیں اسی طرح ارشادِ قدرت ہے۔

اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا أَوْلِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔
یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول و اولوالامر کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں ہمیں جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ اولوالامر ہیں اہل بیت طاہرین علیہم السلام ہیں۔ صاحبانِ حقیقت کو ان ہی حضرات نے نبوت و ولایت کی برکت سے بلند کر دیا ہے اور صاحبانِ فتویٰ کو اپنی ہدایت سے سرفرا کیا ہے۔ تمام علماء اور علماء نے ان ہی ذواتِ مقدسہ کے علوم سے روشنی حاصل کی ہے جبکہ تمام انبیاء و اولیاء کے اوصیاء نے عالم ارواح میں ان ہی حضرات کے آثار کی اقتداء کی ہے اور بیانات حاصل کئے ہیں۔

حضرت کلیم کو ان ہی فطرتِ عالیہ کے وسیلہ سے خلعتِ اصطفاء نصیب ہوا ہے اور روح القدس نے جنانِ صاخرہ میں ان ہی حضرات کے چستانِ علم کے تازہ پھولوں کا ذائقہ چکھا ہے۔ یہی حضرات ہدایت کا روشن مینار اور عرۃ الرُفقی ہیں جن کے تسک کا قرآن میں حکم آیا ہے۔ اور یہی حضرات دنیا پر محبتِ خدا ہیں۔ اور یہی حضرات اسرارِ وحی و تنزیل کے خزانے ہیں اور جو اہل علم و تائیل کے معدن ہیں۔ اور یہی حضرات حقائقِ الہیہ کے امین ہیں۔ اور تمام مخلوقات پر نیابتِ خدا میں حاکمِ اعلیٰ ہیں اور یہی حضرات کلیدِ کرم اور صاحبِ اہم ہیں۔ خداوندِ عالم نے ان ذواتِ مقدسہ کو وہ طہارت عطا کی ہے جو اس کے نزدیک حق طہارت ہے۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ۔

معرفت صحیحہ علوم اہلبیت پر موقوف ہے

ہم عزم کر چکے ہیں کہ اس کتاب میں ان حضرات کے وہ تمام احادیث جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ خدا کی تائید و توفیق سے درج کریں۔ بحث و مباحثہ کے موجودہ دور میں جو طریقے رائج ہیں۔ ان سے صحیح اعتقاد اور صحیح عبادت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قیاسی آراء اور اجتہادی نتائج کے اختلافات کی وجہ سے شک و شبہ بڑھ جاتا ہے۔ دل غمت ہو جاتا ہے۔ تسلیمِ حق کرنے سے دُری ہو جاتی ہے۔ دیکھو کہ ہر شخص اپنی رائے اور اپنی عقل سے اپنا عقیدہ اور مسلک جدا جدا بنالیتا ہے۔ اس لئے دل میں غلط پیدا ہو جاتا ہے۔

لہذا ہر شخص عاقل کے لئے دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت صحیح طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ دو صورتیں حسب ارشاداتِ معصومین علیہم السلام مندرجہ ذیل ہیں۔

کن علما او متعلما ولا تکن الثالث فمخلاف

یعنی تم عالم ہو جاؤ یا متعلم تیسرا نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نیز ارشاد فرمایا۔

نحن العلماء وشيئتنا المتعلمون وسائن الناس غشاة

یعنی ہم اہل بیت عصمت و طہارت علماء ہیں۔ اور ہمارے شیخ متعلم ہیں اور باقی لوگ سیلاب کے ساتھ بہنے والے کڑا کرکٹ ہیں (یعنی صحیح علم و اعتقاد صرف وہی ہے جو حضراتِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ارشادات کے مطابق اور ان ہی حضرات کے ارشادات سے ماخوذ ہو)

مناظرہ اقوالِ معصومین کے فراموش کرنا چاہیئے

اہل بیت طاہرین علیہم السلام نے مناظرہ کی اجازت اور جہل و کلام کی رخصت صرف اس صورت میں عطا کی ہے کہ معاندین و منکرین سے مناظرہ میں جو بیان کیا جائے وہ ان ہی کے ارشادات سے ہو۔ جن کے ذریعہ فتح و نصرت حاصل کی جائے۔ اپنی رائے اور قیاس سے نہ ہو جو غلط ہونے کی صورت میں دینِ حق کے لئے ہزار رساں ہو جائے۔ اسی لئے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا منکر اس کا نفع سے زیادہ ہے۔

(دینِ خدا میں رائے اور قیاس و تحقیق کی بنیاد مخالفین اہل بیت علیہم السلام نے رکھی ہے کیونکہ حق کے پیشواؤں کا براہِ راست رابطہ بذریعہ وحی و الہام خدا کے ساتھ نہ تھا۔ اس لئے وہ قیاس و تحقیق کو دین میں

داخل کرنے لگے۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگ ارشاداتِ معصومین علیہم السلام کو اپنی ناقص عقل کے مطابق نہ سمجھ کر باطنی علوم کے شکر ہو گئے حالانکہ قرآن و حدیث میں باطنی علوم کے بکثرت اشلہ موجود ہیں۔

حفاظتِ دین کا انتظام

جب وفات حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد لوگوں نے فتنہ و فساد کی بنیادیں استوار کیں۔ اور اپنے خواہشات کے مطابق دین کو موڑنے لگے تو خداوندِ عالم نے کچھ مہینوں کو بچالیا۔ اور سفیضِ اہلبیت کے ذریعہ انہیں ان طرفانوں سے نجات اور تقیوں کے ساتھ تسک کی توفیق عطا فرمائی۔

ان تسکینِ اہل بیت نے دینِ خدا کو سینوں سے لگالیا۔ اور اپنی جان کو بچاتے ہوئے دین کو اپنے سینوں میں سنبھال رکھا۔ ان ہی کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ میں رتنِ شریعت باقی رہی۔ ان کی مدد و تائید کے لئے خداوندِ عالم امام کے بعد امام مبعوث فرماتا رہا۔ اور شیعوں کے سلف کے بعد خلف قائم کرتا رہا۔ چنانچہ شیعوں کی جماعت مسلسل حضراتِ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی حامل رہی۔ اور یہی گروہِ احادیث کو حفظ کرتا رہا۔ اور دفاتر میں جمع و تدوین کرتا رہا۔ اور برابر ایک دوسرے کو پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ احادیثِ ائمہ طہرین علیہم السلام آج تک ہم تک پہنچیں۔

امورِ دین میں قیاسِ تخمین کی وجہ

حافظینِ احادیث اور ناقینِ اخبار اور متبعینِ اہل بیت اطہار اپنے عقائد و اعمال میں احادیث ہی کو دلیلِ صحت قرار دیتے تھے۔ اُس وقت نصوصِ مسعودیہ حجت و ثبوتِ صحت تھے۔ نہ قیاس کی حاجت تھی۔ اور نہ رائے زنی کی۔ یہی حالت اُس وقت تک رہی جب تک ائمہ طہرین علیہم السلام کا ظہور اور ان حضرات کے سفراء کا دور باقی رہا۔

لیکن جب غیبتِ کبریٰ کا عہد آگیا اور شیعوں کا رابطہ سفراء سے بھی منقطع ہو گیا۔ اور حکومتوں نے شیعوں پر ظلم و تشدد کو روا رکھا۔ جس کے بعد شیعہ اور غیر شیعہ غلط ہو گئے۔ اور ان کی اولاد نے صغریٰ میں حکومتوں کے جاری کردہ مدارس اور تحریک زدہ کتب و کیمے اور مساجد و مدارس کے درس و تدریس میں مجبوراً شرکت کی۔ اور وہی مروجہ علوم و فنون حاصل کئے جو اس دورِ حکومت میں مخالفینِ اہلبیت نے جاری کئے تھے۔

ایسے دورِ تشدد میں بھی ہمارے علماء نے اُن کے خلاف اور اُن کی رد میں کتابیں تالیف کیں۔ اور اُن کے وضع کردہ اصول میں غلطیاں نکالیں (اگرچہ اس مجرم میں شیعہ بھی کئے گئے) رفتہ رفتہ بحث و مباحثہ

ابن عبدول و مناظرہ جاری ہو گیا مگر پھر بھی ہمارے علماء نے احادیث اہل بیت طاہرین کی مخالفت کی۔ اور پہلے سے زیادہ اس امر کی سعی کی کہ ارشادات مصدقین علیہم السلام صحیح طہر پر جمع ہو جائیں۔

علماء محدثین کی بے مثال خدمت

چنانچہ جناب محمد بن یعقوب کلینی رضی اللہ عنہ نے جن احادیث کو اپنی نظر میں قابل اعتماد و عمل پایا۔ جمع فرما کر کتاب کافی تالیف کی جیسا کہ اول کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

میں نے اپنے ان احباب سے کہا جنہوں نے تالیف کتاب کی فرمائش کی تھی۔ تم چاہتے ہو کہ تبار سے پاس ایسی کتاب ہو جو کافی ہو۔ اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے ایسی کتاب جس میں علوم دین کا ایسا ذخیرہ ہو جو مستعلم کے لئے کافی اور ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے مرجع اور خواہشمندانِ علوم دین کے لئے ماخذ ہو تو ایسی کتاب کافی ہے۔ کیونکہ اس میں اجملیت طاہرین علیہم السلام کے آثار و صحیحہ اور وہ طرق جن چمک جا رہی ہے۔ درج کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ فرض خدا اور سنت نبی ادا کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح جناب ابن ابی نعیم رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میرا ارادہ اس کتاب کی تالیف میں یہ نہیں ہے کہ دیگر مؤلفین کی طرح تمام روایات جمع کر دوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں وہ احادیث جمع کروں جن کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں اور جن کی صحت کا میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اور جن کے متعلق میرا یہ اعتقاد ہے کہ یہ روایات میرے اور میرے خدا کے درمیان حجت ہیں۔ اور یہ سب روایات ان کتب مشہورہ سے لی گئی ہیں جن پر مکمل اعتماد ہے اور جن کو اصل و مرجع قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح جناب شیخ الطائف ابو جعفر محمد بن حسن طوسی رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں کتاب استبصار و تنزیہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میں نے ان کتابوں میں وہی احادیث و اخبار جمع کئے ہیں جو اصول مستندہ کے مطابق ہیں۔

جناب محمد بن علی بن شہر آشوب ماژندرانی نے کتاب معالم العلماء میں جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ علماء شیعہ امامیہ نے عہد حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے عہد حضرت امام حسن عسکری تک چار سو کتب احادیث تحریر کی ہیں جن کو اصول کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کتب حدیث کو مرجع و ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نصاب شخص کے بیان کی تائید کے لئے اصل موجود ہے۔ یعنی ان کتب میں مرجعہ ہے۔

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ”اصول صرف چار سونگتا ہیں۔ جن پر اعتماد کیا گیا ہے مگر یہ صرف نقص و تلاش کے لحاظ سے مشہور ہے ورنہ ان کی تعداد ناقابلِ حصر ہے۔ کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو احادیث حاصل کئے گئے ہیں۔ ان کے محدثین کی تعداد چار ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ (حاشیہ دانی ص ۱۸)

بہر حال کتبِ اصول متحدہ ہی سے کتبِ اربعہ ماخوذ ہیں۔ جن پر متقدمین و متاخرین کا عمل ہے مگر اسوئٹ معصومین علیہم السلام ان چار کتابوں ہی میں محدود نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متقدمین و متاخرین نے کتبِ احادیثِ جمع کی ہیں جن میں احادیثِ قدسیہ اور ادعیہ معصومین علیہم السلام اور غریب اور دیگر خطبات معصومین علیہم السلام موجود ہیں جو کتبِ اربعہ سے کہیں زیادہ ہیں۔ جیسے کتاب العالم یکصد جلد علامہ بحرانی معاصر مجلسی اور تفصیل رسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ علامہ عاملیؒ اور شافعی حدیث آل مصطفیٰ علامہ تبریزیؒ اور مستدرک الوسائل علامہ نوری طبرسیؒ اور جامع الاحکام مجلس جلد۔ علامہ شیرازیؒ اور جامع الاخبار علامہ ہمدانیؒ اور دانی ۲۲ جلد علامہ کاشانیؒ اور علامہ مجلسی کے مؤلفات بجاہر الانوار ۲۵ جلد کے علاوہ بھی بکثرت موجود ہیں۔

عہدِ علامہ حلیٰ تک نصوصِ ائمہ پر عمل و اعتماد موقوف تھا

عصرِ متقدمہ میں جناب علامہ حلیٰ تک تمام علماء اپنے اعتماد و عمل میں نصوصِ ائمہ طہرین علیہم السلام کو نہایت محبت قرار دیتے تھے۔ بعد ازاں اس لئے قوانین و اصول وضع کئے گئے کہ وضع حدیث و تدلیس زور پر کڑھا جا رہا تھا۔ اس لئے فقہی روایت و رجال کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی ورنہ عہدِ آئمہ و سفراء میں یہ فنون نہیں تھے بلکہ یہ عقیدہ و عمل کی اصل و اساس قولِ معصوم ہی تھا مگر اس زمانہ میں بھی قبولِ حدیث کے لئے راوی کا عمل و تدبیر پیش نظر رکھا جاتا تھا جیسا کہ ان ذواتِ مقدسہ نے فرمایا کہ۔ قرآن مجید کی کسوٹی پر روایت کو پرکھو اگر مطابق ہے تو قبول کرو ورنہ رد کرو۔ مگر قرآن فہمی کے لئے بھی فرمایا کہ اہل بیت علیہم السلام ہی کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ تنہا قرآن کافی نہیں ہے بلکہ قرآن و اہل بیت دونوں سے تمسک کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے (مقدمہ دانی)

قرآن فہمی کے لئے ضروری ہدایات

ہم قرآن فہمی کے لئے ارشاداتِ معصومین علیہم السلام پیش کرتے ہیں تاکہ کتاب اللہ کے منطوق و

مغہوم کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

جناب علامہ جزائری آقائی سید طیب آغا موسوی مدظلہ العالی نے تفسیر قمی علیہ الرحمہ کا اگر اقتدار مقدر تحریر فرمایا ہے جو نجف اشرف میں طبع ہوا ہے۔ طالبان علم کے لئے نہایت بصیرت افروز تبصرہ ہے۔ اور قرآن مجید کے لئے از بس ضروری ہے۔ ہم اس کی اصل عبارت عربی کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ علامہ جزائری نے تحریر فرمایا ہے۔

تفسیر قمی علیہ الرحمہ کے خراساندگان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصول کو پیش نظر رکھ کر تفسیر کا مطالعہ کریں ورنہ کم عقل مخالف اور ضعیف الایمان موافق کو بہت دھرمی اور انکار کا موقع ملے گا۔ اور مراد مقصود کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ اس تفسیر اور ایسی ہی دیگر تفاسیر پر یہ اعتراض کرے گا کہ یہ مطلب ظاہر لفظ آیت سے بعید ہے اور اس کو عقل پسند نہیں کرتی ہے۔ اس کا جواب چند امور کے بیان پر موقوف ہے۔ امر اول۔ بالتحقیق اخبار و احادیث فریقین اور دلائل قاطعہ سے ثابت ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام علت ایجاد کائنات ہیں۔ جیسا کہ حدیث معروفہ ”لولاک لما خلقت الافلاک“ سے واضح و لاغ ہے جو فریقین میں مشہور ہے۔ اور حدیث اول ما خلق اللہ نوری سے ظاہر ہے۔ جس کی تائید قرآن مجید کی آیت مندرجہ ذیل سے ہوتی ہے۔ ”قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین“

کیونکہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے وجود میں سب سے اول ہیں۔ اور خاتم الرسل بطحاظ زمانہ ہیں۔ اور اسی طرح امام اول حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نفس رسول ہیں۔ جیسا کہ آیه سابقہ سے ثابت ہے۔ اور آپ ہی کے نور کا ایک ہتھ ہیں۔ جیسا کہ حدیث رسول انا و علو من نور واحد سے ثابت و واضح ہے اور آپ کی اولاد و مصروعین علیہم السلام آپ ہی کے مظاہر کمال و جمال ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ اولنا محمد و او سطنا محمد و آخرنا محمد و کلنا محمد۔ اس مقصد پر ہدایات کثیرہ و دلالت کرتی ہیں جس کا دل چاہے کتب سنن کا مطالعہ کر لے۔

نیز حدیث کما جو علمائے اعلام کے نزدیک مسلم اور خواص و عوام میں ممول بہ ہے۔ اس میں یہ فقرات منقول ہیں۔ ”وعزتی و جلالی انی ما خلقت سماء مبنیہ ولا ارضا مدحیہ ولا قوما منیرا ولا شمساً مضیئہ الا فی محبة ہوک و الخمسة الذین ھو تحت الکساء“ اور اکمال الدین و عیون اخبار رضا اور علل الشرائع میں ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے

اپنے آباء و اجداد کے سلسلہ سے بدایت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بیان کیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

خداوند عالم نے کوئی مخلوق مجھ سے افضل آدھ اپنے نزدیک مجھ سے زیادہ محترم نہیں پیدا کی۔ پس میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ افضل ہیں یا جبرائیل دے سوال لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا آپ نے فرمایا خداوند عالم نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے۔ اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے۔ آدھ میرے بعد نہیں آدھ تمہارے بعد آئو کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ اور بالحق ملائکہ ہمارے خدام ہیں۔ آدھ ہمارے دوستوں کو بھی۔ یا علی حاملین عرش و ماحل عرش اپنے رب کی تسبیح بجالاتے ہیں۔ اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

یا علی اگر ہم نہ ہوتے تو خداوند عالم نہ آدم کو پیدا کرتا نہ حوا کو۔ اور نہ جنت و دوزخ کو۔ اور نہ آسمان و زمین کو۔ پھر ہم افضل کیوں نہ ہوں۔ جب کہ ہم اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں ملائکہ سے سابق ہیں۔ کیونکہ سب سے اول خدا نے ہمارے ارجاع کو پیدا کرتے ہی اپنی توحید و تجید کا لطف عطا فرمایا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا۔ پس جب ملائکہ نے ہمارے ارجاع کو نور و حد دیکھا تو ہماری یہ شان دیکھ کر ہماری عظمت کو تسلیم کیا اور ہمیں تسبیح کہتے ہوئے دیکھ کر ہم سے طریقہ تسبیح حاصل کیا اور ہماری تسبیح کی طرح تسبیح کرنے لگے امر دوم :- جب یہ اثبات ہے کہ یہ ذات مقدسہ اول مخلوق اور غرض معرفت حق تعالیٰ ہیں تو بدلیل عقل بقاعدہ لطف ضروری ہے کہ تمام مخلوق کو ان کی معرفت کرائے آدھ اپنے تمام بندگان کے لئے ان کی محبت لازم قرار دے۔ ورنہ غایت و غنیہ میں جدائی لازم آئے گی۔ پس یہ حضرات غرض خلق ہیں۔ اور ان کی غرض خلقت ذات حق سبحانہ کی معرفت ہے۔

اس مطلب کو اس طرح بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ :-

خداوند عالم نے تمام مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کی عبادت بغیر معرفت ممکن نہیں ہے وہ اس وقت حاصل ہوگی جب خدا پر ایمان کا حق ہوگا۔ آدھ وہ ممکن نہیں جب تک کہ رسول پر ایمان نہ ہو جو خبر صادق از جانب خدا ہے۔ آدھ وہ ہمارے لئے معرفت امام پر موقوف ہے۔ جو خبر صادق از جانب خدا و رسول ہیں۔ لہذا خدا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان حضرات کی معرفت و محبت کی رہنمائی کرے اور خدا ان کی معرفت کرائے تاکہ غرض خلقت مکمل طور پر حاصل ہو۔

لہذا اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ قرآن ان کی شان میں اور ان ہی کے لئے نازل ہوا ہے۔

امر سوم :- خداوند عالم کو علم تھا کہ بعد وفات پیغمبر ان کی امت دین خدا کو لہو و لعب بنائے گی اور دین خدا

کے حامیوں کی عزت و ناموس پر حملے کرے گی۔ جیسا کہ بکر دار بنی امیہ و بنی عباس سے ظاہر ہو گیا۔ جس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ نے دی تھی جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے لوگو! تم اپنے پیشرو اقوام کا اتباع بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع ضرور کر دو گے۔ اگر وہ کسی گروہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی ضرور داخل ہو گے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ یہ پیشرو اقوام کیا یہود و نصاریٰ ہیں۔ تو اس حضرت نے فرمایا اور کون ہیں؟

اجتہاد طبری میں ہے کہ حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے آیہ قرآن لتوکبن طبقاً عن طبق کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ یقیناً ان ہی ماہوں پر چلو گے جن پر تم سے پہلی امتیں گامزن ہوئیں۔ اور انبیاء کے بعد ان کے اوصیاء سے خدایاں کہیں۔

اس مقصد کے تحت میں کثرت روایات موجود ہیں جو فریقین نے اپنی کتب میں درج کی ہیں۔ ایسی صورت میں اُمت پر اعتماد و اطمینان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسمائے گرامی اور ان کے فضائل باقی چھوڑ دیں گے۔

لہذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ خداوند عالم کنایہ اور استعارہ کے طور پر ان امور کو بیان کرے جیسا کہ قرآن مجید کا طرز ادا اور اسلوب بیان ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر اس کا تعلق کسی ایک شے سے ہے اور باطنی طور پر کسی دوسری شے کے ساتھ ہے۔

تفسیر عیاشی وغیرہ میں جناب جابر نے روایت کی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک تفسیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ایک جواب دیا۔ اور پھر اسی کے متعلق سوال کیا تو بار دوم دوسرا جواب دیا۔

میں نے عرض کی میں آپ پر قربان۔ آپ نے اس مسئلہ کا جواب پہلے کچھ اور دیا تھا۔ اور آج کچھ اور ہے تو حضرت نے فرمایا۔ اے جابر قرآن کے لئے لہن ہے۔ اور پھر لہن کے لئے بھی لہن ہے اور ظہر ہے اور ظہر کے لئے بھی ظہر ہے یعنی ظاہر و باطن ہے۔

اے جابر تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی شے لوگوں کی عقل سے بعید تر نہیں ہے۔ ایک ہی آیت کا پہلا حصہ کسی ایک مقصد کے لئے ہے اور آخری حصہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حالانکہ کلام متصل ہے جو کہتے ہی وجہ کی طرف پٹتا ہے۔

غزالی نے احیاء العلوم میں اور حافظ ابن قیم نے حلیۃ الدلیال میں ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ:-

قرآن سات حرفت (وجہ) پر نازل ہوا ہے۔ کوئی ایسا حرفت نہیں ہے جس کے لئے ظہر و بطن نہ ہو اور حضرت علی ابن ابی طالب کو اس کے ظاہر و بطن کا علم تھا۔

بطن قرآن سے مراد تاویل ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراشخون فی العلم۔

یعنی خدا اور اسخون فی العلم کے سوا اس کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا۔

اس کی مثال آیت شجرہ ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

المرکب ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیّۃ کشجرة طيبة الی قوله ما لها من قرار (سورۃ ابراہیم)

اس مقام پر شجرہ طیبہ سے مراد محمد آل محمد علیہم السلام ہیں۔ اور شجرہ غیشہ اور شجرہ ملعونہ سے مراد بنی امیہ ہیں۔ یعنی اس شجرہ کی تاویل بنی امیہ ہیں۔

لہذا کون ایسا شخص ہے جو صرف حفظ شجرہ سے اس کی تاویل کو سمجھ سکے مگر ہاں صرف وہی حضرات جانتے ہیں۔ جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا ہے۔ یہی اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ جن کا لقب قرآن مجید میں کبھی راسخون فی العلم ہے۔

اور کبھی الذین ادقوا العلم ہے۔ یہی حضرات وجہ قرآن کو جانتے پہانتے ہیں۔ اور یہی حضرات اس کے معانی کے عالم ہیں۔ اور یہی حضرات ناسخ و منسوخ۔ محکم و متشابہ۔ عام و خاص۔ مقید و مطلق۔ مجمل و مبہم کے واقع ہیں۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔

واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلیٰ من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ جب ان ذوات مقدسہ کی زبان حق ترجمان سے آیات قرآنیہ کی تاویل و تفسیر بیان ہو جائے تو کسی شخص کے لئے جانے دم زدن نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو تعجب و انکار کی مجال نہیں ہے۔ خواہ وہ معنی ظاہری الفاظ کے بظاہر خلافت ہی کیوں نہ ہوں۔

کیا جبریل قرآن کے لئے کہ ان کے سوا کسی اور کے گھر میں نازل ہوئے ہیں۔ اور کیا آیات قرآن کو ان کے سوا کسی اور کے ذریعہ روشنی ملی ہے۔ یہی حضرات اہل بیت نبوت و معدن رسالت اور مبدا وحی و تنزیل اور منبہ تفسیر و تاویل ہیں۔

جیسا کہ حضرت البر عبد اللہ الحسین علیہ السلام نے مقتدر جماعت کے سامنے مدینہ سے ہنگام رخصت

عالم مدینہ کے دربار میں فرمایا۔

نحن اهل بيت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کا نفاذ برائین اور باطن عین ہے۔ اس کا ظاہر کسی فرد خاص کے لئے یا کسی لئے خاص کے لئے ہے۔ مگر اس کا باطن قیامت تک کے لئے جاری و ساری ہے۔ اس کے اہل پر منطبق ہوتا رہے گا۔

یہی مقصد ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس حدیث کا۔

قال ابو جعفر علیہ السلام ان القرآن نزل ثلاثا ثلث فینا وفي آبائنا وثلث فی اعدائنا وعدو من كان قبلنا وثلث سنة ومثل ولوان الآية اذا نزلت فی قوم ثم مات اولئک ماتت الآية لما بقى من القرآن شیء ولكن القرآن یجری علی اخره ما دامت السموات والارض۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق قرآن مجید تین ٹکٹ پر نازل ہوا ہے۔ ایک ٹکٹ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے۔ اور دوسرا ٹکٹ ہمارے دشمنوں کے لئے۔ اور ایک ٹکٹ سنن و اشغال میں۔

اگر کوئی آیت کسی خاص قوم کے لئے ہوتی تو جس وقت وہ قوم مر جاتی تو وہ آیت بھی مر جاتی۔ اس طرح قرآن کا کوئی حصہ ہی باقی نہ رہتا۔ مگر قرآن جاری ہے۔ اور جب تک زمین و آسمان قائم ہے جاری رہے گا۔ ان ارشاداتِ مصدقہ علیہم السلام سے یہ راہ بھی مشکف ہو گیا کہ قرآن میں سابقہ آیتوں کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ جیسے آل فرعون و فرود اور امت موسیٰ و ہرود اور قصص نصاریٰ و یہود اور ان کے اعمالِ قبیحہ کا مکرر ذکر اور ان کی بدکرداریوں کے تذکرے۔

حالانکہ خداوند عالم ستارہ عیوب ہے اور غفار ذنوب بھی پھر ان کے فضائح و قبائح کی سزا دیدینے کے بعد اور ان پر عذاب نازل کر دینے کے بعد ان کے ذکر کی سوائے اس کے اور کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ ان کا تذکرہ صرف اس لئے کیا گیا کہ امتِ رسول کو عبرت حاصل ہو۔ اور ان فاسقوں کو تنبیہ ہو جو اپنی بد اعمالیوں میں معذرت قوموں کے دیکھ کر بدوش اور ان کے ہم عمل ہوں۔ اسی لئے ایسے فاسقوں کے لئے خود جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اس امت کے یہود و مجوس ہیں۔

ہمارے ان بیانات سے مشکف ہو گیا کہ قرآن مجید میں جو مدح و ثنا لکنا یا صراحت بیان ہوئی ہے اس کا مرجع محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ اور جو کچھ مذمت اور تہذیب وارد ہوئی ہے وہ ان کے دشمنوں کے لئے ہے

خواہ سابقین ہوں یا لاحقین۔

لہذا اس طرز کی آیات اسی مقصد پر محمول ہوں گی۔ خواہ لفظ ہر لفظ تاہید نہ کریں۔ کیونکہ اسلوب بیان اور تحفظ از نقصان کنایہ ہی کا استقاضی ہے جو تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

لہذا قطعی دلیل عقلی اور صحیح و معتبر دلیل نقل کے بعد اس مطلب میں کوئی نزاع نہیں رہتی اور نہ کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ اب سوائے اس شخص کے جس کی عادت ہی ایسا کبر و غرور ہو۔ اور لوگوں کو اپنے دلیل و فریب میں گرفتار کرنا مقصود ہو۔ کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔

واللہ ولی التوفیق ینہدی من یشاء الی صراط مستقیم (مقدمہ تفسیری از علامہ برائسی مظلہ)

تفسیر قرآن کے بنیادی اصول

سابقہ اوراق میں ہم نے علامہ حرازی مظلہ کے افادات علیہ مقدمہ تفسیری سے پیش کئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کے معانی و تفاسیر مشکلات علوم میں سے ہے۔ جیسا کہ قول محصوم سے ثابت ہے کہ دنیا میں تمام مشکلات سے زیادہ مشکل تفسیر قرآن ہے۔

اس لئے جس قدر بھی ممکن ہو سکے گا ہم قرآن فہمی کے لئے علوم اہل بیت کی روشنی میں اعلاظم محدثین و مفسرین کے شہادت علیہ پیش کرنے کی سعی بلیغ کریں گے۔ کیونکہ کلام خدا اپنی بلاغت و جامعیت کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز ہے اور اپنے مجاز اسلوب کے اعتبار سے قوت بشری کے ادراک سے بالاتر ہے اس کو کا حق وہی سمجھ سکتا ہے جس پر نازل ہوا۔ اور اس کا مخاطب حقیقی ہے جو نزول قرآن سے پیشتر علم و ہی کا خزانہ دار ہے جیسا کہ ارشاد و قدرت ہے۔

بل ہوا آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم۔ یعنی یہ قرآن ان ذوات مقدسہ کے سینوں میں روشن آیات کی حیثیت رکھتا ہے جن کو اس کے نزول سے پہلے تخلیقی طور پر علم دیا جا چکا ہے اسی فطری قابلیت و علمی صلاحیت کی وجہ سے روشن آیات بن گیا ہے۔

کلام بلیغ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مکالم اپنے مخاطب کی استعداد و عقل و فہم کے مطابق کلام کرے اس کے معیار عقل سے بلند ہوا نہ پست تاکہ اس کے دل میں اثر جائے ورنہ بلند ہونے کی صورت میں وہ سمجھ نہ سکے گا۔ اور مغرور و مقصور متکبر قلب مخاطب میں اثر نہ سکے گا۔ جس کی وجہ سے وہ کلام محدود بلاغت سے گرجائے گا۔ اور مکالم کے لئے باعث نقص و حیرت ہو گا۔ کیونکہ اس نے مخاطب کے معیار فہم و علم کے مطابق کلام نہیں کیا۔

اور اگر مخاطب کی قابلیت فہم و عقل سے پست کلام ہوگا تو بھی حدود بلاغت سے گرجائے گا۔ کیونکہ ایسا کلام مخاطب کے معیار علم و فہم سے پست ہونے کی وجہ سے قابل توجہ ہی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی توبین و تہقیر کا موجب قرار پائے گا۔ اس کے دل میں نہ اتر سکے گا بلکہ اس کے گوش ہمایوں سے گزر جائے گا۔

حالانکہ کلام ملیغ کی شان یہ ہے۔ ما یدخل فی الجنان ولا یتجاوز الاذان۔ یعنی کلام دل میں داخل ہو جائے۔ کانوں سے نہ گزر جائے۔ لہذا کلام کو مطابق عقل و فہم مخاطب ہونا لازمی ہے تاکہ مرتبہ بلاغت و فصاحت پر فائز ہو۔

قرآن مجید کلام خدا ہے اور اس کے مخاطب حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ متکلم بھی کامل ہے اور مخاطب بھی۔ لہذا کلام بھی کامل ہے۔ یا آنحضرت کما حدیثہم کہہ سکتے ہیں یا وہ ہستیاں جو عقل و فہم میں حضرت کے ساری اور تخلیقی طور پر دینی علم کے حامل ہوں۔ جن کی عقل مثل عقل رسول۔ جن کا فہم مثل فہم رسول۔ جن کا علم مثل علم رسول۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جو اوتوا العلم اور راسخون فی العلم اور اہل ذکر ہیں۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

واذا اخرجوا من عندك قالوا لذيٰن اوتوا العلم ماذا قال انفاہ۔

یعنی اسے رسول جب لوگ تیری تعلیمی صحبت سے اٹھ کر باہر نکل جاتے ہیں تو ان ہستیوں سے جن کو ہم نے علم دے دیا ہے دریافت کرتے ہیں کہ ابھی ابھی رسول نے کیا فرمایا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کی موجودگی میں اوتوا العلم موجود تھے اور وہی علم رکھتے تھے۔ جو رسول کو حاصل تھا۔ اسی لئے لوگ ان سے دریافت کرتے تھے کہ رسول نے کیا فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ یہ حضرات وہی فرمائیں گے جو رسول نے فرمایا ہے۔

احادیث معصومین علیہم السلام سے بھی اوتوا العلم سے مراد یہی حضرات ہیں۔ اور یہی حضرات دارشان علم رسول ہیں۔ لہذا بعد رسول قرآن مجید کے صحیح معنی اور صحیح تاویل ان ہی سے حاصل ہوگی۔ اور اسی لئے آل حضرت نے قرآن کے ساتھ ان ہی حضرات کو چھوڑا ہے۔ دونوں میں بعدی نہیں ہو سکتی۔ مقصد قرآن یعنی مراد خدا ان ہی کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے۔ قیاس و تخمین سے مراد خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

لہذا ہمیں قرآن فہمی کے لئے ان ہی ذوات مقدسہ کے ارشادات کو شعل راہ بنانا چاہیے اور اپنی قیاس آرائی سے اجتناب لازم ہے۔ ہم اس سلسلہ میں جناب افتخار المحدثین و اکمل الدینین الشریف العدل الولی الرحمن بن محمد طاہر بن عبد الحمید بن موسیٰ بن علی بن یعقوب بن عبد الحمید الفرتی العالمی

الاصطفائی الفروی علیہ الرحمہ کے مقدمہ مراۃ الافراد و مشکوٰۃ الاسرار سے حقائق علیہ کا اقتباس ضروری تشریحات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں۔ ہم تفسیر قرآن لکھنے سے بیشتر نہایت ضروری تین مقدمات پیش کرتے ہیں۔ جن کا جاننا ہر قاری قرآن کے لئے لازمی ہے۔

پہلا مقدمہ۔ قرآن مجید میں جس طرح ظاہری معنی کا ذکر ہے اور اس کا تعلق توحید و نبوت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح باطنی معنی کا بھی ذکر ہے جس کا تعلق ولایت و امامت کے ساتھ ہے۔ درحقیقت تاویل آیات سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی ولایت و عظمت اور ان کے دشمنوں کی ذلت و رسوائی مراد ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا امر خیر نہیں ہے جو ان ذوات مقدسہ میں نہ ہو۔ لہذا جہاں جہاں امر خیر کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے۔ اُس کے متعلق وصادق اعلیٰ بھی ذوات مقدسہ اور ان کے تابعین ہیں۔ اور جہاں جہاں امر شر کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مصداق ان کے دشمن اور ان کے تابعین ہیں۔ کیونکہ کوئی ایسا امر شر نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہو۔ اور وہ ان کے دشمنوں پر صادق نہ آتا ہو۔

اس مقدمہ کو ہم تین مقالات میں بیان کرتے ہیں جن کی روشنی میں ہمارا مقصد واضح ہو جائے گا۔ مقالہ اولیٰ :- ان احادیث واردہ کے بیان میں ہے جو خاص طور پر ہمارے مقصد کو ثابت کرتی ہیں۔ انہیں ہم چند فصول میں درج کرتے ہیں۔

فصل اول :- ان احادیث کے بیان میں ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید دو حیثیتوں کا حامل ہے۔ اول ظاہر۔ دوم باطن ظاہری معنی تنزیلی معنی اور باطنی معنی تاویلی معنی ہیں کیونکہ مفاد قرآن کسی خاص اہل زمانہ کے لئے منسخر نہیں ہے بلکہ اس کا نفاذ قیامت تک تمام اہل زمانہ کے لئے ہے۔

چنانچہ جناب جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی مگر جب دوسری مرتبہ اسی آیت کی تفسیر دریافت فرمائی۔ تو آپ نے سابقہ تفسیر کے بجائے کچھ اور تفسیر بیان فرمائی۔ میں نے عرض کی۔ یا بن رسول اللہ میں آپ پر قربان۔ آپ نے قبل ازیں اس کی تفسیر کچھ اور بیان فرمائی تھی۔ اور آج کچھ اور ہے حضرت نے فرمایا اے جابر قرآن کے باطنی معنی بھی ہیں۔ اور پھر باطنی معنی کے بھی باطنی معنی ہیں۔ اسی طرح ظاہری معنی ہیں۔ اور پھر ظاہری معنی کے بھی ظاہری معنی ہیں۔

اے جابر قرآن مجید کی تفسیر اس قدر اہم اور مشکل ہے کہ اس سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ آیت قرآن کا اولیٰ حصہ کسی خاص مقصد کو بیان کرتا ہے۔ اور آخری حصہ کسی دوسرے مقصد کو

واضح کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں حصے کلام مسلسل کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں۔
اس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن مجید میں ظاہری معنی اور باطنی معنی دونوں موجود ہیں۔ اور ایک ہی
آیت کا ایک حصہ ایک نئی پر اور دوسرا حصہ دوسرے معنی پر دلالت کرتا ہے جس سے ثابت ہے کہ
ایک آیت کی اگر دو تفسیریں ہوں۔ اور یہ تفسیریں ظاہر و باطن کے لحاظ سے وارد ہوں تو اس میں انکار و
استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

لہذا اگر ائمہ علیہم السلام نے کسی آیت کی کئی تفسیریں بیان فرمائی ہوں تو ان میں باہمی اختلاف یا متانفات
نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر و باطن اور تنزیل و تاویل کے لحاظ سے دونوں صحیح ہیں۔ اور اپنے اپنے موقع و محل
کے لحاظ سے بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ سائل اپنے علوم قرآن میں اضافہ کر سکے۔ کیونکہ یہ ذوات مقدسہ تنزیل
و تاویل قرآن کے بالمتیق عالم ہیں۔ ان سے افضل علم قرآن میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس مقصد کی مزید وہ حدیث ہے جو کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ حضرت نے
فرمایا:-

قل خدا:- الذین یصلون ما امر الله به ان یوصل-

یعنی وہ لوگ جو صلہ رحمہ ادا کرتے ہیں جس کے ادا کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے،
یہ آیت صلہ رحمہ آل محمد علیہم السلام کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور تم لوگوں کی قرابت میں بھی یہ حکم جاری
ہے۔ لہذا تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جو ایک آیت کو ایک ہی مقصد کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔

فضیل بن یسار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مندرجہ کا مطلب دریافت کیا۔

ما فی القرآن آیۃ الاولیٰ ظہر و بطن و ما فیہ حروف الاولیٰ حد و لكل حد
مطلع ما یعنی بقولہ لها ظہر و بطن قال ظہرہ تنزیلہ و بطنہ تاویلہ منہ
ما مضیٰ و منہ ما لم یحییٰ بعد یجری کما تجری الشمس و القمر لكل ما جا و
منہ شیء وقع قال الله تعالیٰ و ما یعلم تاویلہ الا الله و الراسخون فی العلم
و نحن نعلم۔

قرآن مجید کی ہر آیت میں ظاہر کا بھی ظاہر ہے۔ اور باطن کا بھی باطن ہے۔ اور ان کے حدود بھی ہیں۔
اور حدود کے لئے مجتہد بالا اشارات بھی ہیں۔ آیات کا ظاہر تنزیل ہے۔ اور باطن تاویل ہے۔ اس
کا کچھ حصہ گزر چکا ہے۔ اور کچھ حصہ ابھی تک نہیں گذرا۔ مگر بعد میں جب وہ ارادے گا۔ جس کی وجہ
سے وہ حصہ معنی تھا۔ تو وہ بھی جاری ہو جائے گا۔ جس طرح شمس و قمر جاری ہیں ان حدود کو خدا کے

اور ہمارے سوا کوئی نہیں جانتا ہم ہی راہِ سخن فی العلم ہیں۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے حمران صہبائی سے فرمایا۔

بالتحقیق ظاہرِ قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ویسا ہی عمل کیا جیسا ان کے پیشروں نے کیا تھا۔ لہذا یہ آیات ان بعد والوں پر بھی صادق آئیں گی۔ جس طرح ان لوگوں پر صادق آئیں جن کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اگر ایسا ہوگا کہ ایک آیت کسی خاص شخص کے لئے نازل ہوئی پھر وہ مر جاتا تو یہ آیت بھی مرجاتی۔ اور اس طرح پورا قرآن ہی مرجاتا۔ مگر قرآن زندہ ہے اور جس طرح گزر جانے والوں کے لئے جاری ہے۔ اسی طرح بعد میں آنے والوں کے لئے بھی جاری ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن میں خدا نے فرمایا ہے وکلّی قوم ھادج۔ یعنی ہر قوم کے لئے ہادی مقرر ہے۔ یہ آیت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے ان کے ہادی ہونے کا اعلان ہے۔ مگر ان کی طرح ہم میں سے ہر ایک امام کے لئے بھی ہے۔ راوی نے دریافت کیا۔ میں آپ پر قرآن آپ کے لئے بھی ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک میں بھی ہادی ہوں۔ قرآن زندہ ہے۔ مردہ نہیں ہے۔ یہ آیت بھی زندہ ہے۔ مردہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آیت کسی قوم کے لئے نازل ہوئی۔ اور اسی کے لئے مخصوص ہو جاتی تو جس وقت وہ قوم مرجاتی تو یہ آیت بھی مرجاتی۔ اس طرح پورا قرآن ہی مرجاتا۔ یاد رکھو آیات قرآن جاری ہیں آنے والی نسلوں کے لئے بھی جس طرح گذشتہ نسلوں کے لئے تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق قرآن حتیٰ ہے یتیت نہیں ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور لیل و نہار کی طرح جاری ہے۔ جس طرح ہمارے ازل کے لئے ہے۔ اسی طرح ہمارے آخر کے لئے بھی ہے۔ نیز فرمایا قرآن میں گذشتہ کا بھی ذکر ہے اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اُس کا بھی ذکر ہے جس کو ہم محمد و آل محمد ہی جانتے ہیں۔ قرآن مجید کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر حکم ہے۔ اور باطن علم ہے۔ اس کا ظاہر انقی ہے اور باطن عقیق ہے۔ اس کے لئے حدود ہیں اور حدود کے لئے بھی حدود ہیں۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا۔

خداوند عالم نے اپنے رسول کو جو امور دے کر بھیجا ہے۔ ان میں سے کوئی امر ایسا نہیں ہے۔ کہ

جس کی تشریح و تاویل و تشبیہ نہ ہو۔

احادیث مذکورہ کا نتیجہ

مسند جب بالا احادیث اور دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن مجید ہر زمانہ کے لئے ہے اور قرآن زندہ ہے۔ مردہ نہیں ہے۔ اور قرآن میں تشریح کے ساتھ تاویل بھی ہے۔ اور ظاہر کے ساتھ باطن بھی۔ اور اس کے تاویلات و بطون اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے موقع و محل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ اس کی تاویل خداوند عالم اور اسخون فی العلم کے سرا کوئی نہیں جانتا۔

فصل ثانی :- ان احادیث کے بیان میں ہے۔ جن سے ثابت ہے کہ تاویل و باطن قرآن کا تعلق زیادہ تر محمد و آل محمد علیہم السلام اور ان کی ولایت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارشادات معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اے ابو محمد قرآن مجید میں جتنی آیات جنت و اہل جنت کے فضائل و مراتب بیان کرتی ہیں۔ وہ سب ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے ہیں۔ اور جتنی آیات دوزخ و اہل دوزخ کی روانی اور برائی کا ذکر کرتی ہیں وہ ہمارے مخالف اور دشمنوں کے لئے ہیں۔

اے ابو محمد جب تم یہ سنو کہ خداوند عالم نے اس امت کی کسی قوم کا ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ فرمایا ہے۔ تو تم سمجھ لو کہ وہ ہم ہیں۔ اور جس قوم کی برائی کا ذکر سنو تو سمجھ لو کہ وہ ہمارے مخالف و دشمن ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

ہمارے ساتھ کسی شخص کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید ہماری شان میں نازل ہوا ہے یعنی جو ماس میں وہ ہمارے لئے اور جو قبايح میں وہ ہمارے دشمنوں کے لئے۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن مجید میں خدا کا ارشاد ہے۔

انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منھا وما باطن۔

یعنی خداوند عالم نے قرآن میں ظاہر و باطن بیان فرمائے ہیں۔ پس جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حرام بیان کی ہے۔ وہ ظاہر قرآن ہے۔ اور باطن قرآن ظالم و جابر پیشوا ہیں۔ اور اسی طرح جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حلال بیان کی ہے وہ ظاہر قرآن ہے۔ اور باطن قرآن آئمہ حق ہیں۔

اور احتجاج طبری میں ہے کہ جناب رسول خداؐ نے خطبہ غدیر میں فرمایا۔

اے لوگو یہ علیؑ سب سے زیادہ میرے حق دار اور سب سے زیادہ میرے قریبی ہیں۔ اور میں اور خدا ان سے راضی ہیں قرآن میں بتنی آیات رضا ہیں۔ وہ سب ان کے لئے ہیں۔ اور جہاں جہاں الذین امنوا قرآن میں ہے۔ اس کی ابتدا یہی ہیں۔ اور بتنی آیات مرج ہیں وہ ان ہی کے لئے ہیں۔ اے لوگو جو فضائل علیؑ خدا کے نزدیک ہیں۔ جن کو محمدؐ پر خدا نے نازل کیا ہے ان کا احصاء ناممکن ہے۔ پس جو شخص کوئی فضیلت ان کی بیان کرے تو تم اس کی تصدیق کرو۔ کیونکہ ان کے فضائل کا احصاء نہیں ہو سکتا جتنا کہیں علم ہے۔ اتنی ہی فضیلت نہیں ہے بلکہ ان کے فضائل شمار سے بالاتر ہیں اور کہیں جو کچھ علم ہے وہ محدود ہے۔

کتاب التوحید صدوق علیہ السلام ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے اول میں یا ایہا الذین آمنوا ہو۔ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس کے امیر اور قائم و سرور ہوں۔

کتاب کافی میں ہے کہ سعد خفاف نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا۔ یا بن رسول اللہ کیا قرآن تکلم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے سعدنا زبھی تکلم کرتی ہے۔ اس کی صورت و شکل خلقی ہے۔ وہ امر بھی کرتی ہے اور نہی بھی۔

یہ سن کر میرا رنگ بدل گیا۔ اور میں نے عرض کی مولایہ بات لوگوں کے مجمع میں ہم بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ مطلب عوام کے عقول سے بالا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں سے ہمارے شیعہ مراد ہیں یعنی الناس کے باطنی معنی ہمارے پیرو ہیں۔ جو شخص نماز کی معرفت نہیں رکھتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کیا پھر آپ نے فرمایا اے سعد خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

ان الصلوة تنفی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔

یعنی نماز نہی کرتی ہے فحشاء اور منکر سے اور ذکر خدا اکبر ہے۔

اے سعد نہی کننا کلام ہے۔ اور فحشاء و منکر سے مراد لوگ ہیں۔ اور ہم ذکر اللہ ہیں اور ہم اکبر ہیں۔

اس آیت میں نہی کننا فعل ہے جس کے لئے نہی کرنے والے کی ضرورت ہے۔ جو تکلم ہے۔ ظاہری نماز تکلم نہیں کرتی ہے۔ اسی لئے نماز سے مراد محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہی نماز کے باطنی معنی ہیں۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص ظاہری نماز پڑھتا ہے۔ اور حقیقی نماز کو نہیں جانتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کر دیا اور آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ حقیقی نماز صاحب صورت و شکل خلقی ہے جو تکلم ہے۔ وہی امر و نہی کرتی ہے۔ لہذا باطنی امر ظاہرین ہیں۔ اسی آیت ذیل میں،

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الخ: یعنی تم مدد مانگو صبر اور نماز سے۔ اور نماز لوگوں پر گراں ہے۔ مگر خدا کے خاشع بندوں پر گراں نہیں ہے۔

صبر سے مراد رسول اللہ ہیں۔ اور صلوٰۃ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت جی کی ولایت گراں گذرتی ہے۔ مگر خدا کے سامنے جھکنے والے بندوں پر گراں نہیں گذرتی۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر غور کیا جائے تو ان کے مادیلی معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر ظاہری معنی روزہ و نماز ہیں جو ظاہری مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور یہ بھی درست ہیں کیونکہ قرآن کا ظاہر و باطن آپس میں مختلف و متضاد نہیں ہوتا۔ ظاہری لوگ ظاہری نماز سمجھتے ہیں۔ اور باطنی افراد دونوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور ان حضرات سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ نماز روزہ کا مادی وجود نہیں ہے ان ہی حضرات کے حرکات و سکنات حقیقی نماز روزہ ہیں جن کے ذریعہ ہیئت نماز روزہ کا وجود ہوا۔

امام علیہ السلام نے فشا اور منکر کے باطنی معنی رجال (لوگ) ارشاد فرمائے ہیں۔ یعنی جس طرح نماز کے باطنی معنی آخر ظاہرین علیہم السلام ہیں۔ اسی طرح فشا و منکر سے مراد ان کے دشمن و مخالف ہیں۔ اور یہ دو قسم کے ہیں۔ اول فشا یعنی حدود خدا کو توڑنے والے علانیہ گناہ کے مرتکب اور دوم منکر یعنی خدا کے ناپسندیدہ فعل کے مرتکب۔ مخالفین و دشمن اہل بیت ان دونوں گناہوں کے مرتکب ہیں لہذا وہ فشا و منکر بھی ہیں۔ کیونکہ فشا و منکر کا مادی وجود نہیں ہے لہذا یہ لوگ فشا و منکر ہیں۔

اس فصل میں جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تاویل قرآن یعنی باطنی معنی قرآن کا تعلق محمد و آل محمد علیہم السلام سے ہے۔

فصل سوم۔ اس امر کے بیان میں ہے کہ ظاہری معنی قرآن اور باطنی معنی قرآن میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں معنی مقصود خدا ہیں۔ اور ان دونوں معنی کا مراد لینا اسلوب کلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن میں یہ استعمال شائع و ذائع ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ہمارے علماء محدثین نے تحریر فرمایا ہے۔

بالتیق احکام خدا حقیقت کلی اور مرتبہ نوعی کے مطابق جاری ہیں۔ یعنی کسی شخص یا فرد کے ساتھ مخصوص و منحصر نہیں ہیں۔ اسی لئے جس قوم کے ساتھ خدا نے مخاطبہ فرمایا ہے۔ اور کسی فعل کی نسبت اس کی طرف دی ہے۔ اس خطاب و نسبت میں وہ تمام قومیں داخل ہیں جس وقت یہ مخاطب تھیں۔ اور نہ ان کی طرف نسبت فعل دی گئی تھی مگر چونکہ ان قوموں میں وہی خصلت اور وہی طبیعت پائی گئی۔ اس لئے یہ قومیں بھی اتحاد و خصلت و طبیعت کی وجہ سے مخاطب اور منسوب الیہ قرار پائے گی۔ جس طرح ”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ

اطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ میں خطاب ہے۔ اس وقت کے مومنین سے جو وقت نزول آیت موجود تھے مگر وہ اس خطاب میں مخصوص نہیں ہیں بلکہ قیامت تک جو ایمان لانے والا آئے گا وہ اس کا مخاطب قرار پائے گا۔ اسی طرح ”منکم“ میں یرید الدنیا و منکم“ میں یرید الاخرۃ“ یہ بھی خطاب ہے۔ اس وقت کے لوگوں سے جو وقت نزول آیت موجود تھے۔ مگر یہ خطاب آج کے لوگوں کے لئے بھی ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لئے بھی اسی طرح آیت درود میں تکم درود وقت نزول سے قیامت تک کے لئے ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کی طرف ایمان و عمل صالح کی نسبت دی گئی ہے اور ان سے وعدہ جنت کیا گیا ہے۔ یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ بھی قیامت تک ان فضائل و صفات سے متصف ہوں گے۔ ان کے لئے بھی وعدہ جنت ہے۔ اسی طرح جن قوموں نے خدا کی نافرمانیاں کیں اور مستوجب سزا قرار پائے تھے قیامت تک ایسی ہی نافرمانیاں کرنے والے بھی مستوجب سزا قرار پائیں گے۔

لہذا اصغیاء اللہ سے جس بزرگی و کمرست کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ یا ان کی طرف بزرگی و کمرست کی نسبت دی گئی ہے اُس میں وہ تمام انبیاء و اولیاء و مقررین شامل ہوں گے جن میں اس قسم کی طہیت و خصلت ہوگی۔ سوائے اس خاص بزرگی کے جو مخصوص افراد کے لئے مخصوص طور پر ہے۔ اسی طرح ان ذوات مقدسہ کے شیعہ جس نیک کے ساتھ مخاطب ہوں گے یا کسی نیک کی نسبت ان کی طرف دی گئی ہوگی اسی طرح بعد میں آنے والے شیعہ اور دوستدار اس میں شامل ہوں گے بڑا ان ہی صفات سے متصف ہوں گے اسی طرح ان ذوات مقدسہ کے مخالفین و معاندین جن بُرائی اور بدی کے ساتھ مخاطب ہوں گے یا ان کی طرف بُرائی اور بدی کی نسبت ہوگی۔ اس میں وہ سب مخالف و معاند شامل ہوں گے جو بعد میں آنے والے ہوں گے کیونکہ وہ اپنی خصلت و طہیت میں سابعین کے ساتھ مشترک ہیں۔

مذکورہ بالا امور کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو خدا و رسول دوست رکھتے ہیں اس کو ہر حال میں دوست رکھے گا۔ ورنہ وہ مومن ہی نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ مومن سابق ہو یا لاحق۔ یعنی ابتداءً خلق سے انتہائے خلق تک جو بھی مومن ہو گا وہ خدا و رسول کے محبوب کو محبوب رکھے گا۔ اور اسی طرح خدا و رسول جس شخص کو مبغوض رکھتے ہیں۔ اس کو ہر حال میں بھی مبغوض رکھے گا۔ ورنہ وہ مومن ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ ابتداءً نسل سے انتہائے خلق تک جو بھی مومن ہو گا وہ ان ذوات مقدسہ کے شیعہ میں شمار ہوگا۔ اور جو مخالف و معاند ہو گا وہ ان کے دشمنوں میں شمار ہوگا۔

اس دلیل و برہان کا ثبوت کلام معصومین علیہم السلام سے حاصل ہے۔ چنانچہ مفصل راوی کے ذریعہ ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کو جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے

اسناد کے ساتھ کتاب علل الشرائع میں درج فرمایا ہے۔ مغفل راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مہدی آل محمد علیہم السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت امیر المومنین کس طرح قسیمہ الجنة والناقدار پائے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا اے مغفل اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی محبت ایمانی ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔ اور جنت لیان واروں کے لئے ہے اور دوزخ کافروں کے لئے ہے۔ اسی لئے قسیم الجنة والناقدار ہیں۔ کیونکہ جنت میں وہی داخل ہوں گے جو ان سے محبت رکھیں گے اور دوزخ میں وہی داخل ہوں گے جو ان سے بغض رکھیں گے۔ میں نے عرض کی یا بنی رسول اللہ کیا انبیاء و اوصیاء اور ان کے تابعین بھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے محبت رکھتے تھے۔ اور ان کے دشمن حضرت امیر سے بغض رکھتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا بے شک۔ میں نے عرض کی کس طرح؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جناب رسول خدا نے جنگ خیبر میں فرمایا کہ میں یقیناً کل علم اس مرد کو دوں گا جو خدا و رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا و رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ فتح کئے بغیر جنگ سے واپس نہیں آئے گا۔ میں نے عرض کی بے شک۔ یہ حدیث مجھے معلوم ہے ابھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جناب رسول خدا کی خدمت میں ایک بھٹا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اے خدا تیری نظر میں جو شخص مخلوقات میں سے زیادہ محبوب ہو۔ اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کو نوش کرے۔ حضرت کا مقصد تھا کہ حضرت علی آجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؑ نے آنحضرت کے ساتھ پرندہ نوش کیا۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ پس حضرت نے فرمایا اے مغفل کیا یہ جائز ہے کہ انبیاء و رسول اس مرد سے محبت نہ رکھیں۔ جو خدا و رسول کا محبوب ہے۔ اور خدا و رسول اس کے محبوب ہیں۔ میں نے عرض کی بے شک نہیں جائز ہے۔

پس حضرت نے فرمایا کیا یہ جائز ہے کہ ان انبیاء و رسول اور اوصیاء کی امتوں کے مومنین اپنے انبیاء و رسول اور اوصیاء کے محبوب اور خدا و رسول کے محبوب سے محبت نہ رکھیں۔ میں نے عرض کی بے شک نہیں جائز ہے۔ پس حضرت نے فرمایا اے مغفل بالتحقیق ثابت ہو گیا کہ جمیع انبیاء و مرسلین اور جمیع مومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کے محبت و دوست ہیں۔

جو لوگ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے مخالف ہیں وہ علی بن ابی طالب اور ان کے شیعوں کے بغض و دشمن ہیں۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو علی کا محبوب و دوست ہوگا۔ خواہ ازلین میں سے ہو یا آخرین میں سے لہذا ثابت ہوا۔ کہ علی علیہ السلام قسیم الجنة والناقدار ہیں۔

مفضل نے عرض کی یا بن رسول اللہ آپ نے میری شکل کو حل فرما دیا۔ خدا آپ کو کشادگی عطا فرمائے کچھ اور بھی اپنے علم خدا داد سے میرے معلومات میں اضافہ فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا اے مفضل سوال کرو جو چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ کیا خود علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے دوست کو جنت میں اور اپنے دشمن کو دوزخ میں داخل کریں گے یا جنت میں رضوان فرشتہ اور دوزخ میں مالک فرشتہ داخل کرے گا۔ حضرت نے فرمایا اے مفضل کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ خداوند عالم نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو عالم ارواح میں جب کہ وہ روح تھے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف سبوت فرمایا۔ اور اس وقت وہ تمام انبیاء بھی ارواح تھے۔ اور یہ واقعہ مخلوقات کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کا ہے۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ حضرت رسول خدا نے ان کو دعوت اتباع امر خدا دی۔ اور ان سے اس کے مطابق جنت کا وعدہ فرمایا اور نجا فیض و منکین کے لئے دوزخ کی وعید کی۔ مفضل نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا جناب رسول خدا اپنے وعدہ و وعید کے مناسن قرار نہیں پائے جب کہ انہوں نے خدا کی طرف سے یہ وعدہ و وعید کیا۔ میں نے عرض کی۔ بے شک آں حضرت مناسن قرار پائے کہ اپنے وعدہ و وعید کو پورا کریں۔ پس حضرت نے فرمایا کیا علی ابن ابی طالب علیہ السلام آنحضرت کے خلیفہ و جانشین اور آنحضرت کی امت کے امام نہیں ہیں؟ میں نے عرض کی بے شک خلیفہ رسول و امام امت ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ رضوان اور مالک کیا ان فرشتوں میں شامل نہیں ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں اور بوجہ محبت علیؑ نجات پانے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا لہذا ثابت ہو گیا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی قسیم الجنۃ و النار ہیں۔ رسول خدا کی نیابت میں۔ اور رضوان و مالک حضرت علی علیہ السلام کے تابع امر ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام حاکم بار خدا ہیں۔ اے مفضل اس حدیث کو محفوظ کر لو کہ یہ ہمارے خزانہ علم سے ہے نا اہلوں سے اس کو مخفی رکھنا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی مصدقہ روایت کے نتائج

- (۱) قرآن مجید میں کسی خطاب یا نسبت فعل کا تعلق مخصوص افراد سے نہیں ہے بلکہ بطور قانون کلی ہے جس میں قیامت تک آنے والے شامل ہیں۔
- (۲) ابتدائے خلق سے انتہائے خلق تک مومنین وہی ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے محبت

رکتے ہیں۔ اور منکرین وہی ہیں جو حضرت سے بغض رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے جنت اور منکرین کے لئے جہنم ہے۔

(۲) حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی قسیم الجنتہ والنار ہیں۔ جن کو یہ اختیارات نیابتِ رسول میں عطا ہوئے ہیں۔

(۳) جناب رسالت، مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ و آلہٖ و سلم اودھ عالم ارواح میں معراج برسات مجھے اور راج انبیاء علیہم السلام آپ کی امت بنے۔ اس وقت آپ کی بعثت روحانی تھی۔ اور جب عالم اجسام میں تشریف لائے تو آپ کی بعثت جہانی تھی۔

(۴) ضامن وعدہ و وعید من جانب اللہ تعالیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ و سلم ہیں۔ اور آپ کی ضمانت کو پورا کرنے والے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا ہے۔

القیانی جہنم کل کفار عنیدین۔ یعنی تم دونوں ہر انکار کرنے والے کو اور ہر دشمن کو جہنم میں ڈال دو۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام جہنم کو حکم میں گئے۔ ہذا لک مخذیہ و ہذا لی قدریہ اسے دوزخ یہ تیرا حصہ ہے اس کو پاؤں لے اور یہ میرا حصہ ہے اس کو چھوڑ دے۔

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے امر پر رضوان و مالک و دونوں فرشتے عمل کریں گے رضوان فرشتہ جنت ہے اور مالک فرشتہ جہنم ہے دونوں تابع امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

(۶) یہ دونوں فرشتے بھی ان فرشتوں میں شامل ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے تابع امر ہیں۔

(۷) فقرہ رضوان و مالک دونوں تابع امر ہیں۔ اس سے اس حدیث کی تشریح و تائید ہر جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ نیلۃ القدر میں تمام امور از قسم خلق و رزق و حیات و موت و عمل و اجل و علم غیب و معجزات خصوصاً وغیرہ ان ذواتِ مقدسہ کی خدمت میں فرشتے لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اور پھر ان ہی حضرات کے حکم سے ان کا صدور ہوتا ہے۔ بعد کی تشریح یہی ہے کہ فرشتے من جانب اللہ امور ہوتے ہیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کے امر کی تعمیل کریں اور ان ذواتِ مقدسہ کا امر ارادہ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے جو ان حضرات کے قلوب میں خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد حضرت صادق

آل محمد علیہ السلام ہے۔

وامارۃ الرب فی مقادیر امورہ تھب الیکم و قصد من یتوکل و الصادر عما فیکل من احکام العباد (مغایب از کافی)

یعنی اے اہل بیت نبوت خدا کے امور مقدّرہ اور ان کے حدود معینہ کا ارادہ تمہارے قلوب میں وارد ہوتا ہے۔ اور پھر تمہاری جی بارگاہ سے ان کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور بندگان خدا کے لئے فیصلہ شدہ احکام کے صدور کا ارادہ بھی تمہارے جی قلوب میں وارد ہوتا ہے۔ یعنی امور تکوین و امور تشریع دونوں کا صدور ان ذوات مقدّسہ سے وابستہ ہے (کفایۃ الموحّدین)

یہ محدث حضرت جواد علیہ السلام کو ملا لیا جائے جس میں ان ذوات مقدّسہ کی اطاعت کائنات پر فرض کی گئی ہے (تفسیر صافی) اور پھر اس کے ساتھ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کو ملا کر غور کیا جائے جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ ملائکہ امام باقر بن کر نازل نہیں ہوتے ہیں (اجتہاد ۲۳۶) پھر اس کے ساتھ حدیث مفصل کو ملا کر پڑھا جائے جس میں ملائکہ کو تابع امر فرمایا گیا ہے۔ اور ان کے امور ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ تفسیر اولو الامر کو ملا لیا جائے جس میں معنی امر کا مقصد رزق و خلق و احیاء و اموات وغیرہ مذکور ہے۔ پھر اس کے ساتھ ملائکہ کے خدمات متعلقہ کے متعلق تصریحات معصومین ملاحظہ کی جائیں۔ جن میں ملائکہ کی ڈیوٹیاں بتائی گئی ہیں کہ کوئی ملک ہوا پر کوئی رزق پر کوئی بارش پر کوئی نزع پر مامور ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ منجانب اللہ یہ ذوات مقدّسہ احکام صادر کرتی ہیں۔ اور ملائکہ ان کے ارشادات کی تعمیل کرنے پر مامور ہیں۔ خدا کا ارادہ ان ہی ذوات مقدّسہ پر وارد ہوتا ہے۔ اور ملائکہ صرف کا رہ سفارت انجام دیتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی امور مقدّرہ کا علم و فہم نہیں ہے بلکہ صرف پیغامبری ہے یہی ذوات مقدّسہ اس کے امور کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اور ملائکہ کو حکم دیتے ہیں۔ اور وہ تعمیل کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ نور علی طبرسی نے تحریر فرمایا ہے۔ ہم ملائکہ و سایر خلق خدام و عقبہ برس در گاہ ان بزرگواران مستند و خدائے تعالیٰ ایشان را ولی کا فذ کائنات نموده از ملائکہ و انبیاء و ارضین و سموات و آنچه در انہا است کہ از برائے ایشان است تصرف در انہا بامر و اذان حضرت آفریدگار و بیچ مکے علیٰ منیٰ نماید و حرکتی نمی کنند مگر باذن ایشان (کفایۃ الموحّدین جلد اول ص ۲۴)

اصل مقصد کی طرف رجوع

(۱) خداوند عالم نے قرآن کو کلیات کی صورت میں نازل فرمایا ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے زمانہ رسول خدا کے بنی اسرائیل سے خطاب فرماتے ہوئے ان کی طرف نمانہ گزشتہ کے بنی اسرائیل کے افعال کی نسبت دی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی اسی خصلت اور اسی طینت کے

تھے۔ اور اپنے اسلاف کے افعال پر راضی تھے اگرچہ اس زمانہ میں نہ تھے۔

میں کہا ہوں کہ اس مقصد کی تائید جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے جوتی ہے چنانچہ حضرت نے آیہ فَلَیْمَ تَعْبَسُکُونْ اَنْبِیَاءُ اللّٰهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ (یعنی اگر تم مومن تھے تو انبیاء اللہ کو پہلے قتل کیوں کرتے رہے اکی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ آیت اس قوم سیود کے باب میں نازل ہوئی ہے جو ان حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے انبیاء اللہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔ اور نہ ان کے زمانہ میں موجود تھے۔ جنہوں نے قتل کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے قتل کیا تھا۔ مگر خداوند عالم نے ان کو بھی اسلاف میں محسوب و شمار کیا ہے اور ان کی طرف بھی وہی نسبت دی ہے جو ان کے اسلاف کی طرف تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اسلاف کا اتباع کیا ہے اور ان کے افعال کو قبول کیا ہے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ لہذا خداوند عالم نے ان کی طرف بھی نسبت افعال اسلاف دی ہے۔

اس قسم کی دیگر احادیث بھی موجود ہیں، جو اس مقصد پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ سورہ آل عمران کے آخر میں ہے فَلَیْمَ تَقْتُلُوْهُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (یعنی اگر تم سچے ہو تو تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا)

اس میں بھی زمانہ رسول خدا کے سیودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے حالانکہ یہ قاتل انبیاء نہ تھے۔ لہذا اس اصول پر قرآن مجید کے باطنی معنی کے لحاظ سے یہ اثر ثابت ہو گیا کہ جو لوگ ہمارے نبی پر ایمان نہیں لائے۔ یا مخالفت کی ان کی طرف جو افعال منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ تمام افعال ان لوگوں کی طرف بھی منسوب ہوں گے جنہوں نے اہل بیت کی مخالفت کی اور ان پر ظلم کیا کیونکہ اہل بیت کی مخالفت رسول کی مخالفت ہے۔ جب کہ رسول نے ان کے اتباع اور اطاعت و محبت کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ زمانہ رسول میں نہیں تھے اور اسی طرف عصر حاضر کے لوگ بھی سابقین میں شمار ہوں گے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی اسی خصلت پر ہیں۔ اور ان کی طبیعت بھی وہی ہے اور اپنے اسلاف کے افعال پر بھی راضی ہیں اور ان سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ لہذا قرآن مجید کی وہ آیات جو سابقین کے لئے ہیں وہ قیامت تک کے لاحقین کے لئے بھی ہیں کیونکہ دونوں کی خصلت و طبیعت ایک ہے۔

(۲) محقق ممدوح الصدر نے امام زین العابدین علیہ السلام کی حدیث سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ قرآن مجید عمارہ عرب کے مطابق نازل ہوا ہے اور اس میں طریقیہ خطاب عادت عرب کے مطابق ہے۔ کیا تم لوگ قبیلہ تمیم کے کسی مرد سے نہیں کہتے ہو کہ اے شخص تم وہی ہو جنہوں نے فلاں شہر پر غارتگری کی

مقی ملائکہ غارت گری اس شخص نے نہیں کی تھی بلکہ اس کے قبیلہ نے کی تھی (مگر وہ اس پر راضی ہے) (۱۲) جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید کا ظاہر ان لوگوں کے لئے ہے۔ جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ اور باطن ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے ویسا ہی عمل کیا جیسا ان کے سابقین نے کیا تھا لہذا آیات سابقین کے لئے ہیں وہ لاحقین کے لئے بھی جاری ہوں گی۔

اس حدیث کی توضیح یہ ہے کہ جو آیات ظاہر آں لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ جنہوں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت توحید و نبوت کی مخالفت یا نافرمانی کی وہ تمام آیات باطنی طور پر ان لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے دعوت ولایت و امامت کی مخالفت یا نافرمانی کی کیونکہ مخالفت یا نافرمانی دونوں میں یکساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں دعوت رسول کے اجزاء ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنے لئے بتوں کو شیخ بنالیا اور بغیر امر خدا ان کی تعظیم و عزت کرنے لگے اور ان کو اپنا دو گار قرار دے لیا۔ اپنے لوگوں کے لئے جو آیات ظاہر آں نازل ہوئیں۔ وہ تمام آیتیں ان لوگوں کے لئے بھی باطنی طور پر ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے اپنے لئے امام اور مہتمم اپنی مرضی سے بغیر حکم خدا بنائے اور ان کی عزت و تعظیم کرنے لگے۔ اور ان کو شفاعت کا درجہ دے دیا۔ اور اس حکم میں وہ بھی شامل ہوں گے جو عصر حاضر میں ان کی پیروی میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو سابقین کا تھا (۱۴) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔

قول خدا۔ وظل محدود دماء وفا کما کثیر لا مقطوعة ولا ممنوعة

یعنی مومنین پھیلے ہوئے سایہ اور پتے ہوئے پانی میں اور ایسے کثیر میوہ جات ہیں۔ جو منقطع نہیں ہوں گے۔ اور نذران کا حصول ممنوع ہوگا۔

ان نعمات سے مراد ظاہری نعمتیں ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ باطنی طور پر اس سے مراد عالم زمانہ یعنی امام ہے اور اس کے وہ علوم و حواس سے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب نعمتیں ہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جن آیات میں ظاہری طور پر جسمانی طور پر جسمانی غذاؤں اور مادی لذتوں کا ذکر ہے وہ آیات باطنی طور پر روحانی غذاؤں اور روحانی لذتوں کے لئے بھی ہیں۔ اور اسی طرح ظاہری طور پر جو آیات ظاہری مرت و دہلاکت کے لئے ہیں وہ باطنی طور پر جہالت و ضلالت کے لئے بھی ہیں یعنی جس نے اپنے امام و ولی کو نہیں سچا پایا ہے۔ وہ بھی مردہ اور ہلاک ہے کیونکہ علم زندگی ہے اور جہالت موت ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ زندہ ہیں مگر درحقیقت وہ مردہ ہیں دیکھنے میں وہ انسان ہیں مگر حقیقت وہ جانور بلکہ جانوروں سے بھی برتر ہیں۔

لہذا ظاہری طور پر عبادات اور معروفات و مامورات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، تحمل، سخاوت، ایتثار وغیرہ اعمال ہیں مگر چونکہ یہ تمام اعمال و عبادات بوسیلہ محمد و آل محمد علیہم السلام وجود میں آئے ہیں۔ اور یہی ذوات مقدسہ ان کی اصل ہیں۔ کیونکہ ان ہی حضرات کے ذریعہ سے ان عبادات و اعمال کو قبول کیا گیا ہے۔ لہذا باطنی طور پر یہ ذوات مقدسہ خود نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، ایتثار وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح وہ لوگ جن سے قبائح و معاصی و خباثت ظہور میں آئے ہیں۔ جیسے ظلم، فسق، فجور، کفر، شرک وغیرہ وہ باطنی طور پر چونکہ اصل ہیں لہذا وہ خود کفر و فسق و عصیان ہیں۔

اس قسم کی تعبیرات احادیث میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی مثلاً۔

حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کورہ الیکم الکفر و الفسوق

و العصیان اولئک ہم الراشدون۔

یعنی خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے قلوب میں زینت دی۔ اور کفر و فسق و عصیان کو مکروہ بنایا۔ یعنی لوگ راہنہ ہیں؟

باطنی طور پر ایمان سے مراد مرد ہے۔ اور اسی طرح کفر و فسق و عصیان سے مراد بھی مرد ہیں۔

(۵) روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ خدا کی معرفت و عبادت اور مخالفت اور خدا کا انفس و ظلم اور رضامندی و ناراضی وغیرہ کی تاویل بطور معنی باطنی امام کی معرفت و الماعت اور مخالفت سے کی گئی ہے اور اسی طرح انفس و ظلم و رضا و ناراضی امام سے کی گئی ہے۔ اسی طرح عین اللہ، یا اللہ، جنب اللہ، قلب اللہ کی تاویل بھی امام ہی سے کی گئی ہے۔ بلکہ وہ تمام چیزیں جو ازین قبیل ہیں جن کو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ ان سب سے مراد مخصوص طور پر امام ہی ہے۔

حتیٰ کہ احادیث میں روح اللہ اور نفس اللہ بلکہ لفظ اللہ اور لفظ الہ اور لفظ رب کی تاویل بھی امام علیہ السلام سے کی گئی ہے۔

دلیل ان سب کی یہ ہے کہ جس طرح سلاطین و امراء اپنے امر و حکم سے اپنے کارندے مقرر کرتے ہیں اور ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم و تہنیر کو اپنی تعظیم و تہنیر قرار دیتے ہیں تاکہ ان کی جلالت سے خود بادشاہوں اور امراء کی جلالت ظاہر ہو۔ ان کارندوں کے فائدے اور نقصان اور الماعت و مخالفت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اپنے کارندوں کے ساتھ جو سلوک ہو۔ اس کو وہ اپنے ساتھ سلوک گمانتے ہیں۔

اسی طرح خداوند عالم نے اپنے اولیاء و آئمہ علیہم السلام کے لئے وہی نسبت قرار دی ہے جو امراء و

سلاطین اپنے کاموں کی طرف دیتے ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق خداوند عالم ہماری طرح انفس نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء خلق کئے ہیں۔ وہ انفس بھی کرتے ہیں۔ اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ خلاق سے متاثر بھی ہوتے ہیں جو خدا کے مراد ہیں۔ خدا نے ان کی رعنا کو اپنی رعنا اور ان کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا ہے کیونکہ ان حضرات کو خود اس نے داعی و درہنہ اپنی جانب سے مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے ان حضرات کو یہ شان حاصل ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے خدا خود متاثر نہیں ہوتا ہے لیکن اس نے ہم کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور ہم پر غلام ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور ہماری محبت کو اپنی محبت قرار دیتا ہے۔ اور اس نے اپنے نبی پر جو قرآن نازل کیا ہے اس میں یہ سب بیان کر دیا ہے۔ اس مضمون کے کافی روایات موجود ہیں جو آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

نیز ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بادشاہوں کو جب اپنے وزیر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ اور وہ امور سلطنت اور نظام حکومت میں اپنی قابلیت و صلاحیت سے تمام بلند دکھاتا ہے۔ تو بادشاہ کہتا ہے کہ یہ وزیر میرا دست راست ہے اور یہ وزیر میری تلوار ہے بلکہ یہ تو میری آنکھ ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ میری روح میری جان بلکہ میری بادشاہ ہے اور ایسے وزیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیا ہے۔

ان تمام امور کو اپنے دل میں جگہ دو۔ اور یاد رکھو کیونکہ اکثر روایات اور آیات میں ایسے ہی اسلوب کلام کا استعمال ہوا ہے۔

فصل چہارم :- اس فصل میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر و باطن اور تنزلی و تادیل سب پر ایمان لانا انسان کے لئے واجب ہے جس طرح محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ اور مفصل و مجمل پر ایمان لانا واجب ہے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے رسولوں کو کتاب اور اس کی تادیل دے کر سبوت فرمایا ہے۔ پس جو شخص کتاب یا اس کی تادیل کا انکار کرے گا تو وہ کافر مشرک ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق جو قوم ظاہر و قرآن پر ایمان لائے اور باطن کا انکار کر دے اس کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور جو قوم باطن و قرآن پر ایمان لائے اور ظاہر کا انکار کر دے اس کو بھی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ظاہر

پرامیان بغیر باطن کے اور باطن پرامیان بغیر ظاہر کے مکمل نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا: - وما یعلم تادیلہ الا اللہ و
الراسخون فی العلم۔ بالیقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ افضل راسخین فی العلم ہیں جو کچھ خدا نے قرآن
میں مندرجہ ذیل نازل کی ہے سب کے عالم ہیں۔ خداوند عالم کی یہ شان نہیں ہے کہ قرآن نازل کر دے۔ اور
تادیل کا علم عطا کرے۔

اُن حضرات کے بعد آپ کے اوصیاء اسی طرح عالم تادیل ہیں جس طرح آں حضرت تھے۔ ہمارے شیعہ
ذہانت خود تو عالم تادیل نہیں ہیں مگر جب امام سے دریافت کرتے ہیں اور امام انہیں اپنے خداداد علم سے سمجھا
دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں: یَقُولُونَ اَمَّا بَابُ كُلِّ قَوْمٍ عِنْدَ رَبِّنا کہ ہم ایمان لے آئے اس پر جو امام نے
ہمیں بتایا ہے وہ سب ہمارے رب کی جناب ہی سے ہے۔

قرآن میں عام دغاص، ناخ و فسوخ، حکم و مشابہ ہے جس کو راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں۔
اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ شیعوں کی علامت یہ ہے کہ جو تادیل امام علیہ السلام نے بیان
فرمائی ہو اُس کو سن جانے اللہ تسلیم کر کے ایمان لائے ہیں۔ لہذا جو شخص تادیل امام کو قبول نہ کرے یا تادیل امام
سے کلمہ نہ بخارے وہ شیعہ نہیں ہے۔

ہمارے اِن دلائل کا ثبوت حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام ہے جو جناب مفضل رضی اللہ عنہ کے دریافت
کردہ مسائل کے جواب میں تحریر فرما کر ان کو ارسال فرمائی ہے جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حدیث مفضل کا خلاصہ

جناب مفضل رضی اللہ عنہ نے حضرت کثاف المقاتل امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تحریر عرض کیا کہ
یہاں ایک ایسی جماعت ہے جو دین کا مقصد بے جا سمجھتی ہے یعنی دین سے مراد اشخاص ہیں جس نے
ان اشخاص کو پہچان لیا اُس نے دین حاصل کر لیا۔ اسی طرح یہ جماعت سمجھتی ہے کہ نماز و روزہ، زکوٰۃ و حج و
عرہ، مسجد الحرام و بیت اللہ، شہر الحرام و شہر الحرام وغیرہ بھی اشخاص ہیں۔ جب ان بزرگ اشخاص کی معرفت
حاصل ہو جائے تو روزہ و نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ جماعت سمجھتی
ہے کہ شراب و قمار، سود و غم خیز بار بار میتہ وغیرہ فراحت بھی اشخاص ہیں۔ جب ان اشخاص سے نفرت و
بیزاری کر لی جائے تو ان چیزوں سے اجتناب و پرہیز کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا: اے مفضل اس جماعت نے جو کچھ سنا تھا اس کو سمجھا نہیں ہے بلکہ

اپنے تپاس سے تحریر کر دی ہے۔ اصل حقیقت کو تبدیل کر دیا ہے۔

اے مفصل یہ بالکل صحیح و درست ہے کہ دین "بھی رجل ہے یعنی شخص ہے۔ اور نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ بھی رجل ہیں۔ اسی طرح شراب و قمار، لحم خنزیر و میتہ بھی رجل یعنی شخص ہیں۔

میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔ بالتحقیق دین یعنی اصل دین رجل ہی ہے۔ اور یہ رجل ہی ایمان ہے۔ اور یہی امام امت ہے۔ یہی کہجو کہ امام ہی اپنے اہل زمانہ کے لئے دین ہے۔ جس نے امام زمانہ کی معرفت حاصل کر لی۔ اُس نے خدا اور اُس کے دین کی معرفت حاصل کر لی جس شخص نے امام کا انکار کیا اُس نے خدا اور اُس کے دین کا انکار کیا۔ جو شخص معرفت امام سے جاہل رہا۔ باوجود خدا اور اُس کی معرفت سے جاہل رہا۔

بغیر امام نہ خدا کی معرفت حاصل کر سکتی ہے۔ دین خدا کی۔ نہ حدود دین کی نہ اس کے شرائط کی۔ یہی مطلب ہے اس عبارت کا کہ "دین خدا" رجل ہے یعنی مرد ہے یعنی شخص ہے۔ اے مفصل میں تمہیں دوسرے لفظوں میں یہی سمجھاتا ہوں۔

اگر میں یہ کہوں کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، بیت اللہ الحرام، مشر حرام وغیرہ دراصل ہمارے نبی ہیں جو خدا کی جانب سے ان فرائض کو لائے ہیں تو میں اس قول میں صادق ہوں گا کیونکہ یہ تمام فرائض صرف نبی ہی کے ذریعہ پہنچائے گئے ہیں۔ اگر نبی کی معرفت نہ ہوتی۔ ان پر ایمان نہ ہوتا۔ ان کی فرائض پر تسلیم نہ کیا جاتا تو ان فرائض کی معرفت ہرگز نہ ہوتی۔ لہذا یہ تمام فرائض "نبی" ہیں یعنی حقیقت ان کی اصل "نبی" ہی ہیں۔ اور یہ فرائض ان کی فرع ہیں۔ نبی ہی نے ان کی طرف دعوت دی۔ رہنمائی کی۔ معرفت کرائی اور ان کی تعمیل کا حکم دیا اور ہر امر میں تعمیل کو واجب اور اطاعت کو فرض کر دانا۔

لہذا میرے لئے نبی سے جہالت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ میرے اندر میرے خدا کے درمیان صرف یہی نبی ہیں۔ پھر کیوں اس مرد کی معرفت ہی فرائض نہ کر دے کہ معرفت نہ ہو جب کہ یہی مرد وہ ہے جو خدا کی جانب سے فرائض لے کر آیا ہے۔ لہذا اس کا انکار دین کا انکار ہے۔ کیونکہ ظنہ عالم نے خدا اس بات کو پسند کیا ہے کہ اُس کی معرفت رجال رہی کہ ذریعہ کی جائے اور اس کی اطاعت بھی ان کی اطاعت کے ذریعہ کی جائے۔

اسی لئے ان کو "سبیل اللہ" اور "وجہ اللہ" قرار دیا ہے۔ جن کے ذریعہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوا جاتا ہے۔ ان کے بغیر بندوں کا کوئی عمل بھی خدا قبول نہیں کرے گا۔ خدا جو کچھ کرے اُس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ ہاں بندوں سے باز پرس کی جائے گی۔

خداوند عالم نے اپنے اس رجلِ دینی اُسے اپنی محبت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے: مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ

فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهُ" جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا پس یقیناً اُس نے خدا کی اطاعت کر لی۔
لہذا جو شخص بارے میں کہہ دے کہ مجھے جیسے ہے اگر میں کہے کہ یہ کل فرائض درحقیقت "رجل" ہیں۔ تو وہ صادق القول ہے کیونکہ فرائض کی اصل "رجل" ہے۔ اسدہ اس کی فرع ہیں۔
لیکن اگر اس "رجل" کی اطاعت ترک کر دے اور پھر یہ کہے کہ اس "رجل" کی معرفت ہی کافی ہے۔ فرائض ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ایسا شخص کاذب ہے۔ کیونکہ فروع کو چھوڑ کر اصل سے تسک کرنا کافی نہیں ہو سکتا۔

جس طرح ایک شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتا ہے مگر محمد و رسول اللہ کو ترک کر دیتا ہے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی طرح نبی کی معرفت حاصل کر لینا اس کے بیان کردہ فرائض کو ترک کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ اصل کے ساتھ فرع کا تسلیم کرنا ہر حال ضروری ہے۔
اسے مفصل! ہر ایک شیئی خدا کی طرف سے نیکی اُردھل اور محاسن اخلاق کے حدود کے رد عمل کرنے کے لئے آیا ہے اور اسی طرح فواحش و اخلاقیات کے حدود کے رد عمل کے لئے آیا ہے۔

مذاہب عالم نے کسی نبی کو اپنی معرفت کی دعوت دینے کے لئے ہرگز اس حالت میں نہیں بھیجا ہے کہ نبی کے اور نبی میں اس کی اطاعت بنمود پر واجب نہ کی جو اسی لئے کسی کا عمل اُس وقت تک دنگا و فساد ہی میں قبل نہیں ہوگا جب تک کہ فرعینہ عمل لانے والے کی معرفت اس کے اور نبی میں اس کی اطاعت فرض نہ ہو وہ خدا کی طرف سے یہ فرائض لے کر آیا ہے اور ان پر عمل کرنے کی دعوت خدا ہی کی طرف سے دیتا ہے۔

لہذا آؤ آئی نبی کی معرفت واجب ہے۔ اور اس کے بعد ان تمام فرائض میں اس کی اطاعت واجب ہے جن کے ذریعہ وہ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔

لہذا "دین" درحقیقت یہی نبی ہے اور جو فرائض لایا ہے اُس کی اصل بھی درحقیقت یہی نبی ہے۔ یہی نماز ہے یہی روزہ ہے۔ یہی حج ہے۔ یہی مشور الحرام ہے۔ یہی بیت اللہ اطرام ہے۔ کیونکہ ان سب کی اصل یہی ہے اسدہ سب اس کی فرع ہیں۔ پس "دین" ظاہری طور پر یہی فرائض ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ سب فروع ہیں۔ ان کی اصل نبی اور امام ہیں۔ جن کے ذریعہ ان فروع کا نظیر ہوتا ہے۔ درحقیقت "دین" باطنی طور پر نبی و امام ہیں۔

لہذا ظاہر پر عمل کرنا بغیر باطن کے اور باطن پر عمل کرنا بغیر ظاہر کے کافی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو تسلیم کرنا واجب ہے۔

اسی طرح فواحش و قباخ مثل شراب و قمار و میہ و علم خنزیر سے باطنی طہ پر بجاۃً یعنی اشخاص مراد ہیں جبکہ ظاہری طہ پر حرام اشیاء مراد ہیں۔ کیونکہ جن سے یہ فواحش صادر ہوئے باطنی طہ پر وہ لوگ ہی ہیں۔ دوسری لوگ فواحش کی اصل ہیں۔ اور یہ فواحش جو ان کے ذریعہ ظاہر ہوئے ان کی فرج ہیں۔

لہذا باطنی طہ پر زینت و فخر شراب و قمار وغیرہ وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ انبیاء و ادویاد ہیں جن سے نفرت واجب ہے۔ اور تفسیر ظاہر کی بنا پر فواحش و قباخ سے حرام اشیاء مراد ہیں ان کا ارتکاب حرام ہے۔ لہذا ہر نیکی باطن میں نبی و امام ہیں۔ اور ہر بدی باطن میں دشمنانِ نبی و امام ہیں۔

حصول معرفت خدا میں معصومین علیہم السلام سے استغناء ممکن نہیں

حاضر کے تالیفوں نے چند سال سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام سے معرفت کرنے کی ہم جاری کر رکھی ہے اور مختلف انداز میں اپنے مقصد کو نہایت ہوشیاری سے پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ توحید باری عز و اس کے ضمن میں تصور وجود نہ انوکھ طریق و بہتین ثابت کرتے ہوئے کلام آمد معصومین علیہم السلام نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیے۔ کسی غیر کو معرفت خدا کا ذریعہ بنانا معرفت کی سبب منزل اور اقرار توحید کا گھٹیا درجہ ہے۔ نہایت ہوشیاری سے معصومین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے ان ذوات مقدسہ سے انحراف کی ہم چلائی ہے تاکہ ان حضرات کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکے۔ حالانکہ خدا کے ذریعہ خدا کی معرفت کا درجہ بلند صرف انہی کی ذوات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں۔

جناب سیلان فارسی اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم ان ذوات مقدسہ کے مراتب کی معرفت ذکر کے۔ اپنی عاجزی کا اعتراف کر کے وفات پا گئے جن سے معرفت میں کوئی کیا سبقت لے جاسکتا ہے۔ عزاد شامین اور مومنین کا لین تو یہی تھے۔ مگر ان بزرگوں نے بھی خدا کو ان ذوات مقدسہ ہی کے ذریعہ پہچانا۔ پھر کون سے عزاد شامین ہیں جن کو تہذیب محمد و آل محمد علیہم السلام کا مرتبہ دیا جاسکتا ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے اپنے ارشادات و ادعیہ میں خدا ہی کے ذریعہ معرفت کا طریقہ اپنے ہی ذوات عالیہ کے ساتھ مختص فرمایا ہے جس میں کوئی فرد بشر یا فرد ملک سیم و مشرک یہ نہیں ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے اپنی معرفت کو خدا ہی کا عطیہ قرار دیا ہے اور دیگر مخلوق سے اپنے استثناء کا اظہار فرمایا ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر فرمائی ہے کہ ہم دوسرے مخلوقات کی طرح حصول معرفت خدا میں غیر خدا کے محتاج نہیں ہیں۔

کیونکہ ہماری تخلیق میں خَلْقِی عالم نے اپنی معرفت خود رویت فرمادی ہے۔ اُدر میں تمام کائنات کا معلم قرار دیا ہے۔ ہمارے بیز خدا کی معرفت ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔
لولا اللہ ما عرفنا ولولا نحن ما عرف اللہ۔

اگر خدا نہ ہوتا تو ہم نہ پہچانے جاتے اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا۔
یعنی ہماری معرفتی کرانے والا خدا ہے جس نے ہمیں اقتدار و کمالات عطا فرما کر کائنات کو ہمارے سامنے سرنگوں کر دیا۔

لہذا ہماری معرفت کا سبب صرف خدا ہے اُدر بس، ہم اس کی مخلوق آدِل ہیں۔ ہماری تخلیق میں خود قادرِ مطلق نے اپنی معرفت و رویت فرما کر تمام کائنات کے لئے ہمیں سبب معرفت قرار دیا ہے۔ ہم ہی معلمِ ملکوت اور معلمِ ناست ہیں۔ تمام عالمین کے لئے ہم ہی مبدا و معرفت ہیں۔ بلکہ ہماری تخلیق کی غرض و غایت ہی قادرِ مطلق کی معرفت ہے۔ چنانچہ عقائد شیخ صدوقؒ میں بھی ان حضرات کو عالمِ ابداح میں معلمِ انبیاء و تحریر کیا گیا۔ بتے تالیفوں نے کس چالاک سے اپنی کتاب کے ایک باب کی سرخی حرام کو گمراہ کرنے کے لئے خوش آئند طریقہ پر یہ تحریر کی ہے۔ استدلال یہ و قد خدا بطریق عرفائے شامخین اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ماتحت و جُود خدا ثابت کیا جائے گا۔ جس میں عرفائے شامخین کا طریقہ استدلال پر اسے اثبات و جود خدا پیش کیا جائے گا۔ مگر لکھایا گیا ہے کہ معرفت خدا کے لئے غیر خدا کو وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اُدرِ مصدقین علیہم السلام کو وسیلہ معرفت قرار دینا مسک عرفائے شامخین کے خلاف ہے۔
ملاحظہ فرمائیے ان کی عبارت

”حضرت المم زین العابدین علیہ السلام دُعائے ابو حمزہ ثمالی میں تحریر فرماتے ہیں۔
الہی بک عرفتنا وانت دلتنی علیک ولولا انت لہا دس ما انت
اسے میرے مہربان تو نے ہی اپنی معرفت کے متعلق میری رہبری فرمائی۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں یہ کبھی نہ سکتا
کہ تو کون ہے (حسن الغزالی ص ۵۸)“

اسی طرح حضرت امیر المومنین کے بعض فقرات دُعائے صباح کو اسی عنوان کے ماتحت تحریر کیا ہے
ملاحظہ فرمائیے ان کی عبارت۔

”حضرات ائمہ ظاہرین چاہتے تھے کہ تہذیبی اپنے مرادین بانیوں کو عرفان کن ان آخری مقامات
عالیہ کی سیرک راہیں جن پر وہ خدا فائز الرام تھے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خدا کے قدوس کی معرفت
خدا ہی کے ذریعہ کرتے ہیں اور جہاں اس کے کہ وہ مخلوقات کو خالق کا معرفت ابد ال معرفت بنائیں۔“

اس کے برعکس وہ مخلوق کو خالق کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اور اسی طریقہ کار کی کاٹلین کو تعلیم بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ سید المریدین حضرت امیر المؤمنینؑ دعائے صباح میں خداوند عالم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا من دل علی ذاتہ بذاتہ اسے بزرگ و بزرگوار اپنی ذات پر خود ہی ولایت کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں امام الثقلین امام حسینؑ کا دعائے عرفہ والا کلام حق ترجمان پہلے پیش کیا جا چکا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کَیْفَ یَسْتَدِلُّ بِمَا هُوَ فِیْ وَجُوْدِهِ مُعْتَقِرُ الِیْکَ الْحُجَّۃُ... بار البان جنیدوں سے تہریستی پر کیونکر استدلال کیا جاسکتا ہے جو اپنی ہستی میں خود تیری محتاج ہیں۔ (احسن الفوائد ص ۷۷)

عبارت مذکورہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیے تو معرفت کی باطنی خواہش کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور دم بہ رنگ زمین کے ذریعہ مومنین کے اندراج ایمان کو کشاکش کرنے کا اندوہی جذبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضرات معصومین علیہم السلام کے کلام سے کس ہر شیاری کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معرفت تو حید کے لئے کسی غیر خدا کو آلود معرفت قرار دینا عارفین کے معیار سے بہت درجہ ہے۔ کس چالاک سے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچاننے کا طریقہ صرف عرفائے شامخین کا معیار بتایا گیا ہے۔ یعنی معصومین علیہم السلام کو جو خود مخلوق خدا ہیں ذریعہ معرفت قرار دینا گویا ان بزرگواروں کی تعلیم کے بھی خلاف بتایا گیا ہے۔ اور عارفین کا ٹلین کے طریقہ کار کے جس منافی۔ مقصد یہ ہے کہ ان کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ خدا کو خدا سے پہچانا جائے۔ تاکہ بتدیج محمدؐ آل محمدؑ کا مقام حاصل ہو جائے جس پر وہ فائز ہیں۔

ہم اس عبارت کا تجزیہ کر کے کلام معصومین علیہم السلام کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں تاکہ شیرینی میں لپیٹ کر جزیہ نہ دیا گیا ہے۔ اس کا ظاہر و باطن جدا ہو جائے۔ اور مومنین کرام اس ہم کاشکار نہ ہو سکیں۔

توحید باری عز اسمہ کے باب میں تفکر کی دو حیثیتیں

حضرات اقدس الہی کے باب میں ایک حیثیت تدبیر و تفکر یہ ہے کہ اس کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اپنے اسوا سے ممتاز ثابت ہو۔ پہلی حیثیت یعنی ”وجود خدا کا اثبات“ جدا گانہ مستقل موضوع ہے۔ اس کے لئے دلائل بھی جدا گانہ ہیں۔ دوسری حیثیت ”یعنی وجود خدا تسلیم کر لینے کے بعد اس کے امتیازات سے بحث کی جائے۔ اور مختصات خدا کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کی جائے۔“

پہلی حیثیت مختلف فیہ ہے۔ یعنی وجود خدا کا اثبات بدیہی ہے یا نظری۔ اس سلسلہ میں حکائے اسلام

کا نظریہ یہ ہے کہ وجود خدا کا تصور فطری و بدیہی ہے مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے صریح نظر کرتے ہیں۔

دوسرا نظریہ متکلمین کا ہے وہ وجود خدا کو فطری قرار دیتے ہیں۔ اور وجود خدا کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں مگر اس قدر وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ادنیٰ توجہ سے اس کا وجود ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم ان کے پیش کردہ دلائل سے بھی غرض اصر کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا موضوع بحث جدا گانہ ہے۔ مذکورہ بالا دو نظریے وجود خدا کے بارے میں ہیں جن کو ہم نے پہلی حیثیت کے عنوان میں تحریر کیا ہے۔

دوسری حیثیت یعنی بعد تسلیم وجود خدا اس کے امتیاز کے متعلق بحث و تحقیق کے ذریعہ معرفت حاصل کرنا۔ یہ حیثیت بالتحقیق فطری ہے جو بغیر دلائل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہی حیثیت مذاہب مختلفہ اسلامیہ میں بحث و نظر کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ اس حیثیت کا تعلق جدا گانہ موضوع سے ہے۔

وجود خدا کا اثبات بدیہی ہو یا فطری اور ان کے تفویضات کچھ بھی ہوں ہم اس اختلاف میں دخل اندازی کے بغیر قرآن مجید کی صریح ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْمُطَلَّاتِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَع النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْبَتَ بِهِ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَنَتْ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسْتَخْرِجِينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔
(سورہ بقرہ پ ۲ ص ۶۴)

بے شک آسمان و زمین کی پیدائش اور شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے جانے اور کشتیوں میں جو سمندریں لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو لئے ہوئے چلتی پھرتی ہیں اور اس پانی میں جسے خدا نے آسمان سے نازل کیا۔ جس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اور ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانداروں کو اس میں پھیلایا اور ہواؤں کے چلانے میں اور ان بادلوں میں جو مابین آسمان و زمین فرما رہے ہیں۔ کچھنے والوں کے لئے یعنی طور پر نشانیاں ہیں جن سے موجد کا وجود ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ آیت فطری طور پر تبذیر ہے اہل فہم کے لئے کہ وہ ذرا سی توجہ سے وجود خدا کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح سید الوحید بن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وجود خدا کی طرف توجہ دلائی ہے۔ البعرة تدل علی البعير والروثة تدل علی الحمير و آثار القدم تدل علی المسير فھیکل علوی یہ معذۃ اللغات ومرتز سفلی ہمدہ الکشافۃ کیف لا یدلان علی اللطیف الخیر؟

میگنی اونٹ پر لیدہ گدھے پر نشانات قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں تو کیا آسمان مابند اپنی اس لطافت سمیت اور زمین پست اپنی اس کثافت سمیت ایک موجد لطیف و خیر پر دلالت نہیں کرتے۔
 کلام جناب اشیر بھی فطری طور پر ایک بنیہ ہے کہ معلول بنی علت، مصنوع بغیر صانع اثر بغیر موثر نہیں ہو سکتا۔ لہذا کوئی موجد ضرور ہے۔ اسی طرح امام رضا علیہ السلام نے دربار مامون میں جو توحید سی خطبہ ارشاد فرمایا اس میں بھی یہ فقرہ موجود ہے۔ بسم الله يستدل علیہ یعنی اس کے مصنوعات و مخلوقات ہی کے ذریعہ اس کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے لئے یہ استدلال کیونکر درست ہو گا جبکہ یہ حضرات مخلوقی اول ہیں۔ اور ان کے موجد کوئی مصنوع و مخلوق داثہ نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ وجود خالق و صانع و موثر پر استدلال کیا جاسکے۔

لہذا قبری طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان ذوات خالیکہ کے لئے خود ذات باری ہی ذریعہ معرفت ہے یعنی خود اس نے ان کے ذوات مقدسہ میں تخلیقی طور پر اپنی معرفت و ولایت فرمادی ہے۔ لہذا ان ہی بزرگواروں کو حق حاصل ہے کہ درگاہ احدیت میں عرض کریں۔ یا من دل علی ذاتہ بذاتہ۔ اے وہ ذات کہ تو نے ہی اپنی ذات کی معرفت خود اپنی ذات کے ذریعہ کرائی ہے دیگر مخلوقات بلکہ ملائکہ مقربین بھی اس مقام بلند معرفت سے محروم ہیں کیونکہ انہوں نے وقت تخلیق ان ہی ذوات مقدسہ کے ذریعہ معرفت خدا حاصل کی ہے۔ یہ حضرات تسبیح و عبادت میں مشغول تھے۔ ملائکہ نے ان ہی بتیوں سے طریق تسبیح و تہلیل اور تہمید و بحمید حاصل کیا۔ وہ ان کے تعلیم دینے سے پہلے حقیقت حمد ثنا سے واقف نہ تھے۔ یہاں کہ حدیث میں لا یدرون ما التسمیہ واروہے۔ یعنی فرشتے نہیں جانتے تھے کہ تسبیح کیا ہے۔

ہمارے ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ تمام کائنات عالم کو برہان اتی یعنی معلول سے علت کو کھنچا صحیح درست ہے۔ مگر ان ذوات مقدسہ کے لئے عقلاً محال ہے کیونکہ یہ حضرات مخلوق اول ہیں۔ لہذا خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ صرف ان ہی حضرات کے لئے مختص ہے جو تخلیقی طور پر ان ذوات مقدسہ کو حاصل ہوئی ہے اس میں نہ ان کا کوئی ہیسم و شریک ہے اور نہ یہ درجہ کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

مؤمنین بالٹکلیف ہوں یا عارفین شامعین یا ملائکہ مقربین انہیں اس مرتبہ معرفت کی تعلیم دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تصور پہلی حیثیت، یعنی ثبوت خدا سے متعلق تھا۔ اب ہم دوسری حیثیت کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ امر عند العقلا مسلم ہے کہ خالق عالم کی معرفت بالکلیہ محال ہے کسی مخلوق کے لئے یہ معرفت ممکن ہی نہیں خواہ وہ مخلوق اول ہو یا مابعد ہو۔ کوئی بھی اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ اس کی کہ ذات عقل و

انہام کے لوداک سے ارفع و اعلیٰ ہے جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے خطبات میں بالصرحت ارشاد فرمایا ہے۔ لاینالہ بعدا لہم محمد و لاینالہ غوص العطن۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کلمبا بعد تمویہ فی ادق معانیہ فهو مخلوق لکھم و جدد الیکھم۔ بلکہ تمام مصدقین علیہم السلام نے اپنے اپنے مقام پر نہایت حکم و متقن دلائل سے کھمایا ہے کہ اس کی کتبہ فات کا اوداک محال ہے۔

جب معرفت کتبہ ذات عطا محال ہے تو معرفت خدا کا ذریعہ صرف آثار ہی ہو سکتے ہیں جن میں غور و خوض و تفکر و تدبیر سے معرفت خدا حاصل ہو سکتی ہے لیکن تمام کائنات میں اس کے آثار کا پہلا اثر مخلوقِ اولیٰ ہی ہو گا۔ اس کے بعد دیگر مخلوقات آثار قرار پائیں گے۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ مخلوقات میں تدبیر کی نوعیتیں حسب اہلیت جدا جدا ہیں جس کا نتیجہ جدا جدا آثار ہو گا۔ یعنی اس کی مخلوقات میں اس کی حکمتوں کا اندازہ ہر شخص اپنی عقل کے مطابق کرے گا۔ اس لئے اندازوں میں یقینی اختلاف ہو گا جو سبب اختلاف امتیازات ہو گا۔ لہذا اس صحیح اندازہ کے لئے جس کے ذریعہ ذاتِ احدیت کو اساس سے ممتاز قرار دینا ہے کسی صحیح معیار کی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ اندازوں کی غلطیوں کا اسکان متقاضی ہے کہ خدا کی معرفت صحیح کے لئے کوئی محکم معیار ہو تاکہ ہر شخص کو ایک دوسرے کے تصور پر توجہ کر غلط سمجھ کر کفر و شرک کے فتوے کا حق حاصل نہ ہو ورنہ معرفت خدا کے بجائے کفر و شرک کی بیہات ہو جائے گی۔ اور ہر شخص اپنے اپنے نظریہ کو حق اور دوسروں کے نظریہ کو باطل قرار دے گا۔ لہذا بقاعدہ لطف واجب ہے کہ تصور توحید کا کوئی معیار موجود ہو۔ اور ایسا معیار نہیں ہو سکتا۔ مگر اکل الموجودات و افضل المخلوقات کیونکہ مخلوقات ہی میں غور و فکر کے ذریعہ اقیانانات و خصوصیات خدا قائم کئے جانے ضروری ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ اپنے اساس سے ممتاز ثابت ہو۔ لہذا اکل طریقہ عقلی ہی ہو سکتا ہے کہ تمام مخلوقات میں جو اکل ہو اسی کے مصالح و حکم میں غور و خوض کر کے معرفت خدا حاصل کی جائے اور اسی کو ذریعہ معرفت قرار دیا جائے۔ اور وہ نہیں ہے مگر خلقِ اول۔

لہذا حضرات معصومین ہی کے ذریعہ صحیح امتیازات و معونات خدا حاصل کئے جائیں تاکہ کوئی کم علم ان آثار و افعال کو ناقص بالذات خدا نہ سمجھے جو اس کی مخلوق میں اسی کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان لوازمِ مقدسین میں تمام وہ کمالات موجود ہیں جو ممکن الوجود میں عقلاً ممکن ہو سکتے ہیں لہذا یہ حضرات تمام ممکنات و کمالات میں ہر امکانی کمال اور ہر امکانی اقتدار میں سب سے زیادہ افضل ہوں گے جس قدر فضل و کمال ادا اقتدار و اختیار ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ ان ہی حضرات پر منتہی ہو گا جس میں غور و فکر کرنے سے خدائی حکمتیں اور انہی حکمتیں باحسن و جمہ حاصل ہوں گی کیونکہ جب ان خاصانِ خدا کے تبارک کمال اور مراتب اعتبار پر توجہ کی جائے گی اس

و جمہ کمال اعلیٰ و اقتدار ارفع ان ہندسوں کو بارگاہ احدیت میں سجدہ ریز اور تضرع و تضرع و تضرع اور انہماک و مجتہد و فکر کرتے ہوئے دیکھا جائے گا تو ان کے معبود حقیقی و مولائے تحقیق کی شان کے کھنچنے میں تحیر و استعجاب پیدا ہوگا۔ جس کی عبودیت کا یہ انہماک کر رہے ہیں۔ پس یہی تحیر مقام معرفت قرار پائے گا جس قدر اس میں اضافہ ہوگا۔ اتنا ہی ورجہ معرفت بلند ہوتا جائے گا۔ لہذا یہی ذرا بت مقدمہ معرفت خدا کا باب مفترح ہوں گے۔ ان ہی کی معرفت کے ذریعہ بتدریج مرئیں باتمکین اور عرفائے شائغین حسب استعداد و قابلیت فائز المرام ہوں گے۔ لہذا معرفت خدا کا آرمعنی مخلوق ہی کو بنانا پڑے گا یہی طریقہ کار کا ملین کی ترقی کا خاص ہوگا۔ ورنہ درہر طلق گراہیت۔

جس طریقہ کار کی مستقر بنی نے ہم چلائی ہے۔ وہ غلط و باطل اور محال و ناممکن ہے۔ لہذا کسی صورت میں بھی حضرات معصومین علیہم السلام سے انحراف ممکن نہیں ہے۔ اگر معرفت صحیحہ حاصل کرنا مطلوب ہو تو ان ہی کے در پر ناجیبہ سائی گزرا و واجب و لازم ہو گا۔

ادعیہ معرفت مصدقین کی تشریح

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا حکیمانہ کلام و اساتذہ الضمام مفسرین کے فہم و ادراک سے بلند ہے۔ حضرت نے ”یَا سَمِیْعُ فَتَشْکُ“ فرما کر اثبات و مجرد خدا ظاہر نہیں کیا ہے۔ بلکہ معرفت خدا کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنے جد امجد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام میاں دلت علی ذاتہ بذاتہ کی توضیح فرمادی ہے۔ یعنی میں تیری معرفت میں تیرے غمیدہ کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ تو نے میری خلقت میں اپنی معرفت پیدا کر دی ہے۔

اس کے بعد آخری فقرہ "لہذا درممانت" بھی اس مقصد کے لئے دلیل قطعی ہے کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ اگر تو میرے لئے اپنی ذات پر دلالت کرنے والا نہ ہوتا تو میں تجھے نہ پہچان سکتا کہ تو کس شان کا ہے۔

اس لفظ "ما انت" نے بالکل واضح کر دیا کہ شان خدا کی معرفت کا ذکر ہے۔ نہ کہ وجود و اثبات خدا کا جو بدیہی ہے۔ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ تیرا وجود تو ہر مائل تسلیم کرتا ہے۔ مگر تیری شان مخفی ہے جس کی معرفت تو نے خود کرائی ہے۔ اگر تو خود معرفی نہ کرتا تو میں تیری شان کو نہ سمجھ سکتا۔ مفسرین کی سمجھ میں لفظ ما نہیں آیا اس لئے گراہ ہو گئے۔

حضرت نے جس حصول معرفت کا اظہار فرمایا ہے اُس سے مراد معرفت کہنہ ذات تو ہو نہیں

ہو سکتی کیونکہ وہ عطا مال ہے۔ لہذا معرفت شان باری تعالیٰ ہی مراد ہے جس کے مراتب کو یا وہ خود جانتا ہے یا جن کو معرفت کرائی ہے وہ جانتے ہیں۔

لہذا مقتصرین کا ان ادعیہ کو استدلال پر مجرد خدا کے زیر عنوان تحریر کرنا قطعاً باطل ہے۔ اور حضرات معصومین علیہم السلام سے رد گردانی کرانے کی مہم کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق معرفت خدا سے ہے نہ کہ مجرد خدا سے۔

مرا یا بن اہل بیت طاہرین علیہم السلام اپنے توجہات کو ذات مقدسہ معصومین علیہم السلام کے اتنا بروکمال ہی کی طرف مرکوز رکھیں اور ان ہی کے ذریعہ معرفت خدا میں حد تجرید حاصل کریں یہی حقیقی معرفت ہے۔ اور اس سے اعلیٰ مرتبہ ممکن نہیں ہے۔ جو ان حضرات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ اخراجات کی صورت میں ان ذرات مقدسہ کی حد بندیاں کرتے کرتے خدا کی حد بندیاں پاتا آئیں گے اسی لئے حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے من عرفنا فقد عرفنا الله ومن جہلنا فقد جہل الله جس نے ہمیں پہچان لیا اس نے یقیناً خدا کو پہچان لیا۔ اور جو چارے باب میں جاہل براہ یقیناً خدا کے باب میں جاہل ہوا۔ "اعادنا الله من هفوات القالین" اس کے بعد مقتصرین نے ایک حدیث تشابہ نقل کر کے جرم ابتغاء فتنہ کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ حسب ارشاد معصومین علیہم السلام قرآن مجید کی طرح ان حضرات کے احادیث میں بھی تشابہات ہیں۔ حدیث تشابہ کو بھی ناقص طور پر نقل کیا ہے۔ اس کے آخری اہم کلمات کو حذف کر دیا ہے۔ جس سے اپنی مہم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ پہلے ہم کتاب "احسن الفوائد" سے نقل کرتے ہیں پھر محدثون فقرات کی نشاندہی کریں گے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ حضرات اپنے تمام نام لیواؤں کو اسی مرتبہ عظمیٰ تک لے جانے کے متمنی نظر آتے ہیں حضرات امیر المؤمنین کا یہ ارشاد اصول کافی میں موجود ہے۔ فرمایا اعرضوا الله بآل الله والرسول بالرسالة واولی الامر بالمعروف۔ اللہ سبحانہ کو خود اللہ سے اور رسول کو رسالت سے اور اولی الامر کو امر بالمعروف سے پہچانو (احسن الفوائد ص ۵۱)"

مولف کتاب نے پہلے تو صرف عرفائے شائخین اور مومنین کا ملین ہی کے لئے خدا کو خدا ہی پہچانو کا مرتبہ عالیہ معرفت مخصوص فرمایا تھا مگر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے تمام نام لیواؤں کو اسی مرتبہ عظمیٰ تک لے جانے کے متمنی نظر آتے ہیں یعنی صرف کا ملین و شائخین ہی آل محمد کو نظر انداز کر کے خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتے بلکہ تمام نام لیوا خواہ خاص ہو یا

عام سب ہی اہل بیت سے قطع تعلق کر لیں۔ اور خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچانیں تاکہ محمد آل محمد کا مرتبہ
عظمیٰ حاصل ہو جائے۔ اور تمام نام میرا خود ہی محمد آل محمد بن جائیں۔ اعاذنا اللہ من الناصبین۔
اب ہم مکمل حدیث اور عبارت اصول کافی جلد اول ص ۱۷ طبع طبران سے نقل کرتے ہیں۔

عن ابی عبد اللہ قال قال امیر المومنین اعر فواللہ والرسول
بالرسالة وادلی الامر بالامر بالمعروف والعادل والاحسان ومعنی
قوله اعر فواللہ باللہ یعنی ان اللہ خلق الاشخاص والانوار والجواهر
والاعیان فالاعیان الابدان والجواهر الارواح وهو جل وعز لا یشبه
جسما ولا روحا وليس لاحد فی خلق الروح الحساس الدراک امر ولا
سبب هو المترفد بخلق الارواح والاجسام فاذا نفی عنه الشبهین شبه
الابدان وشبه الارواح فقد عرف اللہ باللہ ولذا اشبه بالروح اوالبدن
او النور فلم يعرف اللہ باللہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جہاد علی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی
حدیث بیان فرمائی ہے کہ اللہ کو اللہ سے پہچاننا اور رسول کو رسالت سے امداد اور الامر کو امر
بالمعروف والامر بالعدل و امر باحسان سے پہچاننا۔

جناب شیخ کلینیؒ اس کی شرح میں رقمطراز ہیں "اعرفوا اللہ باللہ" کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ
نے اشخاص اور جہاں اور اعیان کو پیدا کیا۔ اعیان سے مراد ابدان اور جہاں سے مراد ارواح ہیں واللہ تعالیٰ
زکسی جسم سے مشابہ ہے۔ اور نہ کسی درج سے۔ اور روح حساس و تداک کے خلق کرنے میں کسی کا کوئی تعلق
و فعل نہیں ہے۔ بلکہ وہ خود ہی خلق روح جسم میں متفرق ہے۔ لہذا جس وقت اس کی ذات سے دونوں
مشابہت یعنی مشابہت روح اور مشابہت بدن کی کوئی شخص نفی کرے گا تو اس نے خدا کو خدا سے پہچان
لیا۔ اور جس وقت روح یا بدن یا نور سے مشابہت دے گا تو اس نے اللہ کو اللہ سے نہیں پہچانا۔
جناب علامہ کاشانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب دانی میں شیخ کلینی کی شرح درج فرما کر تبصرہ فرمایا ہے
"شیخ کلینی کی شرح میں اجمال و ابہام ہے حدیث مذکور کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی شرح درج فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ:-
"ہم نے خدا کو خدا ہی سے پہچانا ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے عقول کے ذریعہ پہچانا تو یہ عقول ہی اس
عطا فرمودہ ہیں۔ اور اگر انبیاء و رسول اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ذریعہ معرفت حاصل کی تو یہ حضرات

بھی اُس کے بنائے ہوئے اور اُس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم نے اپنے نفوس کے ذریعہ معرفت حاصل کی تو یہ نفوس بھی اُن کے پیدا کردہ ہیں۔

پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچانا ہے۔

جیسا کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا۔

لوکا الله ما عرفنا دلو لا نحن ماء ب الله۔

اگر خدا نہ ہوتا تو ہماری معرفت نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہوتی۔

اس شرح پر جناب علامہ کاشانی نے یہ تبصرہ فرمایا ہے۔

شیخ صدوقؒ کے بیان مذکور سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ طریقی معرفت خدا بس یہی ہے کہ خدا کو خدا

کے ذریعہ پہچانا جائے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ طرق معرفت اس کے علاوہ بھی ہیں

البتہ بہترین طریقی معرفت یہ ہے کہ خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا جائے۔ طریقی معرفت کو مختصر کر دینا

حدیث مذکور کے مفہوم سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اس کے بعد علامہ نے حدیث مذکور کی شرح میں حکماء اسلام کا نقل پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

”خدا کی معرفت مخلوقات کے ذریعہ نہیں بلکہ حقیقت وجود کے ذریعہ ہے کیونکہ وجودیات و ذاتیات جو

لازمی طور پر قائم بالذات ہوگا۔ یا ایسی ذات کی طرف منسوب ہوگا جو قائم بالذات ہے۔ اور وہی خدا

ہے۔ لہذا خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا۔“

جناب علامہ کاشانیؒ نے شرح حکماء پر یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ:-

حکماء نے جو طریقہ استدلال پیش کیا ہے وہ اثبات ذات خدا کی طرف راجع ہے۔ یعنی یہ طریقہ

استدلال اثبات ذات خدا کے لئے ہے نہ کہ معرفت ذات خدا کے لئے۔ کیونکہ اثبات ذاتی اور اثبات

معرفت ذاتی میں فرق ہے۔ اثبات ذات زیر بحث نہیں ہے۔ بلکہ اثبات معرفت خدا مندرج

بحث ہے۔

حالانکہ حکماء کے نزدیک ثبوت ذات خدا فطری و بدیہی ہے۔ جیسا کہ آیات مندرجہ ذیل سے بھی

ثابت ہے ”فطرة الله التي فطر الناس عليها“ یہ خدا کی مقررہ فطرت ہے۔ جس کے

ماتحت الذانوں کو پیدا کیا ہے۔

اسی طرح ”المست بر بكم“ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اسی طرح حضرت خلیل اللہؑ کا

استدلال ستارہ زہرہ اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ذریعہ اسی طرح فرعون کا سوال ”وما ادب

العلمین ” رب العالمین کیا ہے یعنی رب العالمین کو سمجھتا ہے۔ اس کی معرفت چاہتا ہے۔ اسی طرح دیگر آیات سے فطری طور پر ثبوتِ خدا کا اظہار ہوتا ہے مگر لوگ اس کے تعین کا مطالبہ کرتے تھے نہ کہ ثبوت کا کہیں نہ خدا کے وجود میں انہیں قطعاً شک نہ تھا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے: **إِنِّي اللَّهُ شَهِدٌ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ” کیا خدا کے وجود میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے لہذا حدیث مذکور کی شرح جو حکماء نے تحریر کی ہے۔ بے محل ہے۔ کیونکہ ان کے استدلال سے وجودِ خدا ثابت ہوتا ہے نہ کہ معرفتِ خدا۔ اس کے بعد علامہ کاشانیؒ نے حدیث مذکور کی شرح کے متعلق اپنی تحقیق پیش کی ہے کہ:-

ہم خدا کی تائید و نصرت سے معنی حدیث بیان کرتے ہیں۔

اشیاء عالم میں ہر شے کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ماہیت دوسری حقیقت۔

ماہیت شے وہ ہے جس کی وجہ سے۔۔۔۔۔ یہ حیثیت ذات کی طرف توجہ کا سبب

ہوتی ہے۔

حقیقت شئی وہ ہے جو اس شے کا احاطہ کرتی ہے جس کے ذریعہ اس شے کا وجود اور آثار و صفات قائم ہیں۔

اور اسی کے ذریعہ اس میں منفرد موزمی چیزوں کے دفاع کی طاقت اور نفع بخش و پسندیدہ چیزوں کے حصول کی قوت ہوتی ہے۔ یہی اس کی حقیقت کہلاتی ہے جو مابینیت کے علاوہ ہے کیونکہ مابینیت صرف تجربہ ذات کا سبب ہے نہ کہ آثار و صفات کا اور حقیقت شے توجہ آثار و صفات کا سبب ہے لہذا مابینیت کی طرف توجہ کرنے سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ اس کا کوئی موجد ہے۔ اور وہ خدا ہے مگر جب حقیقت کی طرف توجہ کی جائے گی۔ جس کے ذریعہ آثار و صفات اور قوت دفاع و طاقت جلب منفعت ظاہر ہوتی ہے۔ اس صورت میں معرفت خدا حاصل ہوگی۔ یعنی مابینیت سے جو ہر خدا کی دلیل ہے۔ اور حقیقت شے معرفت خدا کا برہان ہے۔ اس توجہ سے ”اعرفوا اللہ باللہ“ کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کو اشیاء عالم کی مابینیت کے بجائے ان کے صفات و آثار کے ذریعہ پہچانو۔ جو حقیقت اشیاء ہے۔ اور ذات خدا کی طرف منسوب ہے۔ یعنی اشیاء عالم کو اس نظر سے نہ دیکھو کہ ان کی مابینیات بذات خود موجود ہیں بلکہ یہ غیر کر کہ ان کا کوئی موجد ہے۔ جس نے ان کو وجود بخشا ہے۔ اگر اس نظر سے خدا کو پہچانا۔ تو قرآن نے خدا کو اشیاء کے ذریعہ پہچانا۔ اور حق معرفت ادا نہیں کیا۔ کیونکہ صرف اس قدر جاننا کہ ہر شے کا وجود کسی موجد کا محتاج ہے۔ اور وہ موجد خدا ہے۔ اس کو اشارات

و محمد خدا کہتے ہیں نہ کہ نبوت معرفت خدا۔

اور اگر اشیائے عالم کو لمبا ظاہر اثرات و تدبیرات مطمح نظر قرار دیا۔ یعنی یہ کس طرح قائم ہیں۔ اور ان پر کس طرح وہ غالب ہے۔ اور ان میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔ اور وہ کس طرح محیط ہے۔ اس حقیقت کو پہچاننا معرفت خدا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے جب تم نظر کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم نے خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ان ہی حکمتوں کی طرف بکثرت آیات میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اور جیسا کہ ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے دریافت کیا۔ آپ نے معرفت خدا کس طرح حاصل کی تو آپ نے فرمایا کہ ارادہ کے فسخ ہو جانے اور ہمتوں کے شکستہ ہو جانے سے کیونکہ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی ایسی بلند ہستی ہے۔ جو میری ہمت اور میرے درمیان مائل ہے۔ اور جس نے میرے عزم کو اپنی تقضا اور قدر سے فسخ کر دیا ہے۔ اسی مدبر کو میں خدا جانتا ہوں۔

اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک قوم نے سوال کیا۔ مولا ہم دعا کرتے ہیں مگر مستجاب نہیں ہوتی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تم اس سے مانگتے ہو جس کو پہچانتے نہیں ہو۔ یعنی خدا تو مانگتے ہو مگر پہچانتے نہیں ہو۔

حدیث مذکور کے دوسرے مجلے "اعرفوا اللہ رسول بالرسالة" کی شرح یہ ہے کہ:-

جب ہم نے تسلیم کر لیا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لئے یقیناً رسول بھیجا ہے۔ تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اس پر نظر کریں کہ وہ اس کا رسول ہے بھی کہ نہیں اس کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ پہلے رسالت کو پہچانیں کہ وہ خدا نے کیا دواحد کا پیغام مُکَمَّم ہے۔ جب دلائل کے ذریعہ رسالت کا صحیح مطلب ذہن نشین ہو جائے گا۔ اور اس کی افادہ حیثیت کا مقام بلند معلوم ہو جائے گا تو اس کے ذریعہ صاحب رسالت کی معرفت حاصل ہو جائے گی کہ وہ کس بلند ہی کا مالک ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے رسول کو رسالت سے پہچانا۔ اسی طرح اولو الامر کو پہچاننے کے لئے پہلے اُم اور عدل و احسان کی حقیقت کو پہچانو اور ان کے حقیقی معنی پر نظر غائر کرو۔ پھر ان کے ذریعہ سے اولو الامر کو پہچانو۔

یہ ہے وہ شرح حدیث جو علامہ کا شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب جلیل القدر "افی میں تحریر فرمائی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مذکور کا مطلب قالیوں نے غلط بیان کیا ہے۔ لوگوں کو اہل بیت سے منحرف کرنا مقصود ہے۔

حضرات علمائے سابقین کے تحقیقات علیہ نہایت بلند و برتر ہیں۔ مگر ان بزرگوں کے بعد باب تحقیق سدود نہیں ہوا۔ بلکہ ہر صاحبِ فہم کے لئے تاں مہر قائم آل محمد علیہم السلام تحقیق و تدقیق

کا دوا دینا کھلا ہے۔ اور معترفینِ حلیم التلاک کے فیوض و برکات جاری ہیں۔ محسوس و اہل بیت
علیہم السلام فیضانِ ہدایت سے اپنے اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ اور ان کے تجلیاتِ انوار
سے قلوب میں جلوہ و ضیا پیدا ہوتی ہے۔
لہذا ہم بھی ان ذلالتِ مقہورہ سے نصرت و مدد کی بھینک مانگ کر کچھ عرض کرنے کی جرات کرتے
ہیں۔ اور اپنی بے بساختی سے شرمسار ہیں۔

حقیقتِ معرفت اور معرفت و معرفت کا بیان

معرفت۔ کسی شے کا ایسا خصوصی تصور جس کی وجہ سے وہ اپنے ماسوا سے ممتاز ہو جائے۔
معرفت۔ جس کے ذریعہ کسی شے کا امتیازی تصور حاصل ہو۔
معرفت۔ جس شے کا امتیازی تصور حاصل ہو۔

یاد رکھنا چاہیے معرفت کا تصور جلی ہوتا ہے۔ اور معرفت کا خفی یعنی جس کی شناخت مطلوب ہو
اُس کا تصور خفی ہوتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ شناخت کی جاتی ہے اُس کا تصور جلی ہوتا ہے۔ اس جلی کے
ذریعہ خفی کو حاصل کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ماسوا سے ممتاز ہو جائے۔ یعنی امر معلوم کے ذریعہ امر غیر معلوم
حاصل کیا جاتا ہے۔

دلالت۔ کسی شے کا اس حالت میں ہونا کہ اس کے علم سے دوسری شے کا علم ہو جائے۔
وال۔ جس کے علم سے دوسری شے کا علم ہو اُس کو دال کہتے ہیں۔
مدلول۔ جس شے کا علم کسی دوسری شے سے حاصل ہو اُس کو مدلول کہتے ہیں۔

اسم۔ وہ شے جس کے ذریعہ کسی شے کا اس طرح تعارف ہو جائے کہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے اس
کو اسم کہتے ہیں۔

مستثنیٰ۔ جس کا تعارف و امتیاز اسم کے ذریعہ ہو اُس کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اسم و مستثنیٰ اور مدلول و معرفت و معرفت متفق المقصد ہونے کی وجہ سے
ایک دوسرے کے بجائے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اسم کو دال بھی کہتے ہیں۔ اور معرفت بھی
اور مستثنیٰ کو مدلول بھی کہتے ہیں۔ اور معرفت بھی۔

تعریفیات مذکورہ کے بعد ہم ذریعہ مثال ان کے معانی کو سمجھاتے ہیں تاکہ اہل مقصد جلد ذہن نشین
ہو جائے۔

اسم :- اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سنی کو اس کے اساس سے ممتاز کرایا جائے۔ مثلاً اسم زید ایک مخصوص فرد انسان کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس اسم کے ذریعہ سے زید اپنے اساس سے ممتاز ہو جاتا ہے جس کو سنی کہتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسم کی وضع اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ سنی کی ماہیت اور کنہ یا اس کے اجزاء ترکیبیہ یا تحلیلید پر دلالت کرے بلکہ وضع اسم کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے سنی کو غیروں سے ممتاز کر دے۔ اس دلالت کو دلالت لفظیہ کہتے ہیں۔

جس طرح لفظ زید کی دلالت اس کے سنی پر — اسم جس طرح بذریعہ لفظ کسی شے معین پر دلالت کر کے اُسے ممتاز کر دیتا ہے اسی طرح بغیر لفظ صرف اپنے وجود کی وجہ سے بھی کسی شے پر دلالت کر کے اُسے ممتاز کر دیتا ہے۔ اس دلالت کو دلالت وجودیہ کہتے ہیں مثلاً چہرہ کی زردی کا وجود انسان کے خوف زدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح چہرہ کی سرخی خجالت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح بغض کی حرکت خاص کا وجود مرض خاص پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح کھمبوں اور تاروں کا وجود اپنی نوعیت کے لحاظ سے الیکٹرک، ٹیلیفون، میکرو ویو اور ٹیلی ویژن پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح راستوں میں جو میل نصب کئے جاتے ہیں۔ اُن کا وجود مسافت سفر کی مقدار پر دلالت کرتا ہے۔

یہ تمام معارفات اپنے افادۂ امتیاز کے لحاظ سے اسما کہلاتے ہیں۔ جن کا وجود اپنے اپنے سنی پر دلالت کر کے غیروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ لہذا اسم معروف بھی ہے۔ اور دال بھی۔ اور سنی معروف بھی ہے اور ملول بھی۔

کنہ ذات حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا ادراک محال ہے

ہم گزشتہ اوراق میں واضح کر چکے ہیں کہ وجود خدا پر یہی ہے۔ مگر معرفت خدا نظری یعنی محتاج دلیل ہے۔ لہذا حصول معرفت کے لئے دلائل و براہین کی ضرورت ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس کی ذات کا بحقیقت ذات ادراک محال ہے۔ کیونکہ جب بھی اُس کے لئے ماہیت ثابت کی جائے گی تو وہ محدود ہو جائے گا۔ اور ہماری عقل اپنی صلاحیت کے مطابق جن محدود و متصور کو خدا سمجھے گی۔ وہ درحقیقت خود اس کی حقیقت ہوگی نہ خدا کی۔ جد — اور وہ متصور درحقیقت ہماری عقل کی تخلیق ہوگا۔

لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا ہمارے احاطہ علم و فہم سے بالاتر ہے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

ان کل ما تصوّرہ احد فی عقلہ او فہمہ او خیالہ فاللہ سبحانہ
غیرہ دورانہ لانہ مخلوق والمخلوق لا یكون من صفات الخالق۔
جو شخص اپنی عقل اپنے وہم اپنے خیال میں ذاتِ خدا کی وحدندی کہے گا تو وہ تصور اس کا
ذہنی مخلوق ہوگا۔ خدا اس کے سوا اور ماوراء ہے۔ وہ وحدندی سے بالاتر ہے۔ مخلوق کبھی
صفتِ خالق کا حامل نہیں ہو سکتا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

لا ینالہ غوص الفطن ولا یدرکہ بعد الہمم۔

اس کی ذات تک دانشمندی کی انتہائی گہرائیاں نہیں پہنچ سکتیں۔ اور انتہائی بلند ہمتیں اس کا
ادراک نہیں کر سکتیں۔

نیز دعائے مشلول میں حضرت کا ارشاد ہے۔

یا من لا یعلم ما ہو ولا ینہو ولا کیف ہو الا ہو۔

اے وہ کہ نہیں جانتا کیا ہے وہ کہاں ہے۔ نہ کیا ہے وہ مگر جانتا ہے وہ۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

کلت الدن عن غایۃ صفۃ والعقول عن کنہ معرفۃ۔

زباہیں اس کی حدِ صفت بیان کرنے سے اور عقول اس کی کنہِ معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں

معرفتِ خدا کا ذریعہ مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں

جب یہ امر ثابت و محقق ہو چکا کہ ذاتِ خدا کی کنہ کا ادراک محال ہے تو اب ذریعہ معرفتِ خدا
صرف اس کے مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر غیر خدا مخلوقِ خدا ہے۔ صرف اسی کا وجود بالذات
ہے اور سب کا بالغیر۔

اسی لئے حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے۔

تکلموا فی خان اللہ ولا تکلموا فی اللہ ایاکم والتفکر فی اللہ ولكن

اذا ارادتم ان تنظروا الی عظمۃ اللہ فانظروا الی عظیم خلقہ

(روانی کاشانی)

خدا کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ ہاں اس کی مخلوق میں تدبیر و تفکر کرو۔ دیکھو اپنے عورت کو

ذاتِ خدا میں تدبیر و فکر کرنے سے بچاؤ۔ البتہ جب بھی اُس کی عظمت پر نظر کرنا چاہو۔ تو اس کی مخلوقِ عظیم میں نکر و نظر کرو۔

اس مضمون کی احادیث سے کتبِ محدثین ملو ہیں۔ تطویل کے خیال سے ہم ترک کرتے ہیں۔
لہذا طالبانِ معرفتِ خدا کے لئے مخلوقِ خدا میں فکر و تدبیر سے رموزِ تخلیق و اسرارِ صنعت اور مصالح و حکمِ خلقت معلوم کر کے خدا کی معرفت حاصل کرنا ضروری و لازمی ہے۔ اور یہی اس کی معرفت کا طریقہ ہے۔

معرفتِ خدا کا مطلب اُس کے واسطے امتیاز ہے

خدا کی معرفت کا مطلب اُس کی ذاتِ احدیت کا تمام واسطے امتیاز حاصل کرنا ہے۔ یعنی ایسے اشیاء و صفات کے ذریعہ اُس کو پہچاننا ہے جو معرفتِ اُس کی ذات سے مخفی ہوں کسی دوسرے میں نہ پائے جائیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ اپنے غیر سے ممتاز سمجھا جائے۔ اور اس میں کوئی شریک و ہم نہ ہو سکے۔ ایسے امتیازات و تعلیقات یقیناً غیر ذات و خارج از ذاتِ خدا ہوں گے۔
لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کی معرفت، ذات کا ذریعہ غیر ذاتِ خدا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کہنہ ذات کا ادراک محال ہے۔ لہذا اس کی ذات میں غور کرنا بلاکرت ہے۔ اور اس کے مخلوقات میں غور کرنا راہِ بنات و وسیلہ معرفت ہے۔ لہذا مخلوقِ اعظم میں تدبیر سے ایانِ کامل و معرفتِ کامل حاصل ہوگی۔

مخلوقات اپنے تخلیقی کمال و حکمت کے لحاظ سے بلند و پست ہیں

عند العقل یہ امر تسلیم ہے کہ مخلوقات کے مختلف درجات ہیں۔ بلکہ معلوم ہے کہ تمام کیساں نہیں ہیں۔ روح۔ نفس۔ عقل۔ جوہر۔ عرض۔ جسم۔ بدن وغیرہ اور اسی طرح جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ انسانات۔ جنات۔ ملائکہ اور اسی طرح شمس۔ قمر۔ نجوم۔ زمین۔ آسمان وغیرہ سب مخلوقاتِ خدا ہیں مگر اپنی اپنی تخلیق، اپنے اپنے کمال، اپنی اپنی صنعت، اپنی اپنی حکمت، اپنی اپنی مصلحت۔ اپنے اپنے رموز۔ اپنے اپنے اسرار۔ بلکہ اپنی اپنی طاقت۔ اپنی اپنی قدرت۔ اپنے اپنے علم۔ اپنے اپنے فہم کے لحاظ سے جہ اشد اشیاء الگ الگ صفاتِ علیہہ علیہہ اقتدار رکھتے ہیں۔ لہذا جن مخلوق میں جتنا کمال ہو گا۔ اُس میں تدبیر و فکر سے اتنے ہی اندازہ کا کمال اس کے خالق کی معرفت کا ذریعہ قرار پائے گا۔ یعنی ہم یہ امتیاز حاصل کر سکیں گے کہ جب۔ مخلوق میں یہ کمال ہے تو جس نے اس کو پیدا

کیا ہے۔ وہ کس کمال کا مالک ہوگا۔ یہ تحریری حقیقی معرفت ہے نہ کہ اس کے لئے حدود معین کرتا۔

افضل معرفت افضل مخلوق سے ظاہر ہوگی

جب مخلوقات میں مختلف درجات و کمالات ہیں۔ اور حکم و مصالح کے لحاظ سے پست و بلند ہیں اسی طرح غرض و غایت تخلیق کے اعتبار سے بھی بلند و پست ہیں۔ جس کی غرض خلقت سب سے بلند ہوگی وہ مخلوق سب سے بلند ہوگا۔

عند العقل یہ مسلم ہے کہ اکل و افضل مخلوقات کے ذریعہ جو معرفت خدا حاصل ہوگی وہ بہر حال اس معرفت سے افضل ہوگی جو مضلول و مرجوح کے ذریعہ حاصل کی جائے گی بلکہ اس میں نقص کا امکان ہوگا لہذا حصول معرفت خدا کے لئے ہمیں عظیم مخلوق میں تدبیر و تفکر کرنا لازمی ہوگا تاکہ معرفت صحیحہ نصیب ہو جیسا کہ کلام معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے۔ ”فانظروا الی عنایم خلقہ“ خدا کی عظیم مخلوق میں تدبیر و تفکر کرو۔

معرفت خدا کے لئے قبض و اتیان ناقص تدبیر کا اثر ہے

نیز عند العقل یہ بھی مسلم ہے کہ عقل میں بھی درجات ہیں ناقص و اقص اور کامل و اکل۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر شخص کی عقل خداوند عالم کے حکم و مصالح اور رموز و اسرار و تخلیق اور غرض و غایت خلقت تک نہیں پہنچ سکتی ہر شخص کا تدبیر و تفکر خدا کی حکمتوں اور معصوموں کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتا۔ حالانکہ تفکر و تدبیر ہی ذریعہ معرفت ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ مخلوقات میں تدبیر و تفکر ہی کے ذریعہ تخلیقی حکمتوں کا علم ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ امتیازات حاصل ہو سکتے ہیں جو ذریعہ معرفت خدا قرار پاتے ہیں۔ لہذا جب تدبیر و تفکر ناقص ہوگا تو معرفت خدا کے لئے جو امتیازات حاصل کئے جائیں گے وہ بھی ناقص ہوں گے کیونکہ ہر شخص اپنے فہم و عقل کے مطابق ہی حکمت و رموز تخلیق کا ادراک کر سکے گا۔ اور اسی کو ذریعہ معرفت خدا قرار دے گا۔ لہذا یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مقصر نے اپنی عقل کے مطابق جو امتیازات معرفت خدا کے لئے تجربہ کئے ہوں۔ وہ درحقیقت ذات خدا سے مختص ہی نہ ہوں بلکہ وہ امتیازات اس کی مخلوق عظیم میں بھی پائے جاتے ہوں مثلاً ایک مقصر نے اشیاء مورتی اور شفا سے اراض کو معرفت خدا کا امتیازی نشان قرار دے لیا مگر ایک عارف بصیر اس کو خدا کی ذات سے مختص نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو حجتہ اللہ کی بھی نشانی جانتا ہے۔ اور مردہ زندہ کرنے والے اور شفا بخشنے والے

کو نبی یا امام کا درجہ بھی دیتا ہے جبکہ مقتضاس کو درجہ نبوت کی شناخت قرار دیکر خلک کی حد بندی کرتا ہے

اختلاف امتیازات کا محل مخلوق اکمل ہے

جب امتیازات میں اختلاف موجود ہے جس کا انکار کوئی ذی ہوش نہیں کر سکتا تو بقاعدہ الحف خداوندی رفع اختلاف کا انتظام ضروری ہو گیا کیونکہ خداوند عالم نے کتب و رسل اسی لئے بھیجے ہیں کہ وہ اختلاف بامین کو رفع کریں۔ اور لوگ خدا کی مضبوطی سے تشبک ہو جائیں جو ان کی غرض خلقت ہے۔ لہذا رفع اختلاف کا صحیح راستہ یہی ہے کہ جو مخلوق سب سے افضل سب سے مکمل اور تمام کمالات اسکا نیکہ کا حامل ہو۔ اس میں تدبیر و فکر کو بعد سے کار لایا جائے۔ اور جب انتہائی غور و فکر کے بعد اس مخلوق اکمل کے کمالات کی حدیں مقرر نہ ہو سکتی ہوں تو یہی مخلوق اکمل ذریعہ معرفت خدا قرار پائے گا۔ کیونکہ جب ایک ایسا مخلوق موجود ہے جس کے لئے فضائل و کمالات کے حدود مقرر نہیں کئے جاسکتے تو اس سے یہ نتیجہ فطری طور پر برآمد ہوگا کہ اس مخلوق کا خالق کیا ہوگا۔ اور اس کے کمالات کا کیا مقام ہوگا۔ یہ تحیر و استعجاب ہی دلیل معرفت خدا قرار پائے گا۔ جیسا کہ شب سراج آں حضرت نے مقام دینی فتنہ پر مزید تحریر کا سوال کیا تھا جہتی معرفت ہے۔

عند الشیخ بلا اختلاف مسلم ہے کہ اکمل موجودات و افضل کائنات ثواب اول ہے اور یہی حقیقت محمد آل محمد علیہم السلام ہے۔

لہذا عظمت خدا کی معرفت کے لئے ان ذوات مقدسہ کی عظمت اور معرفت خدا کی معرفت کے لئے ان ذوات عالیہ کی قدرت اور معرفت علم خدا کے لئے ان نفوس قدسیہ کا علم اور مشیت و ارادہ خدا کی معرفت کے لئے ان ذوات طیبہ کا ارادہ و مشیت زیر تدبیر و فکر لا کر خدا کی معرفت صحیح حاصل ہوگی۔ ان ذوات قدسیہ کی معرفت جس قدر بلند ہوگی اسی درجہ کی بلند معرفت خدا حاصل ہوگی۔ اسی لئے ان ہستیوں کی حد بندی بلحاظ کمال و خصال ناممکن ہے تاکہ تصور کمال مطلق میں تحریر پیدا ہو جو حقیقی معرفت ہے۔

حضرات محمد آل محمد تمام کائنات کے لئے سبب معرفت خدا ہیں،

جب یہ امر مسلم ہے کہ مخلوق خدا ہی ذریعہ معرفت خدا ہے تو جو مخلوق اول ہوگا وہی عقلاً اپنے بعد والی مخلوقات کے لئے ذریعہ معرفت خدا ہوگا بلکہ اسی نقش اول پر معرفت خدا موقوف ہوگی بلکہ یہی سبب

خلقت اور یہی غرض و غایت کائنات ہوگا۔ اس کے کالات سے خدائی مخلوقات پر استدلال کیا جائے گا کیونکہ اس کے وجود میں کسی غیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے وجود سے پہلے کوئی غیر خدا موجود نہیں ہے۔ یہ وہ معنوی اول ہے جو خدا کے سوا کسی شے کا محتاج نہیں ہے اس کی خلقت لاشی سے ہے۔ اس کے مادہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں محتاج تھے ہیں جس کو ان کی تخلیق میں دخل ہے۔ کیونکہ تمام مخلوقات اسباب و سببات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔

آبی اللہ ان یجوزی الامور الا بالاسباب۔ قانون قدرت مقدر ہو چکا ہے کہ تمام اشیاء اسباب و مسببات ہی کے تحت جاری ہوں۔ لہذا ہمیں علت غائیہ کائنات، اول الموجدات، اکل المخلوقات یعنی حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہی کے ذریعہ مع معرفت خدا حاصل ہو سکتی ہے۔ ان ہستیوں کو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان وسیلہ قرار دے کر ہی خدا تک پہنچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ احادیث و تفسیر سے ثابت ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام ہی سبب تخلیق کائنات اور سبب معرفت خدا بلکہ سبب بقا کائنات ہیں۔

ان ہی کے ذریعہ تمام عالم نے معرفت خدا، تسبیح و تحمید و تمجید و تکیب و تبدیل حاصل کی ہے۔ یہی حضرات معلّم کائنات ہیں۔ اور عالم ارواح میں تمام روحانیات اور انبیاء و مرسلین کے ہادی اور تمام ملائکہ آسمان و زمین کے معلّم ہیں یہ نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہوتی۔ خدائی عبادت نہ ہوتی۔ یہی واقف رموز و اسرار خلقت ہیں۔ ان ہی کے حضور میں کائنات کا وجود ہوا۔ یہی حضرات شاہد خلق قرار دئے گئے۔ ان ہی کو خداوند عالم نے راعی و حاکم کائنات بنایا۔ اور تمام اشیاء عالم پر ان کی اطاعت اور تعمیل حکم واجب و لازم قرار دی۔ یہ جس کو چاہیں جس طرح چاہیں حکم دیں۔ اسے اطاعت کرنا لازم و واجب ہے۔ جیسا کہ ہم محتاج الوسائط جلد اول میں مفصل طور پر مع دلائل تحریر کر چکے ہیں۔ ان کے اختیارات اور ان کے لئے اطاعت مخلوقات حق التجادات حسب تحقیق ایتنی خواص بجا اخبار آئمہ الطہارۃ علیہم السلام ہی درج کر چکے ہیں۔

لہذا حصول معرفت خدا کے لئے اپنے عقول ناقصہ کے پیہ کردہ اعتیانات کو باطل سمجھ کر رموز تخلیق و اسرار تکوین ان ہی حضرات سے حاصل کیجئے۔ حدیث مفصل اور روایات ابن حیان اور دیگر اصحاب اور خطبہ ملائس و خفاش اور خلقت آسمان و زمین اور خلقت ارواح و نفوس اور جن و ملک و غیرہ کے رموز و حکم ان ہی حضرات کے ارشادات سے حاصل کیجئے۔ کیونکہ جو علم ان کے ذریعہ نہیں پہنچا۔ وہ جہل ہے۔

خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے

در حقیقت "مشرکین" منکر وجود خدا نہ تھے بلکہ موجد عالم کو فطری و بدیہی جانتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ رب العزت ہے۔

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔

اور اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ کہیں گے اللہ نے۔ معلوم ہوا کہ مشرکین وجود خدا کے قائل و متفق تھے مگر انہیں پھر بھی مشرک کہا گیا۔ اس کی وجہ ان مجید میں صاف طور پر گویا مذکور ہے۔ وَلَٰذِیْنَ لَتَخَذُوا مِنْ دُونِہٖ اَوْلِیَآءَ مِمَّا یُعْبَدُوْنَ اِلَّا لِقَوْلِیْ ذَرُوْهُ (سورہ زمر)۔ اور جن لوگوں نے خدا کے سوا از خود کار ساز بنا لئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا سے زیادہ قریب کریں۔

آیہ دانی ہدایہ سے بالعارضہ ثابت ہے کہ مشرکین منکر خدا نہ تھے بلکہ انہوں نے وجود خدا کو تسلیم کرتے ہوئے تقرب خدا حاصل کرنے کے لئے خود وسیلے بنا لئے تھے۔ جن کی بنا پر انہیں مشرک کہا گیا ہے۔ کیونکہ تقرب خدا کا وسیلہ مقرر کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے وہ خود پیدا کرے اور وسیلہ قرار دے۔ جیسا ارشاد و قدرت ہے۔

وَسَبَّحْتَ بِمَیْثَآءِ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا كَانَ لَہُمْ اَلْخِیْرَۃُ بِمَا نَزَّلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی شُرَکَآئِکَ (سورہ قصص)

اور تمہارا رب جس کو چاہے خلق کرے۔ اور منتخب کرے۔ لوگوں کو انتخاب کا حق نہیں ہے۔ خدا برافض و عیب سے پاک اور جس میں لوگ شرک کرتے ہیں اس سے بلند و برتر ہے۔

آیہ مذکورہ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک کیونکہ وسیلہ تقرب کی تخلیق تخلیق خود خدا کے اختیار میں ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر پڑھئے اور غور و فکر کرنے سے آسانی سے نتیجہ پہنچا جاسکتا ہے کہ اگر خداوند عالم کے مقررہ وسیلہ تقرب کو کارساز تسلیم کیا جائے اور کسی ذریعہ تقرب کو بجا جائے تو شرک نہیں ہے بلکہ ایمان کی نشانی اور مستحقِ حویج ہے۔

مقدمات مذکورہ کی روشنی میں اعرفوا اللہ باللہ کی توجہ

حدیث مذکور میں دو دفعہ لفظ اللہ مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "اللہ کو اللہ سے پہچانو" پہلا لفظ اللہ معرفت ہے (زب کے ساتھ) جس کی معرفت مقصود ہے۔ اور دوسرا معرفت ہے (زیر کے ساتھ) جس کے ذریعہ معرفت مقصود ہے۔ اگر ان دونوں مقام میں لفظ اللہ کا استعمال ایک ہی معنی میں تسلیم

کیا جائے گا۔ تو عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس کا امتیاز مقصود ہے وہ مخفی و غیر معلوم ہے۔ اور جس کے ذریعہ امتیاز مقصود ہے۔ وہ بھی مخفی و غیر معلوم ہے تو مخفی کا مخفی سے غیر معلوم کا غیر معلوم سے تفاوت و امتیاز لازم آئے گا جو عند العقل باطل ہے۔ یعنی لفظ اللہ جس کی معرفت مقصود ہے۔ وہ مخفی ہے۔ اور جس لفظ اللہ کے ذریعہ معرفت مقصود ہے وہ بھی مخفی ہے تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ علم شی قبل علم شے حاصل ہو جو باطل ہے۔ لہذا ذریعہ معرفت کا علم علی ہوگا۔ اور جس کی معرفت مقصود ہے۔ اس کا علم مخفی ہوگا۔ لہذا عدم علم میں دونوں یکساں نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر مجہول کو امر مجہول سے حاصل کرنا محال ہے۔ لہذا ذریعہ معرفت کا علم علی ہوگا۔ اور جس کی معرفت مقصود ہے۔ اس کا علم اس کے مقابلہ میں مخفی ہوگا۔ لہذا لفظ اللہ دونوں مقام پر ایک ہی معنی میں متعل نہیں ہو سکتا بلکہ من وجہ دونوں میں فرق ہوگا۔ اس دلیل عقلی کے بعد ہر صاحب عقل سلیم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا لفظ اللہ جس کی معرفت مقصود ہے وہ اپنے معنی کے لحاظ سے مخفی و غیر معلوم ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ جس کے ذریعہ معرفت و امتیاز حاصل کرنا مقصود ہے وہ پہلے کے مقابلہ میں علی ہے لہذا دونوں جدا جدا معنی میں متعل قرار دئے جائیگے۔ مجاہداً معنی میں استعمال کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلا لفظ اللہ بلفظ اسمی استعمال ہو۔ اور دوسرا لفظ اللہ بلفظ اسم متعل ہو جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسم کے ذریعہ معنی کو پہچانو۔ یعنی پہلا لفظ اللہ معرفت ہوگا جس کو شناخت کرنا ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ معرفت ہوگا۔ جو شناخت کا ذریعہ ہے۔

خداوند عالم نے لفظ اللہ کو جس معنی کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ معنی پہلے لفظ اللہ سے مراد لئے جائیں اور دوسرے لفظ اللہ کو اسم قرار دیا جائے جو ذریعہ امتیاز ہو یعنی اس حدیث کا پہلا لفظ اللہ بمعنی مسٹی اور دوسرا بمعنی اسم مراد لیا جائے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام کے خطابات توحید کی روشنی میں یہ توجیہ حدیث زیادہ وجیہ معلوم ہوتی ہے۔

ملاحظہ خطابات ملاحظہ کیجئے۔

خداوند عالم نے حروف اور ان کی صورتیں اور تہجی اور تقطیع اور اصوات کو خلق فرمایا یعنی لفظ اللہ اور اسی طرح لفظ رب وغیرہ مخلوق ہیں۔ ان کو خدا نے اپنے ذکر کے لئے ایجاد فرمایا۔ تاکہ ان کے ذریعہ اس کو پکارا جائے۔ اور یاد بھی کیا جائے وہ موجود تھا جبکہ ذکر کا وجود نہ تھا نہ حروف تھے نہ ان کی شکلیں نہ آواز تھی نہ پکارنے والا یعنی مسٹی تھا مگر اس کے لئے کوئی اسم نہ تھا معنی اللہ تھے مگر اسم اللہ نہ تھا معنی رب تھے۔ مگر اسم رب نہ تھا معنی خالق تھے مگر اسم خالق نہ تھا معنی عالم تھے مگر

اسم عالم نہ تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی مادہ نہ تھا۔ رب تعالیٰ کوئی ربوب نہ تھا۔ خالق تعالیٰ کوئی مخلوق نہ تھا۔ اسم عالم تعالیٰ کوئی معلوم نہ تھا۔ اسم تعالیٰ کوئی معبود نہ تھا۔ لہذا حدیث معصومہ سے ثابت ہو گیا کہ سستی تھا گو اسماء کا وجود نہ تھا۔ تعریف تھا مگر معرفت کا وجود نہ تھا۔

لفظ "اللہ" اور لفظ "رب" اسی طرح لفظ "رحمن" اور لفظ "رحیم" سب مخلوق ہیں ان کے حروف مخلوق ان کی صورتیں مخلوق ان کے نقوش مخلوق ان کا تلفظ مخلوق ان حروف سے جو مرکب ہوا وہ مخلوق مثلاً اللہ مجبور ہے۔ ا۔ ل۔ ل۔ ا۔ د کا اسی طرح لفظ رب مجبور ہے۔ ر۔ ب۔ ر۔ ب۔ کا۔ ا۔ اسی طرح لفظ رحمن رحیم کو سمجھ لیجئے۔ جب یہ الفاظ اپنی ترکیب میں حروف کے محتاج ہیں اور صاحب اجزاء ہیں تو یقیناً حادث و مخلوق ہیں۔ ان کا وجود اگر بصورت کتاب ہو گا یعنی کسی شے پر تحریر کئے جائیں گے تو اس صورت میں اپنے کاتب کے محتاج ہوں گے۔ اور اگر بصورت صوت ہو گا تو لفظ یعنی بولنے والے کے محتاج ہوں گے یعنی ان سے پہلے کوئی ناطق ہو گا۔

لہذا لفظ اللہ اور لفظ رب وغیرہ کا وجود مؤخر ہو گا اور ان کا کاتب یا ناطق مقدم ہو گا۔ کاتب و ناطق درحقیقت۔ ان کا معرفت ہو گا وہی ان کا تعارف کرانے کا۔ اسی کے ذریعہ عالم ظہور میں آئیں گے ورنہ بغیر کاتب و ناطق ان کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔

لہذا جس مخلوق مقدم کے ذریعہ یہ اسماء پچانے جائیں گے وہ ان کے لئے معرفت واسم قرار پائے گا یعنی اپنے ماسوا سے امتیاز کرانے والا۔ لہذا یہ الفاظ جی کے ذریعہ ظہور میں آئے اور جی کے ذریعہ ان کا صدور ہوا وہ ذات مقدسہ ان کے لئے بہترین اسماء قرار پائیں گے جن کے ذریعہ ان کی معرفت ہوتی ہے اگر وہ ذات مقدسہ نہ ہوتے تو ان کا وجود ہی نہ ہوتا۔ ان ہی حضرات نے ان الفاظ کو اپنے لفظ سے وجود بخشا۔ لہذا یہ الفاظ اپنے وجود میں مخلوق اول سے مؤخر اور اپنے ظہور میں اس کے محتاج ہوں گے۔

اس مقصد کی تائید جناب شیخ صدوق بحکم کتاب الکمال اور کتاب عیون اخبار رضا اور علل الشرائع سے بھی ہوتی ہے جس میں مندرجہ ذیل فقرات موجود ہیں کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا۔

اول ما خلق الله اسرواحنا فانطقنا بتوحيد و تعبيد و ثم خلق الملائكة فلما شاهدوا اسرواحنا نوراً واحداً استعظموا اوصورنا فبينما نلعب للملائكة انا خلقنا مخلوقون وانه منزلة عن صفاتنا۔

جناب امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد میں علیہم السلام کے سلسلہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سند سے یہ حدیث طویل بیان کی ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا۔

سب سے اول خدا نے ہمارے آدراج کو خلق فرمایا اللہ ہمیں اپنی تجوید و تمجید کا نطق عطا فرمایا پھر ملائکہ کو خلق کیا۔ جب انہوں نے ہمارے آدراج کو فوراً احد شاہدہ کیا تو انہوں نے اپنی نظر میں ہماری شان کو عظیم سمجھا ہم نے فوراً تسبیح شروع کر دی تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ ہم خدا نہیں ہیں بلکہ اس کے مخلوق ہیں اور وہ ہماری شان سے بلند و بالا اور ہماری صفات سے منزہ ہے۔

اس حدیث سے ہمارا مقصد نہایت مستحکم اور مضبوط ہو گیا۔ یعنی ان بزرگواروں کے نطق سے اسماء و صفات خدا وجود و ظہور میں آئے۔ لہذا جس طرح یہ حضرات الفاظ مذکورہ کے معانی کے معرفت ہیں۔ اسی الفاظ کے بھی معرفت ہیں۔ یعنی جس طرح معرفت معنی "اللہ" کا سبب ہیں۔ اسی طرح معرفت لفظ کا بھی سبب ہیں۔ یعنی اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو عبارت عبادت خدا نہ ہوتی نہ عبارت تسبیح و تقدیس نہ نہ عبارت تمجید و تہلیل۔ لہذا جس طرح معانی عبارت تسبیح و تمجید وغیرہ ان کے ذریعہ وجود میں آئے۔ اسی طرح عبارت و الفاظ عبادت و تسبیح و تمجید وغیرہ ان کے دم قدم سے وجود میں آئے۔ لہذا جس طرح ذات خدا کی معرفت کا سبب ہیں۔ اسی طرح الفاظ عبارت معرفت کا بھی سبب ہیں جن کے ذریعہ خدا کو پکارا جاتا ہے۔ اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی لئے اسمائے خدا تو قیسیہ ہیں۔ لہذا یہ ذوات عالیہ الفاظ "اللہ" رب، رحمن، رحیم، قادر، عالم، وسیع و بسیع وغیرہ تمام اسماء و صفات کے معانی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے الفاظ عبارت کی بھی معرفت کرانے والے ہیں۔ اور ان اسماء کے حروف و صورت اور تہجی و تقطیع سے مقدم ہیں۔ لہذا یہ حضرات حقیقی معرفت میں ذات خدا کے لئے بھی اور اسماء و صفات خدا کے لئے بھی۔ یہ ذوات تدریسیہ دونوں اعتبار سے اسم ہیں بلحاظ معنی بھی اور بلحاظ الفاظ عبارت بھی یعنی امتیاز کرانے والے اسم کے بھی اور سمی کے بھی۔

توجیہ مذکورہ سے حدیث کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کوئی اشکال و ابہام ان تشریحات کے بعد باقی نہیں رہتا۔

اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کو بزرستی ہے پہچانو اللہ سے جو اسم ہے پہلا لفظ اللہ معنی سچی قرار دیا جائے گا۔ اور دوسرا لفظ "اللہ" معنی اسم۔ اس مطلب کی تائید قرآن مجید کے مندرجہ ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے۔

لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء (سورہ آل عمران)

اللہ نے یقیناً ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

اس آیت میں پہلے لفظ اللہ سے مراد سچی ہے یعنی خود ذات خدا۔ جس نے کافروں کا قول سنا ہے

اور دوسرے لفظ اللہ سے مراد اسم ہے جس کے ذریعہ پہچانا گیا ہے۔ جس کو فقیر کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے خدا کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ تاکہ انہیں اس کی صفت معیشت و معاش اور عشرت و شکستہ کی کو دیکھ کر اس کی فقیری معلوم ہو سکے۔ لہذا جس لفظ اللہ کی طرف فقیری کی نسبت دی گئی ہے اس سے مراد خدا انہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اسم مراد ہے جس کے ذریعہ خدا کو پہچانا گیا ہے۔ اور وہ یہی ذات مقدسہ ہیں جن کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر فقیری کی نسبت دی گئی ہے۔ ان ہی کو لفظ اللہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرات معصومین علیہم السلام نے آیہ مذکورہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی کے حوالہ سے مرآۃ الانوار میں بھی یہی تاویل منقول ہے۔ (مرآۃ الانوار ص ۱۸۱)

(۲) وَلَا تَسْبُحُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُحُوا اللَّهَ عَدُوًّا لِّبِعْدِ عِلْمِهِ (سورہ انفاء)
اور تم ان لوگوں کو دشنام نہ دو جو خدا کے سوا کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کو زیادہ گالیاں دیں گے۔

اس آیت میں بھی پہلے لفظ اللہ سے مراد مسمیٰ ہے۔ یعنی ذات خدا اور دوسرے لفظ اللہ سے مراد اسم ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ کو چھڑ کر غیر کو پکارتے ہیں۔ اس فقرہ میں لفظ اللہ سے مراد خود ذات خدا ہے کیونکہ اس کو چھڑ کر کافروں نے خود ساختہ سائل کو کارساز سمجھ کر پکارا ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ جس کو گالیاں دینے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد اسم اللہ ہے جو ذات خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور اس کی معرفت کی کتاب ہے۔ کیونکہ دنیا میں آج تک کسی نے بھی اللہ کو گالیاں نہیں دی ہیں بلکہ کافراں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا پہلے لفظ اللہ سے مسمیٰ اور دوسرے سے اسم مراد ہے۔ حضرت معصومین علیہم السلام نے آیہ مذکورہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے (چنانچہ مرآۃ الانوار ص ۱۸۱ پر یہی منقول ہے)

(۳) وَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذَكَرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَلْتَبِشُونَ (سورہ زمر)

اور جب بھی اللہ کا ذکر کیا جا۔ انے تو جن کا ایمان آخرت پر نہیں۔ ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو اس وقت خوش ہونے لگتے ہیں اس آیت میں اگرچہ لفظ اللہ سے مراد ذات خدا ہے مگر یہ بتایا گیا ہے کہ جب اولیاء اللہ کا ذکر کیا جا آئے جو محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں تو ان کے ذکر سے ناہیبوں کو نفرت ہوتی ہے اور اپنا منہ بکاڑ لیتے ہیں۔ اور جب ان کے پسندیدہ لوگوں کا ذکر ہوتا ہے۔ تو خوشی سے باچہ کھل جاتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر البران جلد ۲ ص ۱۳ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی مرقوم ہے۔ نیز تفسیر قمی کے حوالہ سے

مرادۃ الانوار میں اس آیت کی سچی تاویل مذکور ہے (مرآۃ الانوار ص ۱۸)
 قرآن مجید کی آیات بابرہ سے ہماری توجیہ کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ
 قرآن مجید میں لفظ اللہ کبھی سنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم کے لئے۔
 اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سنی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے
 چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے ذریعہ معرفت خدا حاصل ہوئی ہے اور ان ہی حضرات کے ذریعہ
 خداوند عالم اپنے ماسوا سے ممتاز ہوا ہے۔ لہذا یہ حضرات اسماء اللہ ہیں۔ اور بہترین اسماء اللہ
 ہیں۔ یعنی اسم اللہ کے لئے اسم ہیں۔ یعنی اسم اللہ کی حق تعالیٰ کرانے والے بھی اور مستی اللہ کی بھی۔

اسماء حسنیٰ محمد و آل محمد ہیں

ارشاد رب العزت ہے۔

وَلِلّٰهِ الاسماءُ الْحُسْنٰی فَاَدْعُوْهُ بِهَا وَذُرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اسْمَائِهِ۔

اور خداوند عالم کی معرفت حاصل کرنے کے لئے اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے بہترین نام) ہیں
 تو تم اسے ان ہی کے ذریعہ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو ان کے اسمائے حسنیٰ میں طعن کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم ہم ہی خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ پہلی معرفت کے
 بغیر خدا کسی کے عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ خدا کی معرفت صحیحہ جب تک نہ ہو کوئی عبادت و عمل قبول
 نہیں ہو گا۔ معرفت صحیحہ ان کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ لہذا ان کی معرفت کے بغیر جو بھی عمل کرے گا۔ قبول
 نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ معرفت خدا حاصل کر کے عمل نہیں کیا گیا بلکہ اپنے قیاسی خدا کے حکم پر عمل کیا گیا
 ہے خواہ اس کا عمل اتفاقیہ صحیح بھی ہو تب بھی قبول نہیں کیا جائیگا۔

لہذا اسمائے حسنیٰ یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بغیر معرفت خدا حاصل نہیں ہو سکتی۔
 یہی وہ اسماء اللہ ہیں۔ جن کے وجود مبارک سے خدا پیدا ہوا گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

جب تم کسی قسم کی غلط مصیبت آ پڑے تو مجھ سے ذریعہ خدا سے مدد حاصل کرو کیونکہ خدا کے ارشاد
 وَلِلّٰهِ الاسماءُ الْحُسْنٰی فَاَدْعُوْهُ بِهَا کا مقصد یہی ہے کہ اپنے مشکلات حل کرنے کے لئے ہم
 سے تمسک کرو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

حقائق الوسائط من مستطعم علامہ محمد بشیر انصاری

559

لا یطاع من لا یعرف من لا یطاع (شموس طالعہ ص ۱)

کسی شخص کی طاعت نہیں کی جاسکتی جب تک اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے اور اسی طرح کسی کی معرفت حاصل نہیں کی جاسکتی جب تک وہ مطاع نہ ہو یعنی اسکی اطاعت کرنی ضروری ہو لہذا جب تک محمد وآل محمد کی اطاعت فرض نہ ہوگی اس وقت تک ان کی معرفت حاصل نہیں کی جائے گی۔ اور جب تک ان کی معرفت حاصل نہ کی جائے گی تو ان کی اطاعت نہ ہو سکے گی۔ اور جب اطاعت ہی نہ ہوگی تو ان کے ہدایات و ارشادات پر عمل ہی نہ ہوگا۔ جب تک ان کے ارشادات کی تعمیل نہ ہوگی معرفت خدا حاصل نہ ہوگی۔ لہذا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا جب تک ان ذوات مقدسہ کی معرفت اور ہدایات کے مطابق معرفت خدا حاصل نہ ہو جس کے بعد عمل قابل قبول ہوتا ہے۔

دیگر احادیث میں جہاں بھی اللہ کو اللہ سے پہچانے کا امر آئے یا کنیۃ تذکرہ نظر آئے اس کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اصحاب ائمہ علیہم السلام نے بھی جہاں اس ضمن کا ذکر کیا ہے اس کا مطلب وہی سمجھنا چاہیے جو ہم نے درج کر دیا ہے۔

چنانچہ منصور بن مازم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا۔

اِنَّ اللّٰهَ جَلَّ جَلَالُهُ اَجَلٌ وَّاعَزُّ وَاَكْرَمُ اَنْ یَّعْرِفَ بَخْلَدِهِ دَلَالُ الْعِبَادِ یَعْرِفُ بِاللّٰهِ یَعْنِی اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهُ اَنْ ذَاتٌ بَلْبَذٌ وَّالْبَلْبَذُ اس سے کہ وہ اپنی مخلوق کے ذریعہ پہچانا جائے۔ بلکہ بندگان خدا خود اللہ کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت نے منصوص کلام سن کر فرمایا خدا تم پر رحم کرے۔

اس معرفت سے مراد معرفت کہنہ ذات ہے کیونکہ وہ مخلوقات کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ عقل اس کا حصول محال ہے۔ ہاں بندگان خدا کی حقیقت خدا کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے کیونکہ وہ جن کو علم عطا کرتا ہے۔ وہی حقائق کو پہچانتے ہیں۔

لہذا عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کہنہ ذات خدا اس کے مخلوقات کے ذریعہ نہیں پہچانی جا سکتی وہ اس سے اجل و ارفع ہے۔ عقول و انہام اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ البتہ اس کے بندے خود اس کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ انہیں علم و فہم اور قوت و قدرت عطا کرنے والا وہی ہے

وہ اگر انہیں کمال نہ دیتا تو یہ ہرگز نہ پہچانے جاتے۔

کلام منصور ابن حازم کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کی معرفت اس معنی سے بھی ناممکن ہے کہ اس کی ذات اپنے ماسوا سے ممتاز ہو کیونکہ معرفت خدا کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ کسی شے کے مشابہ نہ سمجھا جائے بلکہ ہر شے سے ممتاز ہو نہ کہ اس کی کہ نہ معلوم کی جائے جو کسی بھی مخلوق کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ اسی معرفت کی نفی کی گئی ہے۔ لہذا صحیح معرفت اسی وقت حاصل ہوگی جب اس کی عظیم مخلوق میں غور و فکر و تدبر کیا جائے گا نہ کہ اس کی ذات میں جو شرعاً و عقلاً منزع ہے۔ خداوند عالم نے آیات کثیرہ میں اپنے مخلوقات میں تدبر و تفکر کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ اس کی معرفت ان کے ذریعہ حاصل ہو۔ ثبوت خدا کے لئے بھی ائمہ اربعین نے فطرت کو بھنجرنے کے لئے یہی طریق استدلال بیان فرمایا ہے جیسا کہ ہم درج کر چکے ہیں صحیحہ کا ملکہ دیکھا جائے کہ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خدا کی کتبہ ذات اس کے مخلوقات کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خود اس کی ذات کے محتاج ہیں پھر کیونکہ مخلوق محتاج اس کی کتبہ ذات کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ امتیاز خدا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کی تخلیقی حکمتوں میں غور و خوض کیا جائے نہ کہ ذات خدا میں جو سبب بلاست ہے اور یہ طرق معرفت بھی اسی کی ترفیقات سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ذرائع معرفت کا خالق وہی ہے۔

اہل بیت منحرف کرنے کی معاذانہ ہم خبث باطن کی دلیل ہے

قابلوں نے اپنے مؤلفات دیانات میں ہم جاری کی ہے کہ خدا کو خدا سے پہچانو۔ اور کسی کو در بیان میں نہ لاؤ جس کا مقصد ہے کہ خدا وال محمد علیہم السلام کو خدا اور بندہ کے در بیان سے شاد و شیطانی عقیدہ پر عمل کرو۔ خدا کے سوا کسی کی عظمت کو تسلیم نہ کرو۔ اور نہ کسی کے کمالات کے سامنے سرنگوں ہو۔ اور نہ کسی کو شکلات میں پکارو۔ اور نہ کسی کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ۔ اور نہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں کسی سے مدد لینی مخلوق کو اگر معرفت نہیں بنانا چاہیے بلکہ خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچانا چاہیے۔ یہی مولوی خالصی کی تعلیم ہے بلکہ ان کو عاجز بندہ اپنی طرح مجبور۔ مجتہد مقلد کے مانند بلکہ مجتہد مقلد سمجھو۔ اور اپنے جیسا بشر قرار دو۔ اور بس اللہ اللہ خیر سلّا۔

الحمد للہ ہمارے سابقہ مضامین سے یہ مقیم ناکام ہو گئی کیونکہ ہم نے دلائل عقیدہ سے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنا رابطہ خدا سے پیدا کرنے میں وسیلہ کے محتاج ہیں۔ اور وہ مخلوق اذل ہے جو سبب معرفت و عبادت خدا ہے۔ بلکہ مبداء معرفت ہے سلسلہ معرفت کا نقطہ اعلیٰ ہے۔ جس کے ذریعہ تمام

کائنات کو نعمت معرفت نصیب ہوئی جس کو عینی معرفت حاصل ہوئی۔ وہ اسی نورِ اہل کے طفیل یہ نہ ہوتے تو نہ اسماء و صفات خدا پہنانے جاتے اور نہ اس کا سبھی ومعنی یہی حضرات سلسلہ بدو میں اہل اور سلسلہ عہد میں آخر ہیں۔

ان حضرات عالیہ کو حصول معرفت تخلیقی، من جانب خدا پیدائش میں عطا کی گئی ہے یہی حضرات اس کے حضور میں عرض کر سکتے ہیں کہ ہم نے تجھے پہچانا ہے۔ ان کے سوا کائنات کی کسی فرد کو بھی بلا واسطہ ذواتِ مقدسہ معرفت حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ کافروں کی زبان پر اگر لفظ اللہ آیا۔ تو ان ہی حضرات کے صدقہ میں سلسلہ بہ سلسلہ پہنچا۔ اس کے پکارنے کے لئے الفاظ و کلمات اور اسماء و صفات اور ان کے معانی و مفہام ان ہی اسماء اللہ و کلمات اللہ کے ذریعے پہنچے ہیں۔ یہی اللہ کے اسماء حسی ہیں اور یہی اس کے کلمات علیا ہیں اور یہی اس کی آیت کبریٰ اور محبت عظمیٰ ہیں۔ ہم نے ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ اور ان ہی کی معرفت سے معرفت و عبادت حاصل کی ہے جس کے بعد ہم اس قابل ہوئے کہ اس کے معینہ اسماء و صفات سے اس کو پکاریں اور اس سے توفیقات کی اس قدر حاکمیں اور ان ہی حضرات کے سمجھائے ہوئے طریقہ کے مطابق اسی کو مسجد قرار دیں۔ اور ان ہستیوں کا خالق اور ان کے کمالات کا معطی اور ان کے اقتدار کا واجب سمجھیں۔ ان ہی کے واسطے سے خدا سے فیوض و برکات طلب کریں اور مشکلات حل کرائیں۔ ان ذواتِ قدسیہ کو اپنے اور خدا کے درمیان کسی لمحہ بھی جدا نہ سمجھیں۔ یہی ”حجۃ اللہ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق“ ہیں۔ تمام کائنات کو فیوض و برکات ان ہی کی معرفت پہنچتے ہیں خواہ ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں حقیقت نفس الامر یہی ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے حقائق الوسائط جلد اول کا مطالعہ کریں

قالیوں نے خدا کو اپنے مثل بنا ڈالا

مرفع احسن الفوائد نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱ پر ایک عظیم غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ خداوند عالم کے صفات انفال کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے لکھ دیا کہ ایک وقت وہ تھا کہ خداوند عالم موجود تھا لیکن بالفعل خالق و رائق نہ تھا بلکہ اب بھی بعض چیزوں کا خالق نہیں ہے۔

خداوند عالم کے لئے بالفعل اور بالقرہ کا استعمال قطعاً باطل ہے یہ الفاظ صرف ممکن الوجود کیلئے اصطلاح ہے کیونکہ ممکن الوجود مستقبل کے لحاظ سے کسی شے کا غافل نہیں کہلا سکتا۔ جن کی وجہ

اس کا مقید بن بان و مکان ہونا ہے وہ ماضی و حال و مستقبل میں محدود ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ وہ جب نہ تھا تو کسی کا فاعل بھی نہ تھا اور جب نہ ہوگا تو کسی شے کا فاعل بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ زمانہ و وقت کی کرپوں میں جکڑا ہوا ہے مگر خداوند عالم کے لئے زمانہ کی نسبت دنیا خواہ کسی بھی فعل کے لئے ہر قطعاً غلط ہے۔ اس کے لئے تمام ازمنہ شہود میں ہیں۔ تھا اور ہے اور ہوگا کے الفاظ ہمارے لئے ہیں۔ اُس کی ذات یا صفات کو اوقات کے ساتھ محدود کرنا معرفت توحید سے نا بلند ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ کا شانی رء کی کتاب دانی حث پر تحریر ہے۔

ان نسبة ذاته سبحانه الى مخلوقاته يمتنع ان تخلف بالامعية واللامعية والا فيكون بالفعل مع بعض وبالقوة مع اخدين فيتركب ذاته سبحانه من جهتي فعل وقوة و متغير صفاته حسب تغير التجددات المتعاقبات تعالى عن ذلك بل نسبة ذاته التي هي فعلية صرفه۔

بالحقيق ذات حق سبحانه وتعالى کی نسبت اس کے مخلوقات کی طرت معیت اور لامعیت کے ساتھ جدا جدا تصور کرنا باطل ہے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ خداوند عالم بعض مخلوقات کے ساتھ بالفعل تعلق رکھتا ہے۔ اور بعض کے ساتھ بافضل تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ بالقدہ تعلق رکھتا ہے۔ اس صورت میں اس کی ذات مرکب ہو جائے گی۔ فعل و قوت کے لحاظ سے اور اس کے صفات مخلوقات کے تحت نئے حالات کی وجہ سے متغیر ہوتے جائیں گے۔ حالانکہ اس کی ذات تغیرات سے بلند و بالا ہے لہذا اس کی ذات اقدس کے لئے صرف فعلیت ہی فعلیت ہے۔

لہذا یہ کہنا کہ بعض کا خالق ہے۔ اور بعض کا خالق فی الحال نہیں ہے۔ قطعاً باطل ہے بلکہ ہر شے کا خالق بالفعل ہے۔ اس کی فعلیت کا زمانہ ہمارے عدم غلم کی وجہ سے آئندہ ہے مگر اس کی ذات کے لحاظ سے اپنے اپنے زمانہ میں بالفعل ہے۔ کیونکہ کسی کے لئے بالقوہ فاعل کہنا اس کی عدم صفت کی دلیل ہے کہ وہ فی الحال عدم صفت ہے۔

چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے اُس خطبہ توحید میں ارشاد فرمایا۔ جبکہ مامون آپ کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اور اُس کے رشتہ دار مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت سے

اس وقت معرفت توحید پر خطبہ کی استدعا کی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں یہ کلمات بیان فرمائے۔

لہ معنی الربوبیۃ اذلا مرہوب وحق الالہیۃ اذلا مالوۃ و
معنی العالم اذلا معلوم ومعنی الخالق اذلا مخلوق وبتاویل
السمع اذلا مسموع لیس منذ خلق استحق معنی الخالق ولا
باحداثہ البرایا استفاد معنی الباریۃ (احتجاج)

بالتحقیق اُس کی ذات کے لئے معنی ربوبیت اس وقت بھی تھے جب کوئی مرہوب نہ
تھا۔ اور اس کے لئے معنی اکوہیت تھے۔ جب کوئی خدا پرست نہ تھا کہ خدا معبود کہلاتا اور
اس کے لئے معنی عالم تھے جب کوئی معلوم نہ تھا اور اس کے لئے معنی خالق تھے جب کوئی
مخلوق نہ تھا۔ اور اس میں معنی سمع تھے جب کوئی مسموع نہ تھا۔ ایسا برگز نہیں ہے کہ جب
اس نے پیدا کیا تو خالق کہے جانے کا مستحق ہوا۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب اُس نے کائنات
کو ظاہر کیا تو باری کہلایا۔

اس کلام معصوم سے بالکل واضح ہو گیا کہ خداوند عالم کے لئے یہ کہنا غلط ہے کہ جب کسی شے
کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس کا خالق نہ تھا بلکہ وہ اس کا خالق ہے کیونکہ قبل و بعد کا تعلق زمانہ سے
ہے۔ اور وہ زمانہ کا خود خالق ہے۔ اس کو اب، جب، تب، کب، کے الفاظ سے محدود
اور مقید نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تعین اوقات ہمارے لئے ہے نہ کہ اس کی ذات واجب الوجود کے
لئے۔ لہذا خالق تھا یا خالق نہ تھا کے الفاظ اس کی ذات کے لئے مجہولات ہیں وہ ہر شے کا
فاعل بالفعل ہے۔ یہ ہمارا قصور علم ہے کہ ہمیں زمانہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور "تھا ہے، ہو گا"
کے الفاظ اپنے لئے استعمال کرتے ہیں مگر اس کی ذات کے لئے صرف "ہے ہی ہے"۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوع تمام کائنات سے جداگانہ ہے

یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ شیعہ یا حیدرکار و موالیائی اہل بیت اہل ہمارے عقائد ضد ضد ہیں۔ پاکستان میں بلا اختلاف چلے آ رہے ہیں مگر کوئی عارضی اختلاف ہوا بھی تو بطریق احسن حل کر لیا گیا۔ مگر جب سے بعض افراد بھٹ اشرف سے وارد پاکستان ہوئے ہیں۔ انہوں نے بذریعہ تقریر و تحریر اپنے اختلافی مسائل و عقائد کو نہایت اشتعال انگیز لہجہ میں بلکہ سب آمیز زبان میں بیان کیا ہے جو مجتہدین اہل بیت کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ شیعہ فرقہ از افراد سے ان کی کتب سے پیش ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہر شرعی نفس اسی رد عمل پر عمل پیرا ہو گا جو اس وقت قوم کے سامنے ہے۔ حامیان ناموس اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو مندرجہ ذیل القاب و خطابات سے یاد کیا گیا ہے۔

قائلین وحدت نوع کی دشنام طرازی

دین فروش ملا، منبر کے اجادہ دار، رقص منبر کی جہارت تار، ہنگامے پھیلا جھاڑ کر تقریریں کرنے والے۔ بے دین اہل علم، عالم ناجاہل، گندم نما جو فروش، شکم پرست، کذاب، ڈاکو، یاد گو بہرہ سرائے۔ باطل کوش، حق کش، بد عقیدہ، بد زبان، اہل باطل، نام نہاد اہل علم، خود غرضی، مضمری، فتنہ و فساد کے بانی نیم ملا خطرہ ایمان، جہل مرکب، مکر و فریب، کذب و زور۔ مدعی علم، سن گھڑت نظریات، طبع زاد عقائد، طوفان بد تمیزی، بیڑہ خرق کرنے والے، سستی شہرت کے مدعی، ذاتی اقتدار کے بندے، جدید دنیا، غلو نواز، مضل و مضال، دجل و فریب و غیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں ان کی شرافت کے نمونے گویا یہی ہیں سبب کے وارث۔

ذاتیات کا نہیں تنظیم و قوانین اہلبیت کا مقابلہ ہے

قائلین وحدت نوع کا مندرجہ اصول الشرعیہ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۲ پر مرقوم ہے اس کے تشریحات کرتے ہوئے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان میں نہایت توہین آمیز طرز عمل اختیار کیا گیا ہے ان فداات مقدسہ کو اپنی نوع ثابت کرنے کی خاطر کس جدیدی سے اپنی صف میں لاکھڑا کرنے کی سعی نامشکور کی ہے ان میں میثوب و نفعانص دکھانے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ کور حامیان ناموس محمد و آل محمد علیہم السلام کو مذکورہ بالا القاب و خطابات سے نوازا ہے۔ قائلین وحدت نوع کے عقائد ان کے مندر سے ظاہر ہیں

اس دقت کی ایک عقیدہ پر بحث و نظر مقصود ہے جس پر سات افراد کے دستخط ثبت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اصول الشریعہ کی اصل عبارت۔

(۵) پیغمبر اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نوع بشر کے اکل افراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے صحیح

نہیں ہے۔ دستخط بعض اعلام۔ عالیجناب مولانا سید گلاب شاہ صاحب قبلہ۔ عالیجناب مولانا حافظ سیف اللہ صاحب قبلہ۔ یراقم آثم احقر محمد حسین عفی عنہ (اصول الشریعہ ص ۲۲۲)

علامہ دخطباء وذاکرین ادریشیمان علی علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوع تمام کائنات سے جداگانہ ہے جزو کفر و دستخط کنندگان کے بالکل متضاد بلکہ متناقض عقیدہ ہے۔ عقیدہ جداگانہ نوع کو مستدل و مبصر بنی کرنے سے پہلے چند ضروری امور کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ کتاب اصول الشریعہ ص ۲۱۱ کے مندرجہ ذیل تحریریں دقت نوع کو مقابلہ فوراً در سے دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

باب دوم :- در بیان اینکه آیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام نوری ہیں یا بشر؟

اس عنوان سے ظاہر ہے کہ ان ندبات مقدمہ کے لئے درجی صورتیں تصور ہو سکتی ہیں یا نور تسلیم کیجئے یا بشر مانئے۔ چونکہ انہوں نے اپنا عقیدہ بعض اعلام کے تضاد کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کہ پیغمبر و ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی نوع علیحدہ نہیں ہے بلکہ اسی نوع کے اکل افراد ہیں۔ یعنی بلند مرتبہ بشر ہیں۔ یعنی نور نہیں ہیں۔ مسئلہ نوع کا سمجھنا اس عقیدہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے بطور مقدمہ جنس و فصل اور نوع کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ ان مصطلحات کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

ذاتی :- جو کسی شے کی حقیقت کا جزو نہ ہو جس کے بغیر اس کا وجود ناممکن ہو۔ جیسے "انسان" یہ دو جزو کا مجموعہ ہے۔ حیوان اور ناطق۔ حیوان سے مراد ذمی حیات اور ناطق سے مراد مدک معقولات ہے اگر ان دونوں میں سے کوئی جزو کم ہو جائے تو وجود انسان ناممکن ہے۔ لہذا وجود حقیقت انسان کے لئے ان دونوں کا جزو ضروری ہے۔

عرضی :- جو کسی شے کی حقیقت کا جزو نہ ہو بلکہ اس کی حقیقت سے خارج ہو۔ جیسے "علم کتابت و قراءت" یہ صفت حقیقت انسان سے خارج ہے۔ ذات انسان کا جزو نہیں ہے۔ یعنی جاہل کتابت و قراءت بھی انسان ہوتا ہے۔

ذاتی کی تین قسمیں ہیں۔ جنس۔ فصل۔ نوع۔

جنس۔ کسی شے کی حقیقت کے اس جزو ذرات کو کہا جاتا ہے جو مختلف الحقیقت افراد پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے لفظ حیوان (رذی حیات) انسان اور جانور دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کی حقیقتیں جدا جدا ہیں۔ اسی طرح لفظ جسم دونوں کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ دونوں کی حقیقت علیحدہ ہے۔ انسان جانور نہیں اور جانور انسان نہیں مگر جسمیت اور حیوانیت میں دونوں مشترک ہیں۔ لہذا کسی ایک جزو میں اشتراک سے حقیقتیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے جنس کی یہ تعریف ہے۔ ”ہذا المقول علی اکثرین مختلفین بالحقائق فی جواب ماہور“ یعنی جو مختلف الحقائق افراد کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔

فصل ۱۔ جو کسی شے کی حقیقت کا ایسا جزو ہو جو دوسری حقیقتوں کے افراد کو اس سے جدا اور متنازع کر دے جیسے انسان کا ایک جزو ناطق ہے جو اس کو جانور سے جدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جانور مدرک معقولات نہیں ہے۔ لیکن دوسرا جزو حیوان ہے جو انسان اور جانور میں مشترک ہے۔ مگر کرنے والا جزو فصل کہلاتا ہے۔ اور مشترک کرنے والا جزو جنس کہلاتا ہے۔ جنس کی مختصر تعریف مابہ الاشتراک اور فصل کی۔ مابہ الامتیاز کی گئی ہے۔

نوع :- جو ایسے افراد پر اطلاق کیا جائے جن کی حقیقتیں ایک ہوں۔ اس کی تعریف یہ ہے ہوا المقول علی کثیرین متعینین بالحقائق فی جواب ماہور۔ مثلاً انسان مرتکب ان ہی افراد کے لئے اطلاق کیا جائے گا جن میں حیوان اور ناطق دونوں جزو موجود ہوں۔ جیسے زید۔ عمرو۔ بکر وغالہ ان سب کی حقیقت ایک ہے۔ ان میں ایک جزو حیوان ہے جو انسان اور جانور دونوں مختلف الحقیقت کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا جزو ناطق ہے جو جانور سے انسان کو جدا کر دیتا ہے۔ ان دونوں جزو کے مجموعہ کا نام نوع ہے۔ یعنی نوع میں ایک جزو جنس کہلاتا ہے جو دونوں میں مشترک ہے۔ اور ایک جزو فصل ہوتا ہے۔ جو دونوں کو متنازع کرتا ہے۔ جن افراد میں یہ دونوں جزو ہوں وہ ایک نوع کے افراد کہلاتے ہیں۔ فلا تفعل۔

جداگانہ نوع کے دلائل

دلیل (۱) بنی اور امام میں دو جزو ہوتے ہیں۔ ایک جزو بشریت ہے جو اس کے اور امت کے درمیان مشترک ہے۔ اور دوسرا جزو کمال ذاتی مدعانی ہے جو سبب دجی والہام ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نبوت و امامت کا عہدہ عطا ہوتا ہے۔ بشریت ان کی جنس ہے جو ان میں اور امت میں مشترک ہے

ادمکمال ذاتی روحانی ان کی فصل ہے جو امت سے انہیں جدا اور ممتاز کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقت بشر میں یہ کمال ذاتی روحانی مانو و مشروط نہیں ہے بلکہ حقیقت بشر سے جدا گانہ خارج از ذات ہے درجہ بر بشر نبی و امام ہوتا۔ مگر نبی و امام کو بشریت دے کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ اور ان کو بشریت اس وقت دی جاتی ہے جب ان کی امت بشر ہو کہیں جب ملائکہ یا عالم ارواح ان کی امت ہوں۔ تو بشریت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے یہ حضرات تخلیق بشر سے پیشتر نبی و ہادی تھے۔ جب کہ ابوالبشر سید اجمعی نہیں ہوئے تھے (کتبت نبیاً و آدم بین المائ و الطین) لہذا ان کی نوع علیہم ہے دلیل نمبر ۱۲۔ جناب علامہ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنے اعتقاد میں تحریر فرمایا ہے (ص ۹ طبع ایران) وفعقد ان الله تبارك وتعالى خلق جميع الخلق له ولا هليته وانه لولا هم لما خلق الله سبحانه السموات والارض ولا الجنة ولا آدم ولا حواء ولا الملائكة ولا شيئاً مما خلق صلوات الله عليهم اجمعين۔ اور ہمارا اعتقاد ہے بالتحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو اس حضرت اور ان کے طبیعت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ حضرات موجود نہ ہوتے تو اللہ سبحانہ ہرگز آسمانوں اور زمین و جنت و نار اور جناب آدم و حوا کو پیدا نہ کرتا اور نہ ملائکہ ہی کو پیدا کرتا بلکہ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے وہ کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

اس اعتقاد سے ثابت ہوا کہ ان کی حقیقت وجودیہ اولیہ کائنات سے جدا گانہ ہے۔ لہذا نوع علیہم ہے نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرمایا ہے۔

دلیل نمبر ۱۳۔ وان الله بعث نبیه محمد اللہ علیہ السلام الذی ان الله عز وجل اعطى ما اعطى كل نبی علی قدر معرفته ومعرفته نبینا محمد و سبقه الی الاقلام به (ص ۹ طبع ایران)

اور ہمارا یہ اعتقاد ہے بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ کو عالم ذریں ارواح انبیاء کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اللہ عز وجل نے ہر ایک نبی کو جو مرتبہ بھی عطا فرمایا وہ اپنی معرفت اور اپنے نبی محمد مصطفیٰ کی معرفت اور اقرار میں سبقت کی مقدار کے مطابق عطا کیا۔

جناب علامہ صدوق کے بیان سے واضح ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خلقت ابوالبشر سے پیشتر ہی نبی و ہادی تھے جب کہ بشریت کا وجود ہی نہ تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام عالم ذریں ان کی امت تھے۔ لہذا یہ حضرات نوع بشر نہیں ہیں بلکہ ان کی نوع تمام کائنات سے جدا گانہ ہے کیونکہ ان کی حقیقت

وجودیہ اولیہ تمام مخلوقات کے اجزائے تخلیق سے مقدم ہے لہذا ان کی نوع علیہ ہے۔

دلیل نمبر ۴۔ قال ابو جعفر علیہ السلام فنحن اول خلق الله واول خلق عبد الله

وستجہ ونحن سبب خلق الخلق وسبب تسبیحهم وعبادتهم وللانکة

والادمیین فبنا عرف الله وبنانا وحد الله الخ (بحار الانوار جلد ۷ ص ۲۴۵)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم اول مخلوق خدا ہیں اور خدا کی تسبیح و عبادت کرنے میں ہم

ہی اول مخلوق ہیں۔ اور خلقت کائنات کا سبب اور ان کی عبادت و تسبیح کا سبب بھی ہم ہیں فرشتوں

کے لئے بھی اور آدمیوں کے لئے بھی۔ ہمارے ہی ذریعہ معرفت تو حید خدا و جمیع مخلوقات کو حاصل ہوئی ہے۔

حدیث معصومہ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ حضرات تمام ملائکہ اور تمام بنی آدم بلکہ کل کائنات و

مکونات سے پہلے موجود تھے۔ اور پہلے عبادت و تسبیح خدا تھے۔ لہذا ان کی حقیقت تمام کائنات کی حقیقتوں

سے جدا گانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع علیہ ہے۔

دلیل نمبر ۵۔ حضرت علامہ مجلسی مد غرض بحار اخبار اہل بیت اطہار نے اپنی کتاب اعتقاد (ولیلیہ) میں

تحریر فرمایا ہے۔ ص ۶۴

ما کان فی غایۃ البعد عن جناب قدسیہ وحریم ملکوتہ وما کان ماثلین

بسلطۃ عزہ وجبروتہ فلا بد ان یکون بیننا و بین ربنا سفراء وحب

فوجہات قدسیہ وحوالات بشریہ یکون لہم بالجهات الاولیٰ ارتباط

بالجناب الاعلیٰ یاخذون عنہ الاحکام والحدود ویکون لہم بالجهات

الثانیۃ مناسبتہ للخلق یلقون الیہم ماخذوا عن ربہم فلذا

جعل اللہ سفرائہ وانبیاءہ ظاہراً من جنس البشر وباطناً

مباینین عنہم۔

جب کہ ہم اس کی بارگاہ قدس اور درگاہ ملکوت سے انتہائی بُعد میں تھے۔ اور اس کی عزت و جبروت

کے صحن تک رسائی ناممکن تھی تو اعمال ضروری ہوا کہ ہمارے اور حق سبحانہ کے درمیان سفیر اور مہدیان

مجاہد ہوں۔ یعنی جن کی ایک طرف اس سے اور دوسری ہم سے تعلق رکھتی ہو۔ جن میں کمالات تدریج

بھی ہوں اور حالات بشریہ بھی۔ کمالات تدریج کی وجہ سے ان کا رابطہ خدا کی بارگاہ اعلیٰ سے ہو۔ تاکہ

اس کے احکام اور حکمتیں حاصل کریں۔ اور حالات بشریہ کی وجہ سے لوگوں سے مناسبت رکھتے ہوں

تاکہ جو کچھ اپنے رب سے حاصل کیا ہے لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی سبب سے خداوند عالم نے اپنے سفراء

اور انبیاء کو ظاہر میں جنس بشر سے بنایا ہے۔ اور باطن میں بالکل ان کے سبب سے یعنی جداگانہ بنایا ہے۔
اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ نبی و امام ظاہر میں بشر ہیں۔ باطن میں ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔
لہذا صرف جنس میں مشارکت ہے نوع ان کی جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۶۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مجدد مذہب شیعہ نے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے جلد ۷ ص ۷۰
قلحب واقضنی حکمتہ البالغۃ ان یعرف خلقہ خلقہ بالتوحید ویخصوہ بندہ
لمیکن ذلک ممکنا الا بارسال الرسل لما قد تمہد من کمال علوہ
ونہایۃ سموہ والخطا ط درجۃ المکلفین وجہلہم وعجزہم
فلذا جعل بینہ و بین خلقہ سفراء لفیض علیہم من جہۃ کما
لہم ویفیضوا علی الخلق من جہۃ بشریتہم ومجاۃتہم لہم۔
خداوند عالم نے چاہا اور اس کی حکمت بلند بالا مقضی ہوئی کہ اپنے مخلوقات کو اپنی توحید کی
معرفت کسانے اور مخلوقات اس کی مخصوص شان توحید کو سمجھیں۔ یہ مقصد حاصل ہونا اس کے بغیر
ناممکن تھا کہ وہ مخلوقات کی طرف اپنے سفیر بھیجے کیونکہ یہ امر بالیقین ستم ہے کہ حق سبحانہ انتہائی
بلندی رکھتا ہے۔ اور کھفین اپنی جہالت و عجز کی وجہ سے انتہائی پست درجہ رکھتے ہیں۔ لہذا
اس نے اپنے اور مخلوقات کے درمیان سفراء پیدا کئے۔ جن پر ان کے کمال ذاتی کی وجہ سے خود
فیضان کرتا ہے اور وہ بشریت اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے مخلوقات پر فیضان کرتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہے کہ سفراء درجہ امام خداوند عالم اور اُن کے بندوں کے درمیان جداگانہ مخلوق
بنائے گئے۔ ان کا ایک جزو کمال ذاتی روحانی ہے جس کی وجہ سے وہ براہ راست خدا سے فیوض حاصل
کرتے ہیں۔ یہ کمال ذاتی روحانی بندوں میں نہیں ہے۔ اور دوسرا جزو بشریت و مجاہت (مجتہد ہونا)
ہے جس کی وجہ سے بندوں پر فیضان کرتے ہیں۔ اور بندے ان سے مانوس ہو کر فیض حاصل کرتے
ہیں۔ ان کی حقیقت بندوں سے جداگانہ ہے۔ صرف جنس میں مشارکت ہے۔ لہذا ان حضرات کی نوع
علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۷۔ جناب علامہ ابوالحسن نے مقدس تفسیر قرآن مرآۃ الانوار مشکوٰۃ الاسرار میں تحریر فرمایا
ہے۔ ص ۲۱۔

من الجہۃ الروحانیۃ الی لبہا کافوا قایلین للفیوضات الی اختصت
بہم وبہا صاموا واساط الاستفادۃ من طرف اللہ تعالیٰ کما انہم

بعلہ الجہۃ البشریۃ کانوا وسائط ایصال احکام اللہ تعالیٰ وغیرہا
الی الخلق ولکن فہم حقیقۃ ہذا مما لا تصل عقولنا - فلا تفعل۔
یہ حضرات اپنے جنبۃ روحانی کے سبب ایسے فیوضات خداوند عالم سے حاصل کرتے ہیں۔ جو
ان ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ نیز اسی جنبہ کی وجہ سے مخلوقات کے لئے بھی ان کا وسیلہ
بن کر خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں جس طرح جنبۃ بشریت کی وجہ سے انہیں احکام خدا اور
حکمتیں پہنچانے میں خدا کا وسیلہ بنتے ہیں۔ یاد رکھو اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے عقول کی رسائی
سے بالاتر ہے۔ لہذا غفلت نہ کرنا۔ ص ۲۱۔

اس بیان سے واضح ہے کہ یہ حضرات اپنے کمال ذاتی روحانی کی وجہ سے اپنے لئے بھی خدا سے
فیوض حاصل کرتے ہیں۔ اور بندوں کے لئے بھی۔ کیونکہ بندے براہ راست خداوند عالم سے احکام
وغیرہ حاصل نہیں کرسکتے۔ لہذا یہی ذواتِ مقدسہ حصول فیوض میں بندوں کا وسیلہ ہیں اور چونکہ خداوند عالم
خود براہ راست بندوں کو اپنے احکام نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے جنبۃ بشریت کی وجہ سے یہ حضرات
خدا کا وسیلہ بن کر بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ وسیلہ میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ وسیلہ ہی نہیں بن
سکتا۔ ایک جہت سے اُس کا تعلق خدا سے ہوتا ہے مگر دوسری جہت سے اس کا تعلق مخلوقات سے
ہوتا ہے۔ لہذا نبی و امام بندوں کا وسیلہ ہیں۔ ان کے لئے خدا سے احکام حاصل کرنا میں اور خدا کا
وسیلہ ہیں بندوں کو اس کی طرف سے احکام پہنچانے میں۔ بندوں کے لئے بذاتِ خود براہ راست
خدا سے احکام حاصل کرنا محال ہے۔ اس لئے خدا سے ان کے لئے احکام حاصل کرنے میں ان کا وسیلہ
ہیں۔ اور خداوند عالم کے لئے بذاتِ خود براہ راست ان کو اپنے احکام پہنچانا محال ہے۔ اس لئے اس
کے احکام بندوں کو پہنچانے میں اس کا وسیلہ ہیں۔ خداوند عالم کا بذاتِ خود اپنے احکام بندوں تک
براہ راست نہ پہنچانے کے دلائل عقلیہ اس قدر ہیں کہ ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ فی الحال دو حدیثیں
پیش کی جاتی ہیں۔ جو دلائل عقلیہ پر مشتمل ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا۔

ویل نمبر ۸۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فان هذا من
المحال الذی لا خفاء بہ وان ما بنا عز وجل لیس کا لمخلوقین
یحیی ویذہب ویتحرك ویقابل شیدا حتی یوتی بہ (احتیاج طبرسی ص ۳)
ایک سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کر ہمارے سامنے لائے تاکہ اس سے گفتگو کر جائے
آں حضرت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ امر محال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ اور ہمارا رب

اجل وارفع ہے۔ مخلوق کی طرح نہیں ہے کہ اُٹے اور جاگئے اور حرکت کرے مادہ کسی شے کے مقابل ہوتا کہ اسے لا جا سکے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خداوند عالم بذاتِ خود براہِ راست بندوں تک نہیں آسکتا
 دیندہ خدا نہیں لہذا خدا اور کائنات کے درمیان وسیلہ کی نوعِ علیحدہ ہے۔
 دلیل نمبر ۹ :- حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

اننا اذا ثبتنا ان لنا خالقاً صانعاً متعالياً عنا وعن جميع ما خلق و
كان ذلك الصانع حكيماً لم يجز ان يشاهده خلقه ولا ان يلامسوه
وان يباشرهم ويباشروه ويحاجهم ويحاجوه ثبت ان له سفراء
في خلقه وعبادة (احتاج لمصر مثلاً)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک زمین کے میں جب وجود صانع ثابت کر دیا تو اس نے سوال کیا کہ نبی و امام کا وجود کس طرح ثابت ہے۔ حضرت نے فرمایا جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہمارے لئے خالق و صانع ہے اور وہ تمام مخلوقات سے بلند و بالا ہے تو مخلوقات کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کا شاہد ہو کر سکیں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کو چھپ سکیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے ہم صحبت ہوں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے باخبر نہ کریں۔ صانع عالم چونکہ حکیم ہے اس لئے اس نے اپنی مخلوقات اور اپنے بندوں کے لئے اپنے سفر و پیدا کئے لہذا اس کے سفر (نبی و امام) کا وجود ثابت ہے۔

دونوں معصوموں کے بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ مختلف اوقات اور مختلف کے درمیان جو ہستیاں واسطو
وسیلہ ہیں ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہذا یہ حضرات جداگانہ نوح ہیں۔

دلیل ۱۰ :- حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے "ایضاً" میں مزید تشریح فرمائی ہے۔ ص ۶۷۔

انهم وسائط فيوض الله تعالى في هذه النشأة والنشأة الاخرى اذ هم
القابلون الفيوضات الالهية والرحمان المقدسية وتوسطهم تفيض
الرحمة على سائر الموجدات وهذه هي الحكمة في لزوم الصلوة
عليهم والتوسل بهم في كل حاجة لانه اذا صلى عليهم لا يرد كان
المبدء فياض والمحل قابل وببركتهم تفيض على الداعي بل على

جميع الخلق -

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے فیوض کا واسطہ و وسیلہ ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کیونکہ یہی ذوات مقدسہ فیضات الہیۃ اور رحمت تدبیر کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان ہی کی وساطت سے تمام موجودات کو فیض رحمت پہنچتا ہے۔ یہی حکمت ہے ان حضرات پر صلوٰۃ لازم قرار دینے اور ہر حاجت میں وسیلہ بنانے کی۔ جب ان پر صلوٰۃ جاری ہوتی ہے تو وہ رو نہیں کی جاتی۔ کیونکہ مبداء و خدا فیاض ہے۔ اور محل و محمد و آل محمد قابلیت و صلاحیت حصول فیض رکھتے ہیں۔ اور ان ہی ذوات ظاہرہ کی برکت سے خود داعی یعنی صلوات پڑھنے والے کو بھی فیض ملتا ہے بلکہ جمیع موجودات پر ان ہی کی برکت سے فیض جاری ہوتا ہے۔

اس عبارت سے دور روشن کی طرح ثابت ہے کہ خدا کے تمام مخلوقات، کے لئے ان ہی حضرات کی برکت سے فیض جاری ہوتا ہے۔ یہ حضرات خداوند عالم اور اس کے وسیع نعمات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ ان کی حقیقت تمام کائنات سے جدا ہے۔ لہذا جداگانہ نوع ہیں۔

ولیل نمبر ۱۱ :- نیز علامہ محمد روح علیہ الرحمہ نے لیلیۃ ہی میں تحریر فرمایا ہے ص ۶۸ -

فَكَذَلِكَ فِي امْنَاضَةِ سَائِرِ الْفِيوضِ وَالْكَمَالَاتِ هُوَ وَسَائِطُ بَيْنِ
بَعْضِهِمْ وَبَيْنِ سَائِرِ الْمَوْجُودَاتِ فَكُلُّ فَيْضٍ وَجُودٍ يَبْلُغُهُ وَبَعْضُهُمْ
عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثُمَّ يَنْقَسِمُ عَلَى الْخَلْقِ -

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام تمام فیوض اور تمام کمالات کو تمام موجودات تک پہنچانے میں اپنے رب اور تمام موجودات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ ہر ایک فیض و عطا پہلے ان حضرات تک پہنچتا ہے۔ پھر کائنات پر ان ہی کے ذریعہ تقسیم ہوتا ہے۔

اس عبارت سے واضح و آشکار ہے کہ ایک جانب خدا اور دوسری جانب کل مخلوقات و موجودات ہیں۔ اور یہ حضرات ان دونوں کے درمیان ہیں۔ ان حضرات کی حقیقت تمام موجودات سے جداگانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع تمام کائنات سے علیحدہ ہے۔

ولیل نمبر ۱۲ :- نیز علامہ محمد روح نے لیلیۃ میں تحریر فرمایا ہے ص ۶۹ -

فَهُمُ رُوحَانِيُونَ مُقَدَّسُونَ قَائِلُونَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مُّشْكَلٌ لِّمَا يَنْفَرُ
عَنْهُمْ اَتَتْهُمْ وَلَقِبُوا مِنْهُمْ دِيَانِسُوا بِهِمْ لَوْ كُنْهُمْ مِنْ
جَنْبِهِمْ وَشُكِّلَهُمْ -

یہ حضرات مدد مانی اور قدوسی مطلق ہیں۔ انہما انابش مثلکہ، ہم بشریت میں تمہاری طرح ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی اُمت ان سے دُور نہ بھاگے۔ ان کی درایات کو قبول کرے۔ اور ان سے مانوس رہے۔ اسی لئے یہ دعوت مقدس اُمت کی جنس اور شکل میں تشریف لائے ہیں۔ اس بیان سے مزید توضیح کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ان حضرات کی حقیقت جداگانہ ہے۔ صرف شکل و صورت میں مشابہت ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ اُمت مانوس رہے۔ اور استفادہ کرے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ نوع کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب ان کی حقیقتیں ایک ہوں۔ مگر ان ذوات عالیہ اور اُمت کی حقیقتیں جدا جدا ہیں۔

موقف اصول الشریعہ نے حدیث پر علامہ مجلسی رح کی جلالہ قدر علمی کا بایں عبارت اقرار کیا ہے، سکاہ علامہ قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی ہی شیوہ آپ کی فرائض کا انکار نہ کرے کی جرات و جسارت نہیں کر سکتا۔

اس اقرار نامہ کے بعد جداگانہ نوع کا انکار موقف کو شیعیت سے خارج کر دیتا ہے۔ قوم فیصلہ کرے کہ علامہ مجلسی کا عقیدہ درست ہے یا مرتف کا۔

دلیل نمبر ۱۱:۔ جناب علامہ بحرانی علیہ الرحمہ نے حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کی خلقت نوری اور جداگانہ نوعیت تخلیق کے سلسلہ میں علماء احادیث تحریر فرمائی ہیں جو غایۃ الامام نور تفسیر البرہان میں درج کی ہیں۔

پانچویں حدیث مندرجہ ذیل ہے

عن الامام العالم موسیٰ بن جعفر کاظم قال ان الله تبارك وتعالى خلق نور محمد من نور اخترعه من نور عظمتہ و جلالہ وهو نور لا هو قی الذی بدء منه و تجلی موسیٰ بن عمران لطلب رویتہ فما ثبت له و خرساعقا مغشیا علیہ و کان ذلك النور نور محمد فلما اراد ان یخلق محمدا منه قسم ذلك النور شطون فخلق من الشطر الاول محمداً و من الشطر الاخر علی ابن ابی طالب و لم یخلق من ذلك للنور غیرهما خلقهما الله بیده و نفخ فیہما بنفسه لنفسه و صورهما علی صور تهما و جعلهما امنا و له و شهداء علی خلقہ و خلیفہ علی خلیفہ و عیثا له علیہم و لسانا له الیہم قد استودع فیہما علمہ و علمہما البیان و استطاعہما علی غیبہ و جعل لهما

نفسہ والا خیر روحہ ولا یقوم واحد بغير صاحبہ ظاہرہا بشریۃ
 وباطنہا لاہوتیہ ظہر الخلق علی ہیاکل الناسوتیۃ حتی
 یطیقوا ذنبتہما وهو قولہ تعالیٰ وللبنساعلیہم ما یلبسون فہما
 مقام رب العالمین وحجا با خالق الخلائق اجمعین بہما فتحبدہ
 الخلق وبہما یختم الملک والمقادیر ثم اقتبس من نور محمد
 فاطمۃ بنتہ علیہما السلام کما اقتبس نورہ من نورہ واقتبس
 من نور فاطمۃ وعلی الحسن والحسین علیہما السلام کما اقتباس المصابیح
 ہم خلقوا من الانوار وانتقلوا من ظہر الی ظہر ومن صلب الی
 صلب ومن رحم الی رحم فی الطبقة العلیا من غیر نجاسة
 بل نقل بعد نقل لا اذہ من ماء مہین ولا نطفۃ جشرة کما تر
 خلقہ بل انوار انتقلوا من اصلاب الطاہرین الی ارحام المظہرات
 لانہم صفوۃ الصفوۃ اصطفوا من نفسہ وجعلہم خزان علیہ
 وبلغا عنہ الی خلقہ اقامہم مقام نفسہ لا یرى ولا یدرک ولا
 تعرف اینتہ فہولاء الناطقون المبلغون عنہ المتصرفون فی امرہ
 ونہیہ فہم ینظہر قدرہ ومنہم تری آیاتہ ومعجزاتہ فہم
 ومنہم عرف عبادہ ونفسہ وبہم یطاع امرہ ولولاہم ما عرف اللہ
 ولا یدرک کیف یعبد الرحمن فاللہ یجرى امرہ کیف یشاء فیما یشاء لا
 یسئل عما ینفعل وہم یشلون (البرہان منہ غایۃ المہرام ص ۱۰)

امام عالم حضرت موسیٰ بن جعفر الاعظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے
 نور محمد کو ایسے نور سے پیدا کیا جس سے اس کی عظمت و جلال کا ظہور ہوتا ہے یہی وہ نور لاہوتی
 (وجود اور فعل میں مادہ سے بالاتر) ہے جو ان سے ظاہر ہوا۔ اور موسیٰ بن عمران کے طلب رؤیت
 کے وقت جس کی تجلی ہوئی کہ حضرت موسیٰ برداشت نہ کر سکے۔ غش کھا کر گئے۔ یہی نور نور محمد
 ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس نور سے حضرت محمد کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کے
 دو حصے فرمائے۔ ایک جنت سے محمد کو اور دوسرے جنت سے علی ابن ابی طالب کو پیدا کیا۔ اور
 ان دونوں کے سوا کسی بھی مخلوق کو اس نور سے پیدا نہیں کیا۔ خداوند عالم نے اپنے دست قدرت

سے ان کو خلق کیا۔ اور نبات خود اپنی ہی ذات کے لئے ان میں نفع دیتا کیا۔ اور ان کو مخصوص صورت میں بنایا۔ اور ان کو اپنا امین قرار دیا۔ اور اپنی خلق کا گروہ بنایا۔ اور مخلوقات پر اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کو اپنی چشم نگران اور اپنی زبان کو بنایا۔ تاکہ مخلوقات کو اسی کا پیغام پہنچائیں۔ ان دونوں کو اپنا علم و وحیت فرمایا۔ اور بیان کی تعلیم دی اور اپنے غیب پر ان کو سلیقہ فرمایا۔ ان میں سے ایک کو اپنا نفس اور دوسرے کو موت بنایا۔ اور ان میں ایسا تعلق پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں کا ظاہر بشریت ہے اور باطن لامعوت ہے۔ یہ دونوں انسانی شکل میں اس لئے ظاہر ہوئے کہ مخلوقات ان کے دیار کی تاب لا سکیں۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم فرشتوں کو بھیجتے تو مردوں کی صورت میں بھیجتے۔ اور انہیں لباس بشری میں ملبوس کر کے بھیجتے۔ یہ دونوں رب العالمین کے قائم مقام ہیں۔ اور تمام مخلوقات کے خالق کے لئے دونوں حجاب ہیں۔ یعنی ان کی ایک طرف خالق سے اور ایک طرف مخلوق سے رابطہ رکھتی ہے۔ ان ہی دونوں سے خدا نے کبر خصل کا افتتاح کیا۔ اور ان ہی پر اپنے ملک اور مقدرات کو ختم کر کے کا۔ یعنی یہی حضرات سلسلہ بدویں اول اور سلسلہ عدویں آخر ہیں۔ پھر خداوند عالم نے نور محمد سے ان کی بیٹی فاطمہ کو اخذ کیا۔ اسی طرح جس طرح اپنے نور سے نور محمد کو اخذ کیا۔ اور نور فاطمہ اور نور علی سے حسن و حسین کو اخذ کیا۔ یہ اخذ اس طرح کیا۔ جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات انوار ہی سے پیدا ہوئے۔ اور ایک پشت سے دوسری پشت اور ایک رحم سے دوسرے رحم کی طرف بلند و بالا طبقہ میں منتقل ہوئے۔ ان کو کسی قسم کی کوئی نجاست مس نہیں ہوئی بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے یہ حضرات ہرگز ذلیل بانی اور نجس لفظ سے نہیں بنے۔ جس طرح دیگر تمام لوگ بنے ہیں بلکہ یہ انوار ہی انوار اصلاب ظاہر ہیں سے ارحام مطہرات کی طرف منتقل ہوئے۔ کیونکہ یہ پاک و پاکیزہ سبتوں میں سے ہیں پاکیزہ تر منتخب ہوئے ہیں۔ ان کا اصطفا، خود اپنی ذات کے لئے فرمایا۔ انہیں اپنے علم کا خزانہ قرار دیا۔ اور اپنی مخلوقات کے لئے ان کو اپنا پیغام رسان بنایا۔ ان کو ہی اپنا قائم مقام بنایا کیونکہ وہ خود نہ تو دکھائی دیتا ہے۔ اور نہ عقول کی اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس کی حقیقت ذات کی معرفت ممکن ہے۔ یہی حضرات اس کے ناظر پیغام رسان ہیں۔ اس کے اردوئی کا اختیار ان ہی کو حاصل ہے۔ ان ہی کے ذریعہ اس کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس کے آیات و معجزات بھی ان ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ سے اپنی ذات کی معرفت کرائی ہے ان ہی کے ذریعہ اس کے امر کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا اور یہ معلوم

نہ ہر کتا کہ عبادتِ رحمن کس طرح کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امکر کس طرح چاہے اور جس میں چاہے جاری کرتا ہے اس کے افعال کی اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی مگر لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ اس حدیث مبارک سے چند مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۴ :- حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کی خلقت نوری اس نور سے ہے جس سے کسی بھی نوری مخلوق کو پیدا نہیں کیا گیا۔ یعنی ان کی حقیقت نوریہ بھی تمام مخلوقات نورانیہ سے جدا گانہ ہے۔ لہذا ملائکہ کی حقیقتوں سے بھی ان کی حقیقت جدا ہے۔ لہذا یہ نوریہ ملائکہ میں بھی داخل نہیں چر جائیکہ نوریہ بشری میں داخل ہوں نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نور کے اقسام ہیں۔ ان کی قسم نور جدا گانہ ہے۔ لہذا نور ان کے لئے جدا گانہ حقیقت ہے۔ لہذا جن اشیاء کے لئے لفظ نور استعمال ہوا ہے۔ ان کا نور حقیقت ہے۔ دیگر ان کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔

دلیل نمبر ۱۵ :- ان ذواتِ عالیہ کو ظاہری شکل بشری میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگ ان کی زیارت بھی کر سکیں۔ اور احکامِ خداوندی کا استفادہ بھی در ذل ان کے نور کی تجلی سے مخلوقات بے ہوش ہو جاتی جیسا کہ موسیٰ بن عمران تاب نہ لاسکے۔ حالانکہ وہ نبی تھے۔ لہذا ان کے نور جدا گانہ ہے صرف شکل و صورت بشری میں اشتراک ہے۔

دلیل نمبر ۱۶ :- یہ حضرات اپنی تخلیق نوری میں نبی و امدی اور معلّم ملائکہ و امداح تھے۔ یہی وجود نوری ان کا حقیقی وجود ہے جو قبل از خلق ہے۔ اور مع الخلق ہے اور بعد الخلق بھی ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے (الحجة قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق) یعنی محبت خدا کا وجود خلق خدا سے پیشتر ہوتا ہے تاکہ خلق خدا یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمارا امدی نہ تھا۔ اس لئے ہر زمانہ میں خلق خدا کے ساتھ بھی محبت خدا کا وجود رہتا ہے۔ اور مخلوقات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی محبت خدا کا وجود رہتا ہے۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔ کیوں کہ ان کی اور تمام مخلوقات کی حقیقتیں جدا ہیں۔

دلیل نمبر ۱۷ :- یہ حضرات عالمِ امداح میں شکل روحانی اور عالمِ ملکوت میں شکل ملکوتی اور عالمِ نور میں شکل نورانی ہادی بن کر تشریف لائے اور جب عالمِ ناسوت میں تشریف لائے تو یہ شکل ناسوتی میں تشریف لائے۔ جس جس طرح آمت تبدیل ہوتی گئی۔ ان کی شکل ظاہری تبدیل ہوتی گئی۔ لیکن حقیقت اولیہ روحانیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یعنی صرف ظاہری لباس بدلتا رہا۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۸ :- ان ذواتِ مقدسہ کی حقیقت نورانیہ روز خلقت سے آج تک موجود ہے جو فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کے آثار بھی موجود ہیں جو فنا نہیں ہوئے لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۹:- یہ حضرات نور سے نور اس طرح بنتے رہے جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے اور ایک صلب سے دوسرے صلب اور ایک نرم سے دوسرے نرم میں اس طرح منتقل ہوتے رہے جس طرح کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۰:- ان فعاتِ طاہرہ کی منتقل ذلیل پانی اور بخیر نطفہ سے نہیں ہوتی جس طرح تمام لوگوں کی خلقت ہے۔ ان کو کسی قسم کی نجاست چھو نہیں سکتی۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ ان کا اجہم جس پر ہونا ہی تولید کا باعث ہے جس طرح جبریل بشری شکل میں بی بی مریم کے پاس آئے۔ اور ان سے مس ہوئے تو جناب عیسیٰ کی تولید ہو گئی۔ جیسے چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۲۱:- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ خلقنا اللہ حیث لا سماء مبنیة ولا ارض مذحیة ولا عرش ولا جنة ولا نار کنا بنحس حین لا تسبح ونقدسہ حین لا تقدسین فلما امر اللہ بد والصنعة فتق نوری فخلق العرش فنور العرش من نوری ونوری من نور اللہ وانا افضل من العرش ثم فتق من نور علی ابن ابی طالب فخلق منه الملائكة فنور الملائكة من نور علی بن ابی طالب ونورہ من نور اللہ ونور علی ابن ابی طالب افضل من الملائكة ثم فتق نور ابنتی فاطمة فخلق منه السموات والارض والسموات والارض من نور ابنتی ونور ابنتی من نور اللہ عز وجل وابنتی فاطمة افضل من السموات والارض ثم فتق من نور ولدی الحسن فخلق منه الشمس والقمر فالشمس والقمر من نور ولدی الحسن ونور ولدی الحسن من نور اللہ والحسن افضل من الشمس والقمر ثم فتق من نور ولدی الحسين فخلق منه الجنة والحدود العین (الی ان قال) فاخرج اللہ من نور فاطمة قنادیل فخلقها فی بطنان العرش فاذهرت السموات والارض فاوحی اللہ الیہا هذا نور اخترعته من نور جلالی لامتی فاطمة بنت جیبی وزوجة ولی واخ نبی واب ججی علی عبادی اشهدکم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم

و تقدیم کردہ امر و شیعتہا و مجیبہا الی یوم القیامۃ (غایۃ المرامل)
 حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہمیں خداوند عالم نے خلق فرمایا جبکہ نہ شامیانہ
 ملک تھا۔ نہ فرش زمین نہ عرش تھا۔ نہ جنت نہ نار۔ ہم تسبیح کرتے تھے جب کہ تسبیح کا وجود
 نہ تھا۔ ہم تقدیس کرتے تھے جب کہ تقدیس کا وجود نہ تھا۔ جب خداوند عالم نے صنعت کا
 افتتاح کیا تو میرے نور کی شعاع سے عرش کو خلق کیا۔ وہ میرے نور کی شعاع ہے۔ اور میرا
 نور نور خدا کی شعاع ہے۔ میں عرش سے افضل ہوں۔ پھر نور علی ابن ابی طالب کی شعاع
 سے ملائکہ کو پیدا کیا۔ وہ شعاع نور علی ہیں۔ اور نور علی نور خدا کی شعاع ہے۔ علی ملائکہ سے
 افضل ہیں۔ پھر میری بیٹی فاطمہ کی شعاع نور سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نور فاطمہ شعاع
 نور خدا ہیں۔ فاطمہ سموات وارض سے افضل ہیں۔ پھر میرے فرزند حسن کے نور کی شعاع
 سے شمس و قمر کو پیدا کیا یہ دونوں شعاع نور حسن ہیں۔ اور حسن کا نور شعاع نور خدا ہے۔ اور وہ
 شمس و قمر سے افضل ہیں۔ پھر میرے فرزند حسین کے نور کی شعاع سے جنت اور حرا العین
 کو پیدا کیا۔ یہ دونوں میرے فرزند حسین کی شعاع نور ہیں۔ اور حسین کا نور شعاع نور خدا ہے
 حسین افضل ہیں جنت و حرا العین سے۔ اس کے بعد ان حضرت نے فرمایا کہ خداوند عالم نے
 شعاع نور فاطمہ سے قندیل روشن کئے اور انہیں جو عرش میں معلق فرمایا۔ جن کی
 روشنی سے تمام آسمان و زمین روشن ہو گئے (اس لئے آپ کا لقب زہرا ہے) پس
 خداوند عالم نے تاریکوں کو روشن فرما کر ملائکہ سے فرمایا۔ اے ملائکہ یہ وہ نور ہے جو میں
 نے اپنے نور جلال سے اخذ کیا ہے۔ اپنی کینز خاص فاطمہ کے لئے جو میرے حبیب کی دختر
 اور میرے ولی کی زوجہ ہیں جو میرے نبی کے برادر اور میری ان محبتوں کے پدر ہیں جن کو میں
 نے اپنے بندوں پر محبت قرار دیا ہے۔ اے ملائکہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری
 تسبیح و تقدیس کا ثواب اسی خاتون اور اس کے دوستوں کے لئے قیامت تک مقرر کر
 دیا ہے۔

اس حدیث رسول سے واضح ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی حقیقت نورانی ہے اور
 یہی اصل نور ہیں۔ ان ہی کی شعاعوں سے ضیاء اور روشنی عرش و فرش، آسمان و زمین، آفتاب و
 مانتاب میں پیدا ہوئی ہے۔ اور ان کی حقیقت تمام حقائق عالم سے جدا گانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع کا نشا
 عرش و فرش سے جدا گانہ ہے۔ چہ جائیکہ ان کو نوع بشر میں کھینچا جائے۔

دلیل نمبر ۱۲ :- حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

نحن اسرار الله المودعة في الهياكل البشرية ميتنا لم يمت وغائبنا لم يغيب
نزلوا عنا عن الربوبية وارتفعوا عنا بخطوط البشرية فانما بعدون عما
يجوزون عليكم منزھون ثم قولوا ما استطعتم فان البحر لا ينزف وسر الغيب
لا يدرك وكلمة الله لا توصف (طوابع الانوار ص ۱)

ہم خدا کے راز ہیں جن کو بشری شکل میں رکھا گیا۔ ہماری کوئی سیت مرقی نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی
غائب پرشیدہ نہیں ہوتا۔ ہمیں مرتبہ توحید سے پست رکھو اور لوازمات بشر کو ہم سے شادو۔ ہم
ان لوازمات سے بالکل منزھ اور دور تر ہیں جو تمہارے لئے جاری ہیں۔ پھر ہماری شان میں اپنی نعمت
مخبر جو ہر سے کہو کیونکہ مفلحوں سے خالی نہیں کیا جاسکتا اور غیبی راز نہیں پایا جاسکتا اور کلمۃ اللہ
کی توصیف نہیں کی جاسکتی۔

اس بیان حق ترجمان سے بالکل واضح ہو گیا کہ بشری شکل میں ان کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان میں وہ لوازمات
بشری نہیں ہیں جو بشر میں ہوتے ہیں۔ اور یہ عزائم مرتے بھی نہیں۔ غائب بھی نہیں ہوتے لہذا ان کی
نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۳ :- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

يا جابر كان الله ولا شئ غير ولا معلوم ولا مجهول فاول من ابتداء من
خلق خلقه الله ان خلق محمداً وخلقنا اهل البيت معه من نور عظمتہ
نار قفنا اظلة خضراء بين يديه حيث لا سماء ولاارض ولا مكان ولا
ليل ولا نهار ولا شمس ولا قمر يفصل نورنا من نور ربنا كشعاع
الشمس من الشمس (بحار الانوار ص ۲۵۱ غایۃ المرام ص ۱)

اے جابر خدا تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی نہ معلوم نہ مجهول جب خدا نے تخلیق کی ابتدا کی تو
محمد اور ان کے ساتھ ہم اہل بیت کو بنایا اپنے نور عظمت سے ہماری تخلیق فرمائی۔ ہمیں اپنی جناب
میں سبز سائے بنا کر قائم کر دیا جب کہ نہ آسمان تھا نہ زمین نہ مکان تھا نہ لیل و نہ ہار اور نہ شمس و قمر ہمارا
نور ہمارے رب کے نور سے اس طرح جدا ہے جس طرح آفتاب سے اس کی شعاعیں جدا ہیں۔

اس حدیث مبارک سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ ذوات مقدرہ مکان و زمان سے پیشتر خلق ہوئے اور ان
کی حقیقت لا زمان اور لا مکان ہے۔ لہذا ان کی نوع یقیناً نوع بشر سے جدا ہے جس کی تخلیق زمان و مکان

میں ہوئی۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ حضرات جزو نور خدا نہیں ہیں۔ بلکہ آثار خدا کے اثر اول ہیں جس طرح آفتاب کی شعاعیں جزو آفتاب نہیں بلکہ آثار آفتاب ہیں۔

دلیل نمبر ۲۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الله خلقنا من نور عظمته ثم صور خلقنا من طينة مخزونة مكنونة من تحت العرش تا سكن ذلك النور فيه فكنا نحن خلقا وبشرا نورا بينين لم يجعل لاحد في مثل الذي خلقنا منه نصيب۔

(کافی ص ۲۴، بحار جلد ۱۴ ص ۴۳۸)

بالحقیق خداوند عالم نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا کیا (یعنی ایسے نور سے جس کی وجہ سے عظمت خدا کا ظہور ہوتا ہے) پھر جب ہمیں بشری صورت میں بنایا تو ایسی طینت سے بنایا جو تحت عرش اسی مقصد کے لئے محفوظ و مصنون تھی۔ اس کے بعد ہمارے نور کو اسی طینت میں ساکن کر دیا۔ اسی لئے ہم مخلوق خاص اور بشر نورانی ہیں کسی بھی مخلوق کو یہ اجزائے تخلیق نصیب نہیں ہوئے۔

اس حدیث میں تمام مخلوقات سے جدا گانہ اجزائے تخلیق کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ لہذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۲۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الله تفرّد بوحداً اینتہ ثم تكلم بكلمة فصارت نوراً ثم خلق من ذلك النور محمّداً وعلیّاً وعترته علیہم السلام ثم تكلم بكلمة فصارت روحاً و اسكنها في ذلك النور واسكنه في ابداننا فنحن روح الله وكلمته احجب بنان خلقه (بحار الانوار ص ۲۵)

بالحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے۔ جب خدا نے تخلیق کی ابتدا کی تو حکم فرمایا یعنی ارادہ فرمایا ایک خاص ارادہ پس وہ نور بن گیا۔ پھر اسی نور سے محمد و علی اور ان کی عترت علیہم السلام کو پیدا کیا پھر حکم فرمایا تو وہ ایک روح بن گیا۔ اسی روح کو اس نور میں ساکن کر دیا اور روح نور دونوں کو ہمارے ابدان میں ساکن کر دیا۔ لہذا ہم روح اللہ بھی ہیں اور کلمۃ اللہ بھی خدا نے تمام مخلوقات اور اپنی ذات کے درمیان ہم ہی کو اپنا حجاب بنایا یعنی ہم درمیان مخلوق ہیں۔ ہمارے ایک طرف خدا سے اور ایک طرف تمام کائنات سے رابطہ رکھتی ہے۔ جس طرح حجاب یعنی پردہ جس کی ایک طرف اندر اور دوسری طرف باہر سے تعلق رکھتی ہے۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہے کہ ابن ذہابت مقدس کے نور مدح کو خدا نے کسی شے سے نہیں بنایا بلکہ ارادہ سے خلق کیا۔ اسی لئے ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ کا انادہ ہیں کسی شے کے منون نہیں ہیں۔ یہ ذہانت مقدسہ لاشے سے خلق ہوئے ہیں۔ لہذا ان کی حقیقت تمام کائنات کی حقیقتوں سے جداگانہ ہے کیونکہ وہ شے سے شے بنی ہیں۔ اور یہ لاشے سے بنے ہیں۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ثم قال الزنديق من اى شى خلق الاشياء اقال من لاشى قال كيف يحى من لاشى شى مح قال ان الاشياء لا تخلو اما ان تكون خلقت من شى او من غير شى فان كانت خلقت من شى كان معه فكان ذلك الشى قديما والقديم لا يكون حديثا ولا يعنى ولا يتغير ولا يخلو ذلك الشى من ان يكون جوهر واحد ولونا واحدا فمن اين جاءت هذه الالوان المختلفة والجواهر الكثيرة الموجودة فى هذا العالم من ضروب شتى ومن اين جاء الموت ان كان ذلك الشى الذى انشئت منه الاشياء حيا ومن اين جاءت الحيوة ان كان ذلك الشى ميتا ولا يجوز ان يكون من حى وميت قديمين لم يزل لان الحى لا يحى منه الميت وهول يزل حيا ولا يجوز ايضا ان يكون الميت قديما لم يزل لما هو به الموت لان الميت لا قدر له ولا يقدر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب کہ ایک زندقہ نے خلقِ اول کے متعلق سوال کیا کہ وہ کس شے سے بنا تو حضرت نے فرمایا یہ لاشے سے خلق ہوا۔ زندقہ نے کہا کیا لاشے سے بنی ہو سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا خلقت اشیاء وہ حال سے خالی نہیں یا شے سے بنی ہیں یا لاشے سے پس اگر یہ اشیاء کسی شے سے بنی ہیں تو وہ شے خالی اشیاء کے ساتھ موجود ہوگی پھر یہ شے بھی مشکل خالقِ قدیم ہوگی بلکہ جو شے قدیم ہو وہ حادث نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وہ فنا ہو سکتی ہے اور نہ تغیر ہو سکتی ہے یہ شے جو ہر واحد ہوگی۔ رنگ بھی ایک ہوگا۔ کیونکہ قدیم ہے تو پھر بتاؤ اس عالم میں مختلف جہاں ہر مختلف رنگ کہاں سے آگئے۔ اگر وہ شے زندہ ہے تو یہ موت کہاں سے آگئی۔ اگر وہ میت ہے تو حیات کہاں سے آگئی۔ اور یہ بھی محال ہے کہ ایک وحی اور ایک میت دونوں قدیم ہوں۔ کیونکہ ایسے ہی سے میت کا نکلنا ممکن نہیں جو ہی قدیم ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ میت قدیم اور ہم نزل ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ موت وابستہ ہے جس میں نہ قدرت ہوتی ہے نہ بقا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ اول مخلوق لاشے سے ہی پیدا ہوگا۔ یعنی اس کے لئے کوئی شے نہ ہوگی جس سے اس کی تخلیق ہو کہ نہ کوئی دوسری تو اول ہے۔ اگر کسی شے سے خلق ہوگا تو وہ اول نہ رہے گا بلکہ جس سے خلق ہوگا وہ شے اول ہو جائے گی۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرات محمد آل محمد علیہم السلام جبکہ اول مخلوق ہیں۔ اور تمام کائنات کے بادی و رب ہیں۔ اور کل موجودات سے تخلیق میں مقدم ہیں تو بالتحقیق یہ کسی شے سے خلق نہیں ہوئے بلکہ ارادہ خداوندی سے خلق ہوئے۔ کائنات و کمونات کے ممنون نہیں ہیں۔ اسی لئے خدا ارشاد فرمایا ہے۔ نحن ارادة الله ونحن مشية الله۔ ہم اللہ عزوجل کا ارادہ و مشیت ہیں۔ لہذا بالتحقیق ان کی نوع علیہ وہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۷ :- جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله ان اول ما خلق الله عز وجل ارواحنا فانطقنا بتوحيد و تحميدة ثم خلق للملائكة فلما شاهدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظموا امرنا ضيقاً لتعلم الملائكة اننا خلق مخلوقون وانه مغزوع من صفاتنا فبحت الملائكة بسببنا ونزحت عن صفاتنا فلما شاهدوا عظم شأننا هللنا لتعلم الملائكة ان لا اله الا الله وانا عبيد ولسنا بالالهة فقالوا لا اله الا الله فلما شاهدوا كبر محلنا كبرنا لتعلم الملائكة ان الله اكبر ان ينال عظم المحل الابه فلما شاهدوا ما جعل الله لنا من العزة والقوة قلنا لا حول ولا قوة الا بالله لتعلم الملائكة ان لا حول ولا قوة الا بالله فلما شاهدوا ما انعم الله به علينا واوجبه لنا من فرض الطاعة قلنا الحمد لله لتعلم الملائكة فقالت الملائكة الحمد لله فبناهدوا الى معرفة توحيد الله وتبسيمه وتحميده وتمجيدته ان الله تبارك وتعالى خلق آدم فاودعنا صلبه وامر الملائكة بالسجود تعظيماً له واكراماً وكان سجودهم الله عز وجل عبودية ولا دم اكراماً وطاعة لكوننا في صلبه (غاية المرام ص ۹)

آن حضرت نے فرمایا سب سے پیشتر اللہ عزوجل نے ہمارے ارواح کو پیدا کیا۔ اور ہمیں تخلیق ہی میں ناطق بنا دیا۔ ہم اس کی توحید و حمد ثنا کا لفظ کرنے لگے۔ پھر جب ملائکہ کو تخلیق فرمایا اور انہوں نے ہمارے ارواح کو ایک ہی نور میں مشاہدہ کیا تو ہماری عظمت سے متاثر

ہوتے۔ ہم نے فوراً تبیہ شروع کر دی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم مخلوق ہیں۔ اور میں کی تبیہ کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے صفات سے منترہ ہے۔ میں ملائکہ نے بھی ہماری تبیہ کو دیکھ کر تبیہ شروع کر دی۔ اور ذات حق کو ہماری صفات سے منترہ سمجھنے لگے اور جب انہوں نے ہماری شان کو ملاحظہ کیا تو ہم لا الہ الا اللہ کا ورد کرنے لگے تاکہ ملائکہ یہ سمجھ لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں ہم الانبیاء ہیں۔ پس انہوں نے بھی لا الہ الا اللہ کا ورد شروع کر دیا۔ جب ملائکہ نے ہمارے مقام بزرگ کا ملاحظہ کیا تو ہم تکبر کا ورد کرنے لگے تاکہ فرشتے سمجھ لیں کہ اللہ بذات خود اکبر ہے۔ کسی شے کی نسبت سے اکبر نہیں جب انہوں نے ہماری عزت و قوت پر نظر کی تو ہم لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے۔ یعنی طاقت اور قوت صرف اللہ ہی سے حاصل ہوتی ہے تاکہ فرشتے سمجھ لیں کہ طاقت و قوت کا بورد ہماری ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خدا نے ہمیں کیا ہی نعمتیں دی ہیں۔ اور ہماری اطاعت کو کائنات پر فرض کر دیا ہے تو ہم نے الحمد للہ کا ورد کیا تاکہ ملائکہ حمد کو خدا کے لئے مخصوص سمجھ لیں۔ پس وہ الحمد للہ کہنے لگے۔ ہمارے ہی ذریعہ انہیں تبیہ و تہلیل و تجمید و تحمید کا طریقہ حاصل ہوا ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم کو خلق کیا اور میں ان کے صلب میں سپرد کیا تو ملائکہ کو ہمارے وجود کی وجہ سے سجدہ کا حکم عطا کیا یہ سجدہ خدا کے لئے اس کی عبودیت کا سجدہ تھا اور آدم کے لئے ان کی تسلیم و اطاعت کا سجدہ تھا۔

اس حدیث مبارک سے جہاں تخلیق محمد آل محمد علیہم السلام کی جداگانہ نوعیت کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ سجدہ تنظیمی اطاعتی غیر خدا کے لئے جائز ہے جو درحقیقت سجدہ اطاعت و تحکیم ہے۔ خدا کے لئے سجدہ عبودیت ہے جو اس کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر سجدہ تنظیمی اطاعتی شرک نہیں ہے۔ حضرت آدم کو جس سبب سے سجدہ تنظیمی اطاعتی کرایا گیا وہ حضرات محمد آل محمد علیہم السلام کا وجود مبارک فوری ہے۔ خداوند عالم نے جب ان کو صلب آدم میں ودیعت فرمایا تو فرشتوں کو حکم سجدہ عطا فرمایا اور جی ہمتیوں کے اسماء مبارک بھی حضرت آدم کو تعلیم کئے گئے تھے۔ اور فرشتوں کے سامنے یہی ہتیاں پیش کیں گئی تھیں۔ ثم عرضہ علی الملائکہ۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہذا نزع علیہم ہے۔

ولیل ۲۸- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مرحباً بمن خلقہ اللہ قبل آدم ہاربعین الف عام قال (ابن عباس) فقلت یا رسول اللہ کان الابن قبل الاب قال نعم ان اللہ خلقنی وخلق علیاً قبل ان یخلق آدم بهذا المدۃ خلق نوراً فقسّمہ نصفین فخلقنی من نصفہ وخلق علیاً من نصفہ الاخر قبل

الاشیاء كلها ثم خلق الاشياء فكانت مظلمة فنورها من نوري ونوري على ثم خلق الملائكة فبحنا فصحت الملائكة فهللنا فهللت الملائكة وكبرنا فكبرت الملائكة وكان ذلك من تعليمي وتعليم علي (ع) اللام (ص) آن حضرت نے فرمایا فرخندہ جہاں اس مرد کے لئے جس کو خداوند عالم نے حضرت آدم سے چالیس ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ ابن عباس نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بیٹا باپ سے پہلے تھا۔ آپ نے فرمایا بے شک پہلے تھا بالیقین خداوند تعالیٰ نے مجھے اور علی کو جناب آدم سے مدت مذکورہ سے پہلے ایک نور سے خلق کیا۔ اس کے دو نصف کئے۔ ایک نصف سے مجھے اور دوسرے نصف سے علی کو پیدا کیا۔ ہماری تخلیق تمام اشیاء کائنات سے پیش فرمائی۔ تمام اشیاء تاریکی میں تھے میرے اور علی کے نور سے منور ہو گئے پھر فرشتوں کو خلق فرمایا۔ پس ہم نے تسبیح کی تو فرشتوں نے ہم سے تسبیح سیکھی ہم نے تحمید کی تو ملائکہ نے ہم سے تحمید سیکھی یہ سب کچھ میری اور علی کی تعلیم سے انہوں نے حاصل کیا۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی تخلیق کائنات و مکونات سے مقدم ہے۔ بلکہ سبب وجود کائنات ہے۔ لہذا جس طرح باپ اپنے بیٹے کے لئے سبب وجود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حضرات بھی سبب وجود کل موجودات ہیں۔ لہذا یہ حضرات کائنات کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں ان کی اہمیت کا تذکرہ موجود ہے۔ آن حضرت نے فرمایا اے علی میں اور تم یعنی ہم دونوں امت کے باپ ہیں چونکہ کل مخلوقات ان کی امت ہے۔ لہذا کل مخلوقات کے لئے باپ ہیں۔ اسی نسبت سے جناب آدم کے بھی باپ ہیں۔ کیونکہ ان ستیوں کا وجود نہ ہوتا تو آدم کا وجود نہ ہوتا یہ ہے ان ذوات مقدر نورانیہ کی تخلیق جو تمام عالمین سے اپنی نوعیت میں جدا گانہ ہے لیکن جب بشری ظہور میں آئے تو جماد بشریت جناب آدم ابو البشران کے باپ کہلائے وہ ان کے باپ ہیں۔ بشری لحاظ سے اور بیٹے ہیں نورانی لحاظ سے۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۲۹۔ جناب رسالت مآب نے فرمایا جب کہ بحبان علی علیہ السلام نے آن حضرت سے عرض کی یا رسول اللہ درگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ تو عبد طفلی میں اسلام لائے۔ اس سے ہمارے تعلق محزون ہوتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله ان الله خلقني وعلياً من نور واحد وانا كنف في صلب آدم نفع الله تعالى ثم نقلنا الى اصلاص الالباء واربحام

النساء یسمع تبیعنا فی الظهور والبطن فی کل عهد وعصر الى عبد المطلب
وان نورنا کان یظهر فی وجوه آبائنا واقهارنا حتی تبین اسماءنا مخطوطة
بالنور علی جباههم ثم افترق نورنا فاصار نصفه فی عبد الله ونصفه
فی ابی طالب عسی فكان یسمع تبیعنا من ظهورهما وکان ابی وعسی اذا
جلسا فی الملاء من الناس یتلأ نورا فی وجوههم من دونهم حتی
ان السباع والحوام لیسلمان علیهما لاجل نورنا

(میزان المعاجز، وتفسیر برهان ص ۳۲۶)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا (اے مجاہدین علی تم جانتے ہو کہ) بالیقین خداوند عالم
نے مجھے اور علی کو نور واحد سے خلق کیا۔ ہم دونوں صلب آدم میں خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ پھر ہم
منتقل کئے گئے۔ اصطلاح وار عام آباد و اہانت کی طرف یہاں تک کہ عبد المطلب کے صلب میں
منتقل ہوئے۔ ہر زمانہ اور ہر عصر میں ان بزرگواروں کے صلب و رحم سے ہماری تسبیح کی آوازیں
سنی جاتی تھیں۔ اور ہمارا نور ان کی پیشانیوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ حتی کہ ہمارے اسامہ بھی جو نور سے
تحریر کئے گئے تھے۔ ان کی پیشانیوں سے چمکنے و گھٹنے تھے۔ پھر نصف نور عبد اللہ نصف
محمد نور میرے چچا ابوطالب میں پیچا۔ ان کی پشتوں سے بھی ہماری تسبیح کی آوازیں سنائی دیتی
تھیں اور جب میرے والدہ اور چچا جمع قریش میں تشریف فرما ہوتے تھے تو میرا نور میرے والد
کے صلب سے اور علی کا نور ان کے والد کے صلب سے ظاہر ہوتا تھا اور درندہ جانور، اور
حشرات الارض بھی ان پر سلام کرتے تھے۔ یہ کرامات ہمارے نور کی وجہ سے تھے۔ یہاں تک کہ
ہم اصطلاح و بطون سے شکل بشری ظاہر ہوئے)

اس حدیث مبارک سے واضح ہے کہ یہ حضرات اپنی خلقت اولی نور میں ہی منتقل ہوتے رہے اور
تیسع و مجربا لاتے رہے ہیں۔ ہماری طرح نطفہ بن کر منتقل نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے انوار کی شعاعیں پیشانیوں
سے چمکتی و گھٹتی تھیں۔ لہذا ان کی نوحہ بدگمانہ ہے۔ مرن بشری شکل عطا کی گئی ہے تاکہ جنس کی مشارکت
کی وجہ سے لوگ استفادہ کر سکیں۔

دلیل نمبر ۳۰ :- قال جابر بن عبد الله الانصاري قلت يا رسول الله هذه حالنا
فكيف حالك وحال الاوصياء بعدك في الولادة فسكت رسول الله مليا
ثم قال يا جابر لقد سكت عن امر جسيم لا يحتمله الا ذو حظ عظيم

ان الانبیاء والاصیاء مخلوقون من نور عظمة الله جل ثناؤه یودع الله تعالیٰ افواههم اصلاً طابیة وارباعاً طاهرة یحفظها الله بملأ ینکته ویربها بحکمته ویغذوها بعلمه فامرهم یجل من ان یوصفوا واولهم تدق ان تعلم (دانی ص ۱۳۶)

جب خلقت بشر کی کیفیت و حالت آیہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین کی روشنی میں جناب رسالت مآب نے بیان فرمائی (در ترجمہ آیت) اور یقیناً ہم نے انسان کو گندھی ہوئی مٹی کے جبر سے پیکر لیا۔ پھر ہم نے اس کو محفوظ رکھا یعنی جبر بنا دیا۔ پھر اس کو جسے برے خون کا پچھلک بنا دیا۔ پھر اس کو ایک توہم بنا دیا۔ پھر اس کو پٹیاں بنا دیا۔ پھر پٹریوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں (روح و دل) کو جو ایک دوسری مخلوق ہے۔ انسان پیدا کر دیا۔ پس خدا نے باریک تمام خالقوں میں افضل خالق ہے۔ پھر اس کے بعد تم مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تم روز قیامت اٹھائے جاؤ گے (ترجمہ جابر بن عبد اللہ انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ہماری ولادت کا حال ہے۔ اب یہ فرمائیے کہ آپ کی اودا آپ کے اوصیا کی ولادت کا کیا حال ہے۔ حضرت نے کچھ دیر خاموش ہو کر فرمایا۔ اسے جابر تم نے نہایت عظیم امر کا سوال کیا ہے اس کو صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں جن کو علم و معرفت کا عظیم حصہ عطا ہوا ہو۔ بالتحقیق انبیاء و اوصیاء و علوٰیہ عالم کے نور عظمت سے مخلوق ہوئے ہیں۔ یعنی جن کے نور سے عظمت خدا کا انہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انہی انوارِ عظمت کو اصلاط طیبہ اور ارحام طابہ میں ودیعت فرمادیتا ہے۔ جن کی نگہداشت لازم کرتے ہیں۔ اور خدا اپنی حکمت سے ان کی تربیت کرتا ہے اور غذائے علم عطا کرتا ہے۔ ان کی ولادت کا حال بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔ اور تبارا علم ان کے دقیق ترین احوال ولادت تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث مبارک سے واضح و لائح ہو گیا کہ ہماری تولید کی نوعیت آشکار ہے۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے لیکن انبیاء و ائمہ طہرین علیہم السلام کی نوعیت تولید قطعاً مختلف ہے۔ جس کی کیفیت کو جابر بن عبد اللہ جیسے بلند پایہ صحابی بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ جناب رسالت مآب نے جس کو امر عظیم فرمایا ہے اور علوم الکتابیہ بشر کے ادراک سے مافوق ظاہر کیا ہے۔ لہذا ہمیں اس کی حقیقت معلوم کرنے کی سعی و کوشش سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ یہ ہمارے فہم و دانش سے بالاتر ہے۔ بس ہمیں اس تقدس تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہماری تولید اور انبیاء و ائمہ کی تولید میں قطعاً یقیناً فرق ہے۔ اپنی تولید کا ان پر

قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل ۲۲ :- امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا۔

انا معاشر الادویا وليس نخل في البطون وانما نخل في الجنب ولا نخرج من الارحام وانما نخرج من الفخذ الايمون من امهاتنا لاننا نورا لله الذي لا تناله ونسات (مدينة المعاجز ص ۹۹)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی عمر جان بیکھ کر خاتون کو جب ولادت پسرخود کی بشارت دی تو انہوں نے اظہار کیا کہ زینب خاتون میں تو کوئی آثار حمل نہیں ہیں، پھر اس شب میں کس طرح ولادت ہوگی۔ اس وقت حضرت نے فرمایا بالتحقیق ہم گروہ ادویا کا حمل بطون میں نہیں ہوتا بلکہ اہبات کے بطون میں ہوتا ہے۔ اور ہم رحم مادر سے درآمد نہیں ہوتے بلکہ ان کی دایمی ران سے باہر آتے ہیں کیونکہ ہم نور خدا ہیں اس لئے کسی قسم کی کوئی نجاست ہمیں چھ نہیں سکتی۔

اس حدیث مبارکہ سے بالکل صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کی ولادت قطعاً و حتماً ہم سے مختلف ہے۔ ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو ہم بھی نجس مادر مہربان بھی نجس۔ مگر یہ حضرات النوار البتية ہیں اس لئے ان کا طریقہ حمل و ولادت جداگانہ ہے۔ ان کو کسی قسم کی آلائش مس نہیں کر سکتی۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۳ :- عن محمد بن عثمان العمري قدس الله روحه انه قال

فلما السيد محتونا وسمعت حكمة تقول انه لم يرامه دم في نفاسها
وهكذا اسائر امهات الائمة صلوات الله عليهم (مدينة المعاجز ص ۹۹)

حضرت ولی العصر علیہ السلام فرمایا کہ نائب خاص اور امام حسن عسکری کے مخصوص صحابی و شاگرد جناب محمد بن عثمان قدس اللہ روحہ کا بیان ہے کہ میں نے جناب حکیمہ خاتون سے سماعت کیا کہ حضرت امام زمانہ مختون پیدا ہوئے۔ اور وقت ولادت ان کی والدہ ماجدہ سے کوئی نجاست از قسم نفاس قطعاً نظر نہیں آئی۔ تمام آثار علیہم السلام کی ولادت کی یہی حالت ہوتی ہے ان کی اہبات کو کسی قسم کی نجاست چھ نہیں سکتی۔

اس مشرقی و معتبر بیان سے واضح ہے کہ آثار طاہرین کی والدات کو کسی قسم کی نجاست عارض نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہماری ولادت کے وقت ہوتا ہے۔ ان کی نوعیت ولادت ہم سے مختلف ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۲ :- جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ان فاطمة صلوات اللہ علیہا لیست کا حد
منکن انما لا تری وما فی حیض ولا نفاس کا خودیۃ (دانی ص ۱۴۲)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا :- بالتحقیق فاطمہ تم جیسی عورتوں کی طرح نہیں ہیں یہ
کبھی کسی قسم کا خون حیض و نفاس نہیں دیکھتی ہیں ۔ جیسے حریر ۔

اس حدیث مبارک سے بھی ظاہر ہے کہ ام المومنین عظیم السلام کو جاری عورتوں کی طرح کسی قسم کی
نجاست عارض نہیں ہوتی ۔ اسی لئے ان ذوات مقدسہ کے لئے مسجد النبی میں دروازہ ہر وقت
کھلا رہتا تھا ۔ ہر حالت میں ہمہ وقت ان کے لئے مسجد میں ٹھہرنا اور آمد و رفت جائز و مباح تھی
جب کہ دوسروں کے لئے ممنوع تھی ۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے ۔
دلیل نمبر ۳۵ :- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

ان الامام یسمع فی بطن امہ فاذا ولد خط بین کتفہ و تحت
کلمۃ دہک صدق و عدل لا یبدل لکلماتہ و هو السميع
العلیم ۔ (دانی ص ۱۴۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :- بالتحقیق امام شکم مادر میں سب
کچھ سنتا ہے ۔ اور جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے شانوں کے درمیان آیہ قرآن خود کندہ
فرماتا ہے ۔

اگر ان کی ولادت ہماری طرح نجس ہوتی تو ان کے جہادس پر قرآن عظیم نہ کیا جاتا کیونکہ
اس کو بلا وضو و طہارت مس کرنا بھی حرام ہے ، چہ جائیکہ کسی جسد پر خود خداکتبہ کر دے ۔ لہذا
ان کی نوع جدا گانہ ہے ۔

دلیل نمبر ۳۶ :- حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی ۔ دیوار کاشق کرنا اور
بچہ ملا دنیا قدرت کی طرف سے عمل میں آیا ۔ اگر یہ ولادت ہماری طرح ہوتی تو خداوند عالم خانہ کعبہ کو
خود نجس نہ کرتا جبکہ ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کو تاکید دی گئی کہ کعبہ کو پاک رکھنا نجس نہ ہونے
پائے ۔ لہذا تسلیم کرنا چاہئے گا کہ مولود طیب و طاہر ہے ۔ اور والدہ کو کسی قسم کی کوئی نجاست مس نہیں
ہوئی ۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے ۔

دلیل نمبر ۳۷ :- جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے وقت آن حضرت نے اُم امین سے

فرمایا کہ میرے فرزند کو خدا میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے عرض کی ابھی طاہر نہیں کیا ہے۔ غسل نہیں دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس کو پاک کر دو گی۔ جس کو خدا نے طیب و طاہر پیدا کیا ہے۔ لے آؤ میرے پاس۔ وہ لے آئیں۔ حضرت نے چشم و ابرو اور لب و دندان کے برسے دیتے۔ معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ہماری طرح نہیں۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۸ :- حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا :-

الائمة حالهم في المنام حالهم في اليقظة لا يغير النوم منهم شيئاً۔ (مرآة العقول ص ۱۹)

آئمہ طاہرین کی حالت خواب میں بھی وہی ہوتی ہے۔ جو بیداری میں ہے خواب ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں کر سکتا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان کے اور ہمارے بشری اعضاء کی حقیقتیں بھی جدا ہیں۔ چرچائیہ نورانی حقیقتیں۔ لہذا نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۹ :- قرآن مجید میں صلت لیش کے لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔

والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئاً۔

یعنی خداوند عالم نے تمہیں تہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا کہ تم قطعاً کچھ نہ جانتے تھے۔

یہ ہم انسانوں کی ولادت سے کہ ہم جاہل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک حرف نہیں جانتے اور نبی و امام پیدا ہوتے ہی صفت آسمانی سناتے ہیں۔ اپنی اولادات سے گفتگو کرتے۔ خدا کی توحید و تجلیہ و تمجید کے کلمات اپنی زبان مقدس سے جاری کرتے ہیں۔ ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہذا ان کی نوع جدا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں ثبوت جدا گانہ نوع

ہم فی الحال اس مقصد کے ثبوت میں صرف چند آیات قرآن کریم پیش کرتے ہیں۔ جن سے صحت محمد و آل محمد علیہم السلام کی نوعیت خلقت جدا گانہ ثابت ہے۔ قرآن مجید چونکہ صرف لغت سے حل نہیں ہو سکتا۔ اور خداوند عالم کے معنی مرادی کا علم بغیر وحی و الہام حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تفسیر بالرائے کو قیاس شیطانی اور موجب عذاب جنم قرار دیا گیا ہے۔ لہذا ہم ہر آیت کی تفسیر صرف معصومین علیہم السلام کی زبان حق ترجمان سے پیش کریں گے۔

دلیل نمبر ۴۰ :- وما امتا الا له مقام معلوم۔ وانا نحن الصافون وانا

لنحن المستحون (پارہ ۲۳ صفت آیت ۱۶۲-۱۶۵)

اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام معین ہے۔ اور یقیناً ہم ہی صف بستہ عبادت کرنے والے ہیں۔ اور ہم ہی یقیناً تسبیح کرنے والے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت آمد طاہرین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ معین مقام سے منزلت و مرتبہ مراد ہے۔ جو انہیں خداوند عالم نے عطا فرمایا ہے کہ مطابقت اور خداوندیہ عالم کریں۔

جناب امیر المومنین و امام جعفر صادق علیہم السلام نے فرمایا ہم عالم نور میں صف بستہ تسبیح خدا کرتے تھے۔ تمام اہل آسمان نے ہم ہی سے تسبیح سیکھی ہے۔ اور جب ہم زمین پر وارد ہوئے تو تمام اہل زمین نے ہم ہی سے تسبیح سیکھی۔

اس آیت وافی ہدایہ سے معلوم ہوا کہ یہ ذات مقدسہ خلقت البرالبشر سے پیشتر ہادی و معلم سموات تھے۔ ان کی حقیقت خلقت بشر سے پیشتر اور بعد اگانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔ کیونکہ متفق الحقائق ایک نوع ہوتے ہیں نہ کہ مختلف الحقائق۔

ولیل غیر ام :- قَالَ يَا اَنْبِلِسَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِسَمِيٍّ حَسَّ
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالَمِيْنَ - (پہ - سورہ صافات آیت ۷۵)

خداوند عالم نے فرمایا اے ابلیس کس بات نے تجھے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دو ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔

ابوسیدہ خدری صحابی کا بیان ہے کہ ہم آں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ جب ابلیس سے خدا نے فرمایا کہ تو نے سجدہ کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔ تو اس وقت بلند مرتبہ ہستیاں کون تھیں۔ حضرت نے فرمایا میں اور علی اور فاطمہ و حسن و حسین تھے۔ ہم آدم سے پیشتر خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ جب آدم پیدا ہوئے تو خدا نے ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم اس لئے دیا کہ ہم ان کی صلب میں تھے۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ پس خدا نے فرمایا کیا تو نے سجدہ کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔ وہ بلند ہستیاں ہم ہیں۔ ہم ہی خدا تک پہنچنے کا دروازہ ہیں۔ جو ہم سے محبت کرے گا۔ خدا اس سے محبت کرے گا جو ہم سے بغض رکھے گا اور ہم سے صرف حلال دادہ ہی محبت کرے گا۔ (تفسیر البرہان)

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ یہ ذوات مقدسہ ہی عالین ہیں جو ملائکہ سے پیشتر خلق ہوئے ان ہی کی وجہ سے حضرت آدمؑ موجود ملائکہ بنائے گئے۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ بشریت کے وجود سے سابق الوجود ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲ :- و توکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم وتقبلک

فی الساجدین ۱۰ اذہ هو السميع العلیم (پ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۲۱۸ و ۲۱۹)

اور تم اسے رسول خدا سے غالب و رحیم پر بھروسہ کرو جو تمہیں دیکھتا ہے وقت قیام بھی۔ اور سجدہ کرنے والوں میں تمہاری مسلسل منتقلی کو بھی۔ وہ یقیناً سمیع و علیم ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سجدہ کرنے والوں میں تقرب کے معنی ان کے اصحاب میں منتقل ہونا ہے۔ اور وہ اصحاب انبیاء ہیں۔ اور منتقل ہونے والے محمد و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اہل بیت ہیں جو ایک نبی سے دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتے رہے۔ اور پہلے حضرت آدمؑ کے صلب میں منتقل ہوئے۔

جناب رسالت مآبؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب کہ جابر بن عبد اللہ انصاری نے دریافت کیا کہ جب آدمؑ جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم صلب آدمؑ میں تھے اور جب وہ زمین پر آئے تو بھی ہم صلب میں تھے۔ اور جب حضرت نوحؑ کشتی میں تھے تو ہم بھی ان کے ساتھ کشتی میں تھے۔ اور جب حضرت ابراہیمؑ نارود میں ڈالے گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے ہمیں خداوند عالم نے اصحاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ عبد المطلب کے صلب میں پہنچے۔ پس خدا نے ہمیں دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مجھے صلب عبد اللہ میں اور علیؑ کو صلب ابوطالب میں۔

اس آیت کی تفسیر سے بھی ثابت ہوا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خلقت آدمؑ سے پیشتر موجود تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے اصحاب میں منتقل ہوتے رہے۔ جس طرح کئی آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ ان کی تخلیق ہماری طرح نہیں ہے۔ بلکہ ان کی حقیقت حضرت آدمؑ کی حقیقت سے بھی جداگانہ ہے۔ حضرت آدمؑ قطرہ نخل سے نہیں بنے۔ بلکہ گندمی ہوتی مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اور بشر کہلائے۔

لہذا معلوم ہوا کہ بغیر قطرہ نخل پیدا ہونے والا آدمؑ لفظ بشر کا مصداق ہے۔ کیونکہ انہیں بشرہ کی وجہ سے بشر کہا گیا۔ بشرہ جلد یعنی کھال کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ کھال والے تھے۔ اس لئے بشر یعنی صاحب بشرہ کہلائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی بغیر قطرہ نخل پیدا ہوئے اور بشر کہلائے نیز جبرائیلؑ

بھی جب شکل بشر میں بی بی مریم کے پاس آئے تو ان کو بھی بشرہ کی وجہ سے بشر سمی کہا گیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والے کو صاحب بشرہ ہونے کی وجہ سے بشر کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت آدم اور جناب عیسیٰ اور جناب جبرئیل بلکہ دیگر فرشتے بھی جو جناب ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بشکل بشر حاضر ہوتے تھے۔ اگرچہ ان ملائکہ میں بشر کی طرح اکل و شرب کا مادہ نہ تھا۔ مگر جناب آدم اور جناب عیسیٰ میں یہ مادہ تھا۔ وہ اکل و شرب کرتے تھے۔ دونوں صورتوں میں بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والے بشر کہلائے۔ لہذا بشریت کے لئے قطرہ نجس سے پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس موضوع پر آئندہ گفتگو ہوگی جب کہ تائید وحدت نزع کے شہادت رد کئے جائیں گے بہر حال آیہ مذکورہ سے ان ذرات عالمیہ کی نزع جداگانہ ثابت ہے۔ کیونکہ حقیقت جداگانہ ہے۔

ولیسل منبرہم :- قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔

(پ ۲۵ - سورۃ زخرف آیت ۸۱)

کہہ دو اگر رحمن کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں تو میں عبادت گزاروں میں اول ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہ ہوتا۔

اس آیت سے آں حضرت کی اولیت تخلیق ثابِت ہوتی ہے۔ یعنی آپ سب سے پہلے عبادت گزار ہیں۔ جب کہ عالم انوار میں تھے۔ اور خدا کے سوا کوئی شے نہ تھی۔ اگر خدا کا بیٹا ہوتا۔ تو آپ ولد خدا کا انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس آیت سے اولیت کے ساتھ انکار ولد مراد ہے۔

تفسیر آیہ مذکورہ میں مختصر ترین بے مندرجہ ذیل تاویلات تحریر کئے ہیں۔

اول :- جن لوگوں نے خدا کے لئے اولاد تجویز کی تھی ان کی رد کی گئی ہے۔ بایں طریق کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں نے جب کہ سب سے پہلے عبادت کی ہے۔ اور عبادت صرف معبود واحد ہی کی ہو سکتی ہے۔ تو صاحب ولد کی عبادت کا میں سب سے پہلے منکر ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ کیونکہ میں اس کا اول عبادت گزار ہوں۔

دوم :- اس آیت میں لفظ "ان" بمعنی مادہ نامیہ ہے۔ یعنی نہیں اللہ کے لئے کوئی ولد میں تو اس کا اول عبادت گزار ہوں۔

سوم :- اگر اس کا کوئی ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کا انکار کرتا کیونکہ جس کی اولاد ہوگی وہ یقیناً جہانی اور حادث ہوگا۔ جس عبادت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ان نعمات پر قادر ہی نہیں

ہر سکتا جو عبادت گزاروں کو ان کی عبادت کے صلہ میں عطا کئے جائیں۔ لہذا امیر الاول العابدین ہونا دلیل ہے کہ اس کی اولاد نہیں ہے۔

چہارم۔ اگر خدا کے لئے ولد ہوتا تو اس کی عبادت سب سے پہلے کرتا مگر میں نے ہرگز ولد خدا کی عبادت نہیں کی۔ لہذا اس کا ولد نہیں ہے۔

پہر حال اس آیت سے خلقت اولیہ کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا ان کی نوع جدا ہے۔ کیونکہ انکی حقیقت جدا کا نہ ہے۔ متفق الحقائق نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۴ :- کل شئی ہالک الا وجهہ لہ الحکمہ والیہ ترجعون (پ ۲۰ قصص ۷۵)

اس کے وجہ کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ فیصلہ اسی کا ہے۔ اور اسی کی طرف تم لوٹناے جاؤ گے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے آیہ مذکورہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اجل وارفع ہے کہ اس کا چہرہ ہو۔ یعنی تمام اعضاء اس کے ہلاک ہو جائیں۔ بس ایک چہرہ ہلاکت سے بچ جائے۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی۔ کل من علیہا فان ویبقی وجد ربک ذوالجلال والاکرام جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا۔ تمہارے رب کا صاحب جلال و اکرام چہرہ باقی رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خلق کو جدا اور اپنے چہرہ کو جدا کر کے بیان فرمایا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے وجہ اللہ کے معنی مراد یہ ارشاد فرمائے ہیں کہ جس کے ذریعہ خدا کی معرفت و عبادت حاصل ہو وہ وجہ اللہ ہے۔ اور قسم کھا کر فرمایا ہے واللہ نحن وجہ اللہ ہم ہی قسم بخدا وجہ اللہ ہیں۔

امام رضا علیہ السلام نے ابوصلت سے فرمایا کہ لوگوں نے خدا کے لئے چہرہ تجویز کر لیا۔ جیسے مخلوق کے چہرے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کافر ہیں۔ اے ابوصلت وجہ اللہ ہم ہیں۔ ہم حجتہ اللہ ہیں چار ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ ہم ہی وجہ معرفت خدا ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم ہی وجہ اللہ ہیں۔ ہمارے ہی ذریعہ معرفت خدا حاصل ہوتی ہے۔ وجہ اللہ ہی دین اللہ ہے (کیونکہ دین کوئی مادری چیز نہیں ہے)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم وجہ اللہ ہیں۔ ہر شے ہلاک ہوگی مگر ہم ہلاک نہ ہو گئے (ہم ربان) یہی حضرات دین ہیں کیونکہ دین اللہ ہی کے حرکات و سکنات کا نام ہے۔ حضرت امیر المؤمنین

علیہ السلام نے دیگر خلق اور وجہ میں فضل و جدائی بیان فرمائی ہے۔ یعنی وجہ اللہ اور دیگر خلق میں خدا نے فضل کر دیا ہے۔ خلق اور ہے اور وجہ اللہ اور ہیں۔ لہذا وجہ اللہ کی نوع جدا گانہ ہے۔ کیونکہ ان حضرات میں ایک فصل مینر ہے جو دیگر مخلوقات میں نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۴۵:- ما اشہد تھم خلق السموات والارض وخلق النفسھم۔

وما کنت متخذ المظللین عضدا (پ ۱۵ سورہ کہف آیت ۵۱)

میں نے نہ تو ان کو خلقت سموات و ارض کا گواہ بنایا اور نہ ان کی اپنی خلقت کا گواہ بنایا

اور میں اگر انہوں کو قوت بازو بنانے والا نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ بالتحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں ہمیشہ سے منفرد ہے۔ اس نے محمد و علی و ائمہ کو پیدا کیا۔ پس وہ ہزار و ہزار تک اسی حالت میں رہے۔ پھر تمام اشیاء پر ان کی اطاعت کو واجب قرار دے دیا۔ اور امر اشیاء ان کے پیرو کر دیا۔ (صافی) اور مخلوقات کے امور ان کو تفویض فرمائے پس وہ حلال کرتے اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں گروہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ پھر حضرت (امام محمد باقر علیہ السلام) نے اپنے صحابی محمد سے فرمایا اے محمد یہی وہ دین و دیانت ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ خارج از دین ہے اور جو اس سے پیچھے ہے ٹکے گا۔ وہ ہلاک ہے۔ اور جو اس پر قائم رہے گا وہ ہم سے ملحق رہے گا یعنی ہمارے ساتھ ہوگا۔ اے محمد میری اس ہدایت و نصیحت کو یاد رکھو۔ (بحار الانوار جلد ۲ ص ۳۱۲)

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کی شرح اس طرح فرمائی ہے۔ اشہد ہم خلقھا (یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کو خلقت اشیاء کا گواہ بنانے) کے معنی یہ ہیں کہ تمام اشیاء کو انہی موجودگی اور ان کے علم میں پیدا کیا۔ یہ حضرات تخلیق اشیاء کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے مطلع ہو گئے۔ اسی وجہ سے وہ مستحق امامت قرار پائے کیونکہ انہیں شریعتوں اور احکام خداوندی کا علم بھی کامل طور پر حاصل ہے۔ اور مخلوقات کے تخلیقی علل و اسباب اور پریشیدہ رموز و اسرار کا بھی کامل طور پر علم ہے۔ یہ ہیں ہمارے آئمہ طاہرین جو سب کے سب ان صفات مذکورہ سے متصف ہیں۔ یہ کمال کسی فرقہ کے امام کو حاصل نہیں ہے۔

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فخریہ طور پر اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کمالات بیان فرماتے ہوئے اپنی مدحی ستروں کا کس ایمان افزہ انداز سے اظہار فرمایا ہے کہ یہ منزلت و مرتبہ

کسی بھی فرقہ کے اماموں کو نصیب نہیں ہے جو ہمارے آئمہ کو حاصل ہے۔

واجبی طاعتہم علیہما (اور آئمہ طاہرین کی اطاعت جمیع اشیاء پر لازم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر ان حضرات کے فرمان کی تعمیل واجب کر دی۔ یہاں تک کہ جمادات بھی ان کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ آسمانی اور ارضی تمام مخلوقات ان کے تابع ہیں۔ جیسے آسمان پر شمس و قمر اور جیسے زمین پر درختوں کو بلانے پر ان کی حاضری اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا۔ اور اسی طرح کے لاتعداد واقعات ہیں جن کا احصاء ناممکن ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱ ص ۳۶۳)

احتجاج طبری میں علامہ طبرسی نے اس مقصد کو باری عبارت ادا فرمایا ہے۔

وانہ قد جعل الارض والسماء طوعك والجبال والبحار تتصرف بامرک وسائر ما خلق من الرياح والصواعق وجوارح الانسان واعضاء الحیوانات لك مطیعة وما امرت به من شئ یتمرت (احتجاج ص ۳۲)
بالتحقیق خداوند عالم نے اسے رسول آپ کے لئے زمین و آسمان کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا ہے پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع حکم ہیں۔ اور خداوند عالم کی خلق کردہ تمام اشیاء آپ کی مطیع ہیں۔ خواہ وہ ہوائیں ہوں یا آسمانی گرج۔ خواہ وہ انسانی اعضا ہوں یا حیوانی۔ سب کے سب آپ کے تابع فرمان ہیں۔ آپ جس چیز کو جو حکم دیں گے تعمیل کرے گی۔

آیہ مذکورہ کی تفسیر اہل بیت سے واضح و آشکار ہے کہ یہ ذوات مقدسہ کائنات سے پیشتر پیدا ہوئے۔ اور تمام مخلوقات ان کے رب و ربان کے علم میں ان کی گواہی میں پیدا کئے گئے۔ یہ حضرات علم و تشریح اور علوم و فنون کے دونوں کے واقف و عالم ہو گئے۔ انہیں احکام و شریعت اور امور و تخلیق میں اختیارات عطا کر دیئے گئے۔ ہر شے کو تابع فرمان بنا دیا گیا۔ لہذا ان کی نزع و جلا کا نہ ہے۔ کیونکہ ان کی حقیقت تمام کائنات سے مختلف ہے۔

دلیل نمبر ۲۷ :- فلما استوفوا انتقاما منهم فاغرقناهم اجمعین

(پ ۲۵ زخرف آیت ۵۵)

پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہم نے ان سے انتقام لیا کہ ان سب کو غرق کر دیا۔ اس آیت کی تفسیر میں آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ بالتحقیق اللہ ہماری طرح نہ غصہ کرتا ہے اور نہ افسوس کرتا ہے (امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ غصہ اور حسرت ہی وہ دونوں کیفیتیں ہیں جو خداوند عالم نے مخلوقات میں پیدا کی ہیں وہ کیفیتوں

سے بالا تر ہے وہ تھا اور کیفیتوں کا وجود نہ تھا) اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے لئے اولیاء پیدا کئے۔ وہ غصہ اور رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس کے مخلوق و مروب ہیں۔ اُس نے ان کی شانندی کو اپنی رضا اور ان کے غصہ کو اپنا غصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان ہی کو اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور اپنی معرفت ذات کی دلیل بنایا ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ کو اسی لئے تمام کائنات سے پیشتر پیدا کیا ہے۔ تاکہ مخلوقات ان ہی کے ذریعہ اپنے مالک و مطلق کی رضا اور ناراضگی کو معلوم کر سکیں۔ لہذا ان کی حقیقتیں تمام کائنات سے جداگانہ ہیں۔ لہذا فرع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۶ م :- وما ظلمونا و لکن کانوا انفسهم یظلمون (پ بقرہ آیت ۵۷)

اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اجل و ارفع ہے اس سے کہ کوئی اس پر ظلم کرے۔ اور اعتد و اضع ہے اس سے کہ اس کی طرف مظلوم ہونے کی نسبت دی جائے مگر اس نے ہمیں اپنی ذات کے ساتھ ایسا و البتہ کر لیا ہے کہ ہم پر ظلم کر وہ اپنی ذات پر ظلم قرار دیتا ہے۔ اور ہم سے محبت کو اپنی ذات سے محبت قرار دیتا ہے۔ یہی تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ پر ظلم کے معنی ہم پر ظلم کرنا۔ اور اللہ سے محبت کے معنی ہم سے محبت کرنا ہیں۔ اس نے ہمیں اپنی ذات کے ساتھ شامل فرمایا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ یہ ذواتِ طاہرہ کائنات سے پیشتر پیدا کئے گئے۔ کیونکہ کائنات کی پیدائش سے پہلے ایسے معیار کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ عدل و ظلم، محبت و نفرت کی حقیقتوں کا پتہ معلوم ہو سکے تاکہ کائنات میں سے کوئی بھی اگر ظلم کرے تو وہ یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمیں ظلم کے معنی ہی معلوم نہ تھے۔ اور نہ یہ کہہ سکے کہ ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ خدا سے محبت کس طرح کرنا چاہیے۔ خداوند عالم نے ان ہستیوں کو پہلے پیدا کیا۔ اور ان کی محبت کو اپنی محبت۔ اور ان پر ظلم کو اپنی ذات پر ظلم قرار دیا۔ لہذا ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہذا ان کی فرع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۸ م :- قل ان صلواتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین

لا شریک لہ و بذلک احرزت وانا اول المسلمین (پ بقرہ آیت ۱۶۴)

اے رسول کہہ دوہ بالیقین میری نماز اور میری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنے خدا کے

رب العالمین کے لئے مختص ہے۔ اور میں اول المسلمین ہوں۔

اس آیت سے بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ آپ سب سے اول فرمانبردار خدا ہیں حضرت
آئمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا کہ عالم ذریں جب خدا نے یثاق لیا تھا۔ تو ہم ہی نے سب سے
پہلے اقرار تو حید کیا تھا۔ یعنی ہم کل کائنات سے پیشتر ہیں۔ کیونکہ ہمارا اسلام اور فرمانبرداری خدا
تمام مخلقات سے مقدم ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہذا ان کی نوع
علیحدہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ہر نبی کا اسلام اس کی امت سے مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نبی اپنی امت
کے مقابلہ میں اول المسلمین ہے۔ لیکن عالم ذریں تمام کائنات و ملکوتات سے مقدم محمد
و آل محمد علیہم السلام اول السلیسین ہیں۔

دلیل نمبر ۴۹ :- وقوله وهو الذي في السماء اله وفي الارض اله وقوله
وهو معكم اينما كنتم وقوله ما يكون من نجوى ثلاثة الا و
هو بالعهده فانما امر ابد لك استيلاء واهتداء بالقدرة التي
ر كبرها فيهم على جميع خلقه وان فعله فعلهم فانهم
عني ما اقول لك فاني اريدك في الشرح لا تلج في صدرك وصد
من لعله بعد اليوم في مثل ما شككت فيه فلا يجد مجيبا عما
ليسل عنه (احتجاج طبرسی ص ۱۲)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے تین آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نبی و امام کی
نوع کو کائنات کی نوع سے جدا کا بظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا خدا کا قول
(وہ خدا وہ ہے کہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود) اور خدا کا قول (وہ خدا
وہ ہے جو تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو) اور خدا کا قول (جب بھی تین آدمی مل
کر سرگوشی کرتے ہیں تو وہ دواں چوتھا ہوتا ہے) اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم خدا کے
لئے جگہ اور مکان مقرر کر دو۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے امرد کے لئے زمین
پیدا کئے ہیں۔ اور ان کی تخلیق میں ایسی قدرت پیدا کر دی ہے۔ جو ان کی تخلیقی ترکیب کا
جزوہ ہے۔ جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات پر غالب ہیں۔ اور یقیناً خدا کا فعل ان ہی
کا فعل ہے۔ پس اسے سائل میری گفتگو کو اچھی طرح سمجھ کیونکہ میں چاہتا ہوں یہ مطلب
تیرے دل میں اچھی طرح بٹھا دوں۔ احسان کے دلوں میں بھی جو آج کے بعد تیری طرح

شک کریں گے۔ اور انہیں کوئی جواب سمجھانے والا نہ ملے گا جس سے مسائل حل کریں۔

اس بیان حق ترجمان سے واضح ہو گیا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی تخلیق میں ایسی قدرت عطا ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے کل کائنات پر غالب ہیں۔ اور اسی لئے خدا نے ان کو اپنا امین اور اپنی حجت تمام کائنات سے پہلے بنایا۔ لہذا ان کی حقیقتیں جدا گانہ ہیں۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔ کیونکہ مختلف الحقائق ایک نوع نہیں ہو سکتے۔

قرآن و حدیث سے جب یہ ثابت ہے کہ حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام مخلوق اول ہیں اور مخلوق اول کسی شے سے پیدا نہیں ہو سکتا ورنہ اول نہ رہے گا۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ حضرات ارادہ خداوندی سے پیدا ہوئے جیسا کہ ان ہی کے ارشادات سے ثابت ہے۔ مگر اس اداۃ اللہ عنہ مشیت اللہ بہم اللہ کا ارادہ ہیں ہم اللہ کی مشیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہادی و رہبر جمیع مخلوقات بنایا۔ خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی عالم ارواحی ہوں یا عالم اجسامی یہ حضرات سب ہی کے معلم معرفت و عبادت خدا ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ صفت رہبری عرض ہے یا جبر یعنی عارضی ہے۔ یعنی خارج از ذات ہے یا جبر یعنی ذاتی ہے یعنی مجرد ذات ہے۔ عرض کا وجود بالذات ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنے وجود میں محتاج غیر ہوتا ہے۔ جس طرح رنگ اپنے وجود میں کسی جوہر کا محتاج ہے بذات خود اس کا وجود ممکن نہیں کسی نہ کسی مادہ کے ذریعہ اس کا ظہور ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کا وجود ہوتا ہے۔ اس کو جوہر کہتے ہیں جو قائم بالذات ہوتا ہے۔ یعنی ہر مابا للعرض اپنے وجود میں مابا للذات کا محتاج ہوتا ہے۔

اگر ان ذوات مقدسہ کی صفت رہبری عارضی ہے تو اس کے لئے کوئی جوہر تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اس صفت کا مدد و مظہر اور غشاء و حصار ہو گا وہ یقیناً ذاتی ہو گا۔ یعنی مجرد ذات ہو گا۔ کیونکہ اگر وہ بھی عارضی ہو گا تو اس کے لئے بھی ایک جوہر تسلیم کرنا پڑے گا جو قائم بالذات ہو۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا جو عقلاً باطل ہے۔ لہذا ایک جوہر ذاتی کا تسلیم کرنا لازم ہے۔

جب عقلاً یہ ثابت ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے لئے ایک جوہر ذاتی ہے۔ جو ان کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا وہ ان کے اقوام ذات کا جزو لاینفک ہے۔ لہذا اس جوہر ذاتی کی وجہ سے ان کی حقیقت تمام مخلوقات سے جدا گانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اگر ان نعمات عالیہ المقام کی فرض خلقت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو

اس کے دو پہلو نکلتے ہیں۔ ایک سبب وجود و بقائے عالم دوسرے سبب ہدایت عالم۔ یعنی یہ حضرات سبب بقائے عالم بھی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے گا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے لہذا ان کے وجود مبارک کو صرف ہدایت خلق کے لئے محدود نہ سمجھا جائے۔ اگر ان ذوات مقدسہ کے لئے کسی سبب سے ظاہری مواقع رہنمائی حاصل نہ بھی ہوں بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں تو ان کا وجود ثبت نہ ہوگا۔ بلکہ سبب بقائے عالم ہونے کا وجہ سے تمام عالم ان ہی کی برکات و تجوید سے مستفید ہو رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد معصوم ہے۔

عن جابر عن ابی جعفر قال قلت لای شیئ یحتاج الی النبی والامام

فقال لبقاء العالم علی صلاحه (بحار الانوار جلد ۷ ص ۱)

دلیل نمبر ۵۰۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب کہ جابر بن عبد اللہ انصاری نے سوال کیا کس لئے نبی و امام کی امتیاز ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بقائے عالم کے لئے ضرورت ہے تاکہ وہ صحیح نظام پر جاری رہے۔

سابقہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حضرات سبب وجود کائنات ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ اور اس حدیث مبارک سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات سبب بقائے عالم ہیں۔ لہذا ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ لہذا نوع علیہہ ہے۔

اس معنوں کے بکثرت احادیث وارد ہیں بلکہ اس کو ایک باب قرار دیا گیا ہے کہ بقائے ارض و سما کا سبب وجود حجت خدا ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے گا۔ لہذا ان دونوں حیثیتوں سے ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہذا نوع جدا ہے۔

فستدبروایا اولی الالبصار

کل فقہائے شیعہ کا نجاست منی پر اتفاق ہے

کس قدر تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے قائلین وحدت نوع کا یہ خیال کہ۔ منی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پاک اور دوسری نجس۔ حالانکہ جین فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے کہ۔ منی نجس العین ہے کسی فقیہ نے آج تک اس کی طہارت کا فتویٰ نہیں دیا۔ اور نہ اس کی دو قسمیں لکھیں۔ اسی طرح قائلین وحدت نوع نے۔ نجس کی بھی دو قسمیں سمجھ لی ہیں۔ حالانکہ فقہائے کبیر بھی اس کی

دو قسمیں نہیں لکھی ہیں کہ ایک کے لئے قیام مسجد حلال ہو۔ اور دوسرے کے لئے حرام۔ بلکہ بحالت جنب قیام مسجد حرام ہی لکھا ہے۔

لہذا ”منی“ اور ”جنب“ کے عمومی معنی جو عاتر الناس کے لئے مستقل ہیں۔ وہ معنی محدثین حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے درست نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات مجہد وقت اور ہر لمحہ طاہر ہیں۔ اور مجہد وقت مسجد میں قیام فرما سکتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بیت الشرف کا دروازہ مسجد میں باقی رکھا گیا۔ جب کہ دیگر تمام دروازے بند کر دئے گئے۔

ہر انسان کے لئے مشرّم گاہ سے دو چیزیں پاک اور دو چیزیں نجس خارج ہوتی ہیں۔ ہڈی اور ردی پاک ہیں۔ اور منی اور پشاب نجس ہیں۔ لہذا یہ کیوں نہیں درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس میں کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں ہے کہ ان حضرات طاہرین و مطہرین کے پاک شے خارج ہو مگر اسی سے اولاد جمائی پیدا ہو۔ اور ان کی اولاد سے جو دیگر اولاد پیدا ہو وہ عمومی طور پر پیدا ہو۔ اور اسی وجہ سے ان حضرات کی اولاد کو دوسروں پر شرف نیابت حاصل ہوا ہو۔ جیسا کہ احادیث متفقہ سے ثابت ہے کہ ان کے لئے ہر حالت میں قیام مسجد جائز و مباح تھا۔

نیز جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے لئے کتاب کافی اور کتاب وافی میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ آپ تمام ان نجاستوں سے پاک و پاکیزہ تھیں جو عام عورتوں کو مابراہری یا وقت ولادت عارض ہوتی ہیں۔ اسی لئے آپ کا لقب بتول ہے۔

آپ کی اولاد میں دو اماموں کے سوا دیگر اولاد امام نہیں ہے۔ امام کے لئے یہ نص امام ہے کہ وہ صرف مس ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے چراغ سے چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ لیکن غیر امام کے لئے یہ صورت نہیں ہے۔

تمام کتب احادیث میں ان حضرات کے لئے لفظ ”منی“ وارد نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بجائے لفظ ”لطفہ“ وارد ہوتا ہے۔ جس کے معنی جوہر دقیق ہیں۔

اگر یہ جوہر دقیق مادہ عرشی اور مشروب جنّتی سے بنا ہے۔ تو اس سے امام کی جسمانی خلقت ہوگی اور اگر یہ جوہر غذائے ارضیہ سے بنا ہے تو اس سے غیر امام اولاد کی خلقت جسمانی ہوگی۔ ”لطفہ“ معنی جوہر دقیق کتب لغت میں موجود ہے اور احادیث و تفاسیر سے بھی ثابت ہے۔

بلکہ لفظ لطفہ معنی جوہر دقیق لطیف حضرات معصومین علیہم السلام کی خلقت اولیٰ نوری قبل آدم علیہ السلام کے لئے بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ امامی حضرت شیخ طوسیؒ میں یہ حدیث موجود

ہے کہ خداوند عالم نے جس لفظ سے حضرت رسول خدا علی مرتضیٰ کو پیدا کیا۔ اسی سے جناب سیدہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو پیدا کیا ہے۔ یہی معنی "لفظہ" مرآۃ الانوار علامہ البرہان الشریف اور مجمع البحرین علامہ طبرسی میں بھی منقول ہیں۔

اب ہم قائلین وحدت نوع کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے شغاف عقیدہ جداگانہ نوع پر کسی اعتراض کا اعتبار نہ آنے پائے۔ اور مومنین مخلصین موالیان اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے قلوب مبارکہ میں نوری تجلیاں بڑھ جائیں۔

علماء محققین نے اطلاق بشریتے انکار نہیں کیا

قائلین وحدت نوع نے اپنی تالیف "أصول الشریعہ" میں کثیر صفحات صرف اس مقصد کے ثبوت میں ضائع کئے ہیں کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام اور ہر ایک نبی اور امام کے لئے بشریت کا اطلاق ہوا ہے۔ حالانکہ محققین نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا ہے۔

علماء محققین کا ارتقا یہ ہے کہ جب یہ ذوات مقدسہ عالم ناسوت کی ہدایت کے لئے تشریف لائے تو بشکل بشری ظاہر ہوئے۔ بشریت ان کے لئے منس ہے۔ اور نورانیت ان کی فصل ہے۔ جس کی وجہ سے نبی یا امام کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ یعنی بشریت عطا و نبوت و امامت کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ کمال ذاتی روحانی اورانی اس کا سبب ہے۔ یعنی بشر کہ یہ عہدہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ صاحب عہدہ کو بشریت دی جاتی ہے۔ یعنی ہر بشری نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر نبی و امام بشر بن کر ہدایت کرتا ہے۔ جب کہ اس کی اُمت بشر ہو۔ اسی مقصد کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے خطبہ شہرہ امامت میں بایں معنی ادا فرمایا ہے کہ یہ عہدہ جلیلہ امامت نہ تو دُعا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ کتاب سے بلکہ یہ صاحب فضل خدا کے وہاب کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ یعنی نبی و امام دُعا سے یا اپنی جد و جہد سے نہیں بنتے۔ بلکہ نبی، نبی اور امام، امام ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے جو کوئی غیر نبی یا غیر امام پیدا ہوا ہو۔ وہ یہ دُعا نہیں کرتا کہ مجھے نبی یا امام بنا دیا جائے۔ اور نہ یہ جد و جہد کرتا ہے کہ وہ اپنی سعی و کوشش سے نبی یا امام بن جائے کیونکہ "النبی نبی فی بطن امہ" و "الامام امام فی بطن امہ" یعنی نبی نبی ہوتا ہے۔ شکم مادر میں اور امام، امام ہوتا ہے۔ شکم مادر ہی میں۔ وہ اپنی ماں سے گفتگو کرتا

رتبہ ہے۔ اور شکم اور سے اس کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنائی دیتی رہتی ہے۔ اور والدین کی پشیمانی سے شعاع نورانی چمکتی رہتی ہے۔ طیب و طاهر پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے بازو پر آیات قرآنی نقش ہوتی ہیں۔ مختون پیدا ہوتا ہے۔ وہ جیسے آگے دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے دیکھتا ہے۔ اس کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ یہ تمام صفات تخلیقی ہیں۔ اس لئے کوئی بشر بھی جو غیر نبی یا غیر امام پیدا ہوا ہو۔ دعاؤں یا تعلیم و تعلیم سے نبی یا امام نہیں بن سکتا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کمال ذاتی نورانی کی حقیقت کے متعلق اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے :-

الوام واحد دهره لا یدانیہ احد ولا یعادلہ عالم
ولا یوجد منہ بدل ولا لہ مثل ولا نظیر مخصوص
بالفضل کلہ من غیر طلب منہ لہ ولا اکتساب بدل
اختصاص من المفضل الوهاب فمن ذالذی یبلغ معرفۃ
الامام او یمکنہ لختیار ہیہات ہیہات نلت العقول
اتاہت الحلوں و حارث الالباب و خسات العیون و تصاغر
العلما و تحیرت الحکماء و تقاصرت الحکماء و حسرت
الخطباء و جہلت الالباء و کلت الشعراء و عجزت الودباء
و عیت البلغاء و عن وصف مشان من شانہ او فضیلۃ من
فضائلہ و امترت بالعجز و التقصیر و کیف یوصف بکلہ
او ینعت بکنہ۔ الخ۔

امام اپنے زمانہ میں واحد و یگانہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی فضل و کمال میں اُس کے نزدیک بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی عالم اس کے مقابلہ کا ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی بدل پایا جاتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مثل و نظیر ہوتا ہے۔ وہ خدا سے بغیر طلب کے اور بغیر اپنے اکتساب کے ہر قسم کی فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس کون ہے کہ معرفت تار اس کو حاصل کر سکے۔ یا امام بنانا کسی کے اختیار میں ہو۔ اُسے اُسے لوگوں کی عقلیں گراہ ہو گئی ہیں۔ اور فہم و ادراک سرگشتہ و پریشان ہیں۔ اور عقول حیران ہیں۔ اور چشم بصیرت ادراک سے قاصر ہے اور عظیم المرتبت لوگ اس امر میں حقیر ثابت ہوئے۔ اور حکماء حیران ہو گئے۔ عقل

پر جہالت کا پردہ پڑ گیا۔ اور شعراء تھک کر رہ گئے۔ اور اہل ادب قاصر ہو گئے۔ اور صاحبانِ بلاغت عاجز ہو گئے۔ امام کی کسی ایک صفت اور فضیلت کو بھی بیان نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا۔ اور اپنی کوتاہی کے قائل ہوئے۔ پس جب امام کی ایک وصفت کا یہ حال ہے تو اس کے تمام صفات کی حقیقت کو کس کی طاقت ہے کہ بیان کر سکے۔ اور ان کے حقائق پر روشنی ڈال سکے یا اس کے متعلق کچھ سمجھ سکے۔

اس کلامِ امام کی روشنی میں وحدتِ نوع کے قائمین کا یہ سوال قطعاً غلط ہے۔ کہ نبی و امام کی فصلِ مینر کی حقیقت واضح کی جائے۔ سوائے خدا کے اور اب کے کوئی اس کی حقیقت کو نہیں جانتا۔ اور اسی لئے انبیاء و آثارِ طاہرین علیہم السلام کے کمالات اور ان کی حقیقتیں اور ان کے آثار و صفات کی حدیں معین نہیں کی جاسکتیں۔ ہم اس فصلِ مینر کو کمالِ ذاتی و نورانی کہتے ہیں جو مجرد ذات ہوتا ہے۔ یعنی حقیقتِ نبی و امام اس جزو کے بغیر وجود میں نہیں آسکتیں۔ بشرِ کتنا ہی بلند سطح کا بشر ہو نبی و امام نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تخلیق میں یہ جزو نہ ہو۔ حضراتِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام جس طرح اپنی تخلیقِ نورانی میں تمام مخلوقاتِ نورانیہ سے اکمل و افضل ہیں۔ اسی طرح اپنی تخلیقِ بشری میں بھی تمام مخلوقاتِ بشریہ سے اکمل و افضل ہیں مگر یہ اکلیت و انفصیت وحدتِ نوع کے لحاظ سے نہیں ہے۔ بلکہ وحدتِ جنس کے لحاظ سے ہے۔ یعنی جن طرح حیانت میں تمام اجسام سے ان کا جسم افضل اور ذی حیات ہونے میں تمام ذی حیات سے ان کی صفت حیات افضل اور ادراکِ معقولات میں تمام مدرکِ معقولات سے ان کا ادراکِ افضل اسی طرح بشریت میں تمام افرادِ بشری سے ان کی بشریت افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حیانت و حیوانیت و ادراکِ معقولات اور بشریت ان کی تمام حقیقت اور مکمل ماہیت ہے۔ یعنی محض بشرِ کامل ہیں۔ اور ان میں کوئی اور کمالِ ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی ذاتِ عالیہ میں ایک کمالِ ذاتی ان تمام صفات کے علاوہ بھی ہے۔ اور وہ ان کی خصوصی نورانیت اور مخصوص روحانیت ہے۔ جس کی وجہ سے نبی و امام قرار پاتے ہیں۔ یہی کمالِ ذاتی ان کی فصلِ مینر ہے۔ لہذا یہ کہنا تو درست ہو سکتا ہے کہ یہ حضراتِ نوعِ امام اور نوعِ نبی کے افرادِ کاملہ ہیں مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نوعِ بشر کے اکمل افراد ہیں۔ کیونکہ لفظِ نوع کا اطلاق مکمل ماہیت اور تمام حقیقت پر ہوتا ہے۔ ان کی مکمل حقیقت صرف بشریت نہیں ہے۔ بلکہ بشریت کے علاوہ کمالِ ذاتی و نورانی ان کی ذات کا جزو لا ینفک ہے جو فصلِ مینر ہے۔ وہ جزو ذاتی اور بشریت دونوں کے عالمِ ناسوت کے نبی و امام ہیں۔ لہذا

بشریت ان کے لئے صرف ایک جزو ہے نہ کہ کل حقیقت و تمام ماہیت۔ اور یہ سلمات میں سے ہے کہ مختلف الحقیقت افراد میں جو جزو مشترک ہوتا ہے وہ جنس کہلاتا ہے نہ کہ نوع۔ لہذا یہ حضرات جنس بشر کے افراد کا ملکہ کے جاسکتے ہیں نہ کہ نوع بشر کے اکمل افراد۔ جو لوگ ان ذوات کا ملکہ کی کل حقیقت و تمام ماہیت کو صرف بشریت ہی میں محدود سمجھتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی کمال ذاتی کے قائل نہیں ہیں جو ان کی ذوات مقدسہ کا جزو لانیفک ہے۔ جس کی وجہ سے درجہ نبوت و امامت عطا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ان کو اپنی نوع کے افراد کا ملکہ سمجھتے ہیں یعنی بلند سطح کے بشر اور بس۔ لیکن علمائے محققین ان کی بشریت کا ملکہ کے علاوہ ان کے ایک کمال ذاتی کے معتقد ہیں جو ان کے لئے جزو ذات ہے۔ اور وہ ان حضرات کی نورانیت ہے جس سے کل نوع بشر محروم ہے درجہ ہر ایک بشری و امام ہوتا۔ لہذا صرف جنس میں مشارکت ہے جیسے جسم ہونے میں دیگر اجسام کے ساتھ۔ اور حیوانیت میں دیگر ذمی حیات کے ساتھ۔ اور بشریت میں دیگر بشر کے ساتھ مشارکت ہے۔ مگر نورانیت میں ہرگز مشارکت نہیں ہے لہذا جنس بشر کے افراد کا ملکہ نہایت درست ہو سکتا ہے نہ کہ نوع بشر کے افراد کا ملکہ۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور دلائل عقلیہ بھی اسی کے مؤید ہیں۔ لہذا ہم قائلین وحدت نوع کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ کسی آیت قرآن یا حدیث معصوم سے ان کی تمام حقیقت و کل ماہیت صرف بشر ہونا ثابت کر دیں۔ و ورنہ خطر القتاد۔ پھر جسے قرآن میں کوئی آیت۔ اور کل کتب احادیث میں کوئی حدیث ہرگز نہیں ہے۔ جس میں ان حضرات کو صرف بشر کہا گیا ہو اور بشریت کے علاوہ کمال ذاتی یا اس کے آثار و صفات کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اب ہم قائلین وحدت نوع کے شبہات کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے وحدت نوع کے ثبوت میں اپنی کتاب اصول الشریعہ میں درج کئے ہیں جو پانچ دلائل پر مشتمل ہیں۔

قائلین وحدت نوع کے سفطوں پر نقد و نظر

کتاب مذکورہ کے صفحہ ۶۱ پر بعنوان: بشریتہ انبیاء حقائق قرآنی کی مدہنی میں تحریر ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

دلیل اول۔ خدا نے حکیم سب سے پہلے نبی حضرت ابوالبشر کے بارہ میں فرماتا ہے:

اتی خالق بشرًا من طین (پ ۲۲- س ص ۱۴ ع ۱۴)

میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں۔

دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

۱۰ اتی خالق من صلصال من حماء مسنون (پ ۱۲ س ص ۱۳ ع ۱۳)

میں ایک آدمی کو نمیر دی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔

ان آیات مبارکہ میں بشر- طین- صلصال- حماء مسنون سب ہی لفظیں خداوند عالم نے صرف

کی ہیں۔ احادیث میں ان کی خلقت کی تفصیل موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں نبی البلاغہ کے پہلے خطبہ کا

ہی مطالعہ کر لینا کافی ہے۔ بعد ازیں کیونکہ کوئی مسلمان ان کے بشر اور انسان ہونے کا انکار کرنے

کی جرات کر سکتا ہے۔ (اصول الشریعہ)

الجواب :- ازل تو یہ بات قطعاً غلط ہے کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم ہیں کیونکہ ان کی خلقت

سے ہزار سال پیش ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی بعثت عالم ذریں ہو چکی تھی۔ اور

وہ اور ان کے اجزاء نور یہ عالم لاہوت و ملکوت میں معلم ارواح و ملائکہ تھے جیسا کہ ہم مفصل قرآن و

حدیث کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔ من جلد ایک حدیث احتجاج طبرسی ص ۲۳ سے پیش کرتے ہیں۔

آن حضرت نے فرمایا۔ اے لوگو! میرے بارہ میں تمام انبیاء و مرسلین کو بشارت دی

گئی کہ میں خاتم النبیین والمرسلین ہوں۔ اور جمیع مخلوقات سموات وارضین کا نبی بنایا

گیا ہوں جو اس میں شک کرے گا وہ زمانہ جاہلیت کے کافروں کی طرح کافر ہو جائے

گا۔ اور جو شخص میرے اس قول کے کسی جزو میں شک کرے گا تو اس نے گویا میرے

کل قول میں شک کیا۔ اور شک کرنے والے کے لئے جہنم ہے۔

دوم :- خالق بشرًا۔ کاترجمہ "ایک آدمی بنانے والا ہوں" غلط ہے۔ کیونکہ ابوالبشر

خود حضرت آدم ہیں۔ جن کو سب سے پہلے بشر بنایا جا رہا ہے۔ ان کی اولاد آدمی کہلائے

گئی نہ کہ یہ خود۔ لہذا آدمی کو چاہیے کہ آدم اور آدمی کا فرق سمجھے ورنہ آدمی نہیں۔

سوم :- آیہ مذکورہ میں صرف تخلیق بشر کا ذکر ہے۔ جس سے کسی بشر کو انکار نہیں ہے۔ بلکہ

بحث یہ ہے کہ یہ بشریت کسی ذات کے لئے تخلیق کی گئی۔ جس کا ذکر قرآن و حدیث میں اس طرح

مردم ہے کہ تسویر بشر کے بعد خداوند عالم نے حضرت آدم کی وہ روح جو پہلے سے ان ارواح

کے ساتھ موجود تھی جن کی طرف عالم ذریں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیا تھا۔ جب اس روح کو

جسم بشری میں داخل کیا تو ملائکہ کو حکم سجدہ دیا گیا۔ نوح خاص آدم پہلے موجود تھی جس کو بدن میں نفع کیا گیا۔ جو بدن آب و گل سے تیار کیا گیا اس کو سجدہ نہیں کرایا گیا بلکہ نفع روح کے بعد جب نور محمد وآل محمد علیہم السلام کو صلب آدم میں ولایت کیا گیا تب ملائکہ کو حکم سجدہ ہوا۔ حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ شیطان نے صرف بشریت آدم کو دیکھ کر جو آب و گل سے تیار کی گئی تھی اپنے اوپر تیاں کیا۔ نورانیت و روحانیت آدم کو نہیں دیکھا۔ اس لئے اس نے آب و گل کے مقابلہ میں اپنی ناریت کو پیش کر کے کہہ دیا کہ اس آدم سے میں افضل ہوں۔ مجھے ترے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو گندھی مٹی سے۔ اگر وہ نورانیت آدم سے اپنی ناریت کا مقابلہ کرتا تو کبر و غرور نہ کرتا۔ اور ملعون و شیطان نہ بنتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام صرف بشر نہیں تھے بلکہ بشریت کے ساتھ ان کا ایک جزو لاینفک نورانیت بھی تھا۔ اور یہی ان کی فصل میز ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نبی بنائے گئے۔ مگر شیطان نے اس جزو غفائی اور کمال روحانی کو نظر انداز کر دیا۔ جس کی وجہ سے رافضی دنگاہ ہوا۔

تائلمین وحدت نفع بالکل وہی سبق و برابر ہے جس میں صرف بشریت آدم کا ثبوت قرآن سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”بعد ازیں کیونکہ کوئی مسلمان ان کے بشر ہونے کا انکار کرنے کی جرات کر سکتا ہے“ حالانکہ آج تک کسی بھی مسلمان نے بشریت آدم بلکہ بشریت انبیاء و ائمہ کا انکار نہیں کیا ہے۔ نہ کسی نے اس کی جرات کی ہے۔ خواہ مخواہ اس کے ثبوت میں آیات پیش کی گئی ہیں۔ یہ مسئلہ ہرگز اختلافی نہیں ہے۔ ہر عاقل اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اصل اختلاف تو اس امر میں ہے کہ بشریت کے علاوہ ان میں نورانیت ہے یا نہیں جو ان کی فصل میز ہے۔ یعنی ان کی ذات کا ایسا جزو لاینفک ہے کہ جس کی وجہ سے وہ نبی یا امام قرار پاتے ہیں۔ اگر بشریت و نورانیت دونوں کو ذات نبی و امام کا جزو تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تمام حقیقت و کل ماہیت دونوں جزوں کا مرکب ہوگی۔ اور یہ مرکب ہی نبی و امام کہلائے گا۔ صرف بشریت خواہ کتنی ہی بلند مرتبہ پر فائز کیوں نہ ہو۔ نبی و امام نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ اس میں جزو نورانی جزو ذات کی حیثیت سے اس کی فصل میز قرار نہ پائے۔ اور جب جزو نورانی ان کی تمام حقیقت کا جزو لاینفک ہوگا تو نبی و امام جدا کا نہ نوع قرار پائیں گے کیونکہ ان کی تمام حقیقت و جزو ہیں۔ ایک بشریت اور دوسرا نورانیت۔ لہذا بشریت صرف جزو نبی و امام ہے۔ تمام حقیقت اور کل ماہیت نبی و امام نہیں ہے۔ اور جب تمام حقیقت نہیں تو ایک نوع نہیں کیونکہ وحدت نفع کے لئے تمام حقیقت

میں متفق ہونا ضروری ہے۔ لہذا بشریت ان کے لئے جنس ہے۔ یعنی یہ بھی بشر ہیں۔ اور اُمت بھی بشر ہے۔ یہ اشتراک صرف بشریت میں ہے نہ کہ نورانیت میں نہ کہ روحانیت میں نہ کہ کمال ذاتی میں۔ لہذا دونوں کی حقیقتیں مجاہد ہیں۔ دونوں مختلف الحقائق ہیں۔ اور جو جزو ذاتی مختلف الحقائق پر اطلاق کیا جائے اس کو جنس کہتے ہیں نہ کہ نوع۔ لہذا یہ حضرات جنس بشر کے افراد کامل ہیں جس کو علمائے متعین ہمیشہ بیان کرتے ہیں۔ اور تاملین وحدت نوع ہمیشہ انکار کرتے ہیں۔ وہ ان کو بشر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ اور سامعین کو دھوکا دیتے ہیں کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام قرآن وحدیث کی روشنی میں بشر ہیں۔ ہم نے بشریت کا کبھی انکار ہی نہیں کیا۔ اور نہ کوئی مسلمان اس کی جرات کر سکتا ہے۔ اصل اختلاف تو یہ ہے کہ ان حضرات کے دو جزو ہیں۔ بشریت ونورانیت۔ اور دونوں ہی اکمل ہیں۔ یا صرف بشریت ہی بشریت ہے جزو نورانی نہیں ہے۔

علمائے متعین کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی وامام میں دو جزو ہیں۔ بشریت کاملہ اور نورانیت کاملہ۔ دونوں کا مرکب نبی وامام ہے۔ جو مجاہدگانہ نوع ہے۔ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام نوع نبی اور نوع امام کے افراد کاملہ ہیں۔ تاملین وحدت نوع موقوف اصول الشریعہ اور ان کے ہمنواسات افراد جن کے دستخط صحت پر ثبت ہیں۔ صرف بشریت کے قائل ہیں۔ اور بشر ہی کے اکمل افراد۔ ان کا عقیدہ ہے۔ یہ حضرات نورانیت کے منکر ہیں۔ چنانچہ اصول الشریعہ میں صرف تردید کے ساتھ یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۶۔

”باب دوم در بیان اینکه آیا انبیاء و ائمه علیہم السلام نور ہیں یا بشر“ ان کی اس عبارت میں دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ دونوں صورتوں میں سے انہوں نے بشریت ہی کو اپنا عقیدہ بنا کر بے شمار صفحات ثبوت بشر میں سیاہ کر ڈالے ہیں۔ حالانکہ علمائے متعین نے بشریت کا کبھی انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان حضرات کو بشر بھی مانتے ہیں۔ اور نور بھی۔ یعنی بشر نورانی تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے مجاہدگانہ نوع ثابت کرنے کے سلسلہ میں قرآن وحدیث وعقل سے دلائل پیش کئے ہیں۔ مگر تاملین وحدت نوع کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرات صرف بشر ہیں۔ اور بشر ہی کے افراد کاملہ ہیں۔ حالانکہ بلند سطح کا بشر تو کفار بھی تسلیم کرتے ہیں مگر پھر کافر ہیں۔ کیونکہ نورانیت کے منکر ہیں۔ بلکہ شیطان بھی حضرت آدم کی بشریت ہی کا قائل رہا۔ نورانیت پر ایمان نہیں لایا۔ موم ی کہ پیش کردہ آیت کا صرف ایک جملہ جس میں ”بشرًا من طین“ ہے۔ تحریر کر کے

<http://fb.com/ranajabirabbas>

لفظ "عالمین" (یعنی بلند مرتبہ حضرات) سے ثابت ہے کہ وقت تخلیق آدم علیہ السلام یہ ہمتیاں موجود تھیں جو ملائکہ کے علاوہ تھیں۔ اور بشریت کے وجود ازل سے پہلے تھیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ عالمین سے مراد ہم محمد وآل محمد (علیہم السلام) ہیں لہذا ان حضرات کو صرف بشر کہنا یا کھانا ایسی قیاس ہے۔ کیونکہ اہل زمین کی ہدایت کے لئے یہی عالمین بشکل بشر تشریف لائے ہیں۔ لہذا ان کے مدجز وہ ہیں۔ ایک نورانیت جس کی درجہ سے عالمین ہیں۔ اور ایک بشریت جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے عطا کی گئی ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

خداوند عالم کا خطاب کل ملائکہ سے ہے۔ خواہ وہ جبریل ہوں۔ یا میکائیل اسرائیل ہوں یا عزرائیل۔ کلامِ اجموعہ اس کے مخاطب ہیں۔ اور سب ہی سجدہ اطاعت بجالائے ہیں مگر بشریت کو سجدہ نہیں کیا بلکہ نورانیت کو ہے۔ خداوند عالم نے انہیں کے انکار سجدہ کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تکبر اور دوسرا عالمین میں شمار ہونا۔ چونکہ وہ عالمین میں سے نہیں تھا اس لئے انکار سجدہ کی وجہ تکبر ہی ہے جس کا انکار تکبر ہی کی کریں گے۔

قائلین وحدت نوع نے اسی دلیل اول میں ایک دوسری آیت بھی پیش کی ہے۔ جس میں لفظ بشر آیا ہے۔ اس کا بھی صرف ایک مجزہ پیش کر کے از کتاب خیانت کیا ہے ہم مکمل آیت پیش کرتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے قطعاً خلاف ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰٓصٰلٍ
مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوۡنٍ ۭ فَاِذَا اسْوٰیۡتُهُۥ وَاَنفَخْتُ فِیْهِ مِنْ
رُّوْحِیْ فَقَعُوۡا لَہٗ سَاجِدٰۡیۡنَ ط

(یاد کر کہ اُس وقت کہ) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں بے شک ایک بشر کو غیر کی بڑی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اُسے مکمل کر لوں۔ اور اس میں اپنی خاص روح کا حصہ پھونک دوں۔ تو تم سب کے سب سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

اس آیت میں بھی بعینہ وہی خطاب اور وہی تکمیل بشر اور وہی نفخ روح کے بعد حکم سجدہ ہے۔ تصویر بشر کے بعد نفخ روح ہی سبب عطائے نبوت ہے۔ لہذا نبی صرف بشر نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا جزو اس میں روح خاص ہے۔ لہذا اس آیت سے بھی نبی کا صرف بشر ہونا ثابت نہیں ہے۔

خداوند عالم نے مَدَح کو اپنی ذات کی طرف اسی طرح منسوب فرمایا ہے۔ جس طرح کعبہ کو ”بیتِ نبی“ یعنی میرا گھر فرمایا ہے۔ مولف کتاب اصول الشریعہ نے اس آیت میں بھی لفظ بشر کا ترجمہ آدمی کیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ بشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے ہے نہ کہ آدمی کی مگر ترجمہ ہی آدم اور آدم میں امتیاز سے غافل ہے۔

دلیل نمبر ۲ :- سورہ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ ”انہوں نے یہ کہہ کر نبوت کا انکار کر دیا۔“

ثَالُوَانِ اَنْتُمْ اَلَا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُوْنَ اَنْ نَّصُدَّ ذُنَا عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ اَبَاءَنَا فَالْوَاٰسِلُطَانِ مَبْنِيْنَ ۝

(پ ۱۳ س ابراہیم ع ۱۱۲)

وہ لوگ بل اُنٹے کہ تم بھی ہمارے ہی سے آدمی ہو (اچھا اب بگھے اتم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو۔ (اچھا تو تم بگھے ہو تو ان کوئی صاف کھلا ہوا صریح معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔

اگر یہ انبیاء و بشر انسان نہ ہوتے بلکہ صرف جامہ بشریت میں ملبوس ہوتے تو یہاں چونکہ صرف اُن کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کیا جا رہا تھا تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کہ کفار کا ناطق بندہ کہہ دیتے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہے صرف ظاہر میں تم کو ہم بشر و انسان دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اُدھی ہیں۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ انہوں نے یہ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنی خصوصیت کا اظہار فرمایا ہے۔ خدا نے اُن کے جواب کو بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ مَرْسُلُهُمْ اِنْ خُنَّ اَلَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ
يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۚ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ
نَّاتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ
(پ ۱ س ابراہیم ع ۱۱۲)

اُن پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی سے آدمی ہیں۔ مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فعل (دکرم) کرتا ہے اور رسالت عطا فرماتا ہے اور ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا

رہنمائی خواہش کے موافق ہم کوئی مجوزہ تمہارے سامنے لاسکیں۔ اُردو خلا ہی پر سب

ایمانداروں کو مجبور نہ رکھنا چاہیے۔ (ترجمہ فرغان)

اس آیت مبارکہ نے جہاں ان بزرگواروں کے بشر ہونے پر نص قائم کر دی ہے۔ وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا انبیاء علیہم السلام کو بھی اعتراف ہے۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ کفار بموجب کلمہ حق یا ربہا الباطل، ان کو بشر کہہ کر ان کی خصوصیات نبوت کا انکار کر دیتے تھے اور انبیاء نے بشریت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصوصیات کو بھی آشکار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے اپنی تفسیر التبیان جلد ۶ صفحہ ۲۸ پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حکى الله في هذه الآية ما اجابت به الرسل الكفار فانهم قالوا لهم ما نحن الا بشر مثلكم ولسنا ملائكة كما زعمتم ولكن الله من علينا فاصطفانا وبعثنا انبياء وهو يمن على من يشاء من عباده ولم يكن لنا ان نجعلكم بسطان اى بحجة على صحة دعوانا الا بامر الله واطلاقه لنا فذلك كذلك في مجمع البيان للطبرسي ج ۲ ص ۱۸

یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاء کے اس جواب کی حکایت کی ہے جو انہوں نے کفار کو دیا تھا کہ ہم یقیناً بشر ہیں۔ اور جس طرح تمہارا گمان ہے کہ نبی فرشتہ ہونا چاہیے۔ ہم فرشتے نہیں ہیں۔ لیکن خدائے منان نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ اور ہم کو بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا ہے۔ اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعویٰ کی صحت و صداقت پر خدا کے امداد و اجازت کے بغیر کوئی مبینہ دبرمان نہیں لاسکتے (اصول الشریعہ)

(جواب) ”قائلین وحدت نوح نے آیہ مذکورہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ کفار بھی انبیاء کو بشر مانتے تھے۔ اور انبیاء نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ہم بشر نہیں۔ علماء محققین نے کبھی بشریت کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ صرف بشریت کا انکار کیا ہے۔ یعنی انبیاء و آئمہ علیہم السلام صرف بشر ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایک ایسا ذاتی کمال ہے جس کی وجہ سے وہ نبی و امام ہیں۔ اور وہ ان کا مجز

لائیفنگ ہے۔ وہی ان کی فصل میز ہے۔ بے شک انبیاء نے اپنی بشریت کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس مجزولائیفنگ کا بھی اعلان فرمایا ہے جو ان کی ذات کے لئے مخصوص ہے یعنی حد فاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نوع بشر سے ممتاز ہیں۔ البتہ بشریت ان کی جنس ہے۔ جس کا اعتراف فرمایا ہے۔ اگر وہ مجزولائیفنگ سے مجزولائیفنگ عارضی ہوتا تو جس وقت وہ ان کی ذات سے جدا ہو جاتا تو وہ نبی نہ رہتے بلکہ صرف بشر رہ جاتے پھر نہ ان پر وحی ہوتی نہ الہام اور نہ فرشتوں کو دیکھ سکتے۔ جس طرح تمام نوع بشر ان خصوصیات سے عاری و خالی ہے۔ لیکن وہ ہر لمحہ نبی ہیں کسی وقت بھی ان سے نبوت جدا نہیں ہوتی۔ لہذا کسی وقت بھی کمال ذاتی ان سے جدا نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی ذات کا مجزولائیفنگ ہے۔

آیہ مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام نے اپنے دو مجزولائیفنگ فرمائے ہیں۔ ایک بشریت اور دوسرا کمال ذاتی جس کو احسان خاص اور فضل خاص خداوندی سے تعبیر فرمایا ہے جو کسی سابقہ عمل کی جزا نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذہب آریہ کا عقیدہ ہے۔ کہ جس کو دیوتا یا رشی بتایا گیا ہے وہ سابقہ اعمال نیک کی جزا ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ فضل خاص ان کی تخلیق ہی میں عطا ہوتا ہے۔ بشر بننے کے بعد عاؤں یا ذاتی اکتساب سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مرتبہ خدا نے صاحب فضل و احسان کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ لہذا یہ فضل خاص نبی و امام ہی کے ساتھ منحصر ہے۔ عام بشر جو امت ہیں۔ اس کمال ذاتی سے محروم ہیں۔ درحقیقت کفار نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے مثل بشر دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ ہماری طرح جب یہ بشر ہیں تو ہم نبی کیوں نہیں بنے یہ نبی کیسے بن گئے ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے یہ فرشتے تو ہیں نہیں۔ ہمارے مثل بشر ہیں اسی فکر و نظر کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر اس کا جواب انبیاء علیہم السلام نے یہ دیا ہے کہ اتنی بات تو تمہاری درست ہے کہ تم تمہارے مثل بشر ہیں مگر تم میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اپنے فضل و احسان سے مخصوص کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ مخصوص کر لیتا ہے وہ خصائص نبوت تمہارے ابناء نے جنس میں نہیں ہیں اس جواب کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ تم اور نوع ہوا اور ہم اور نوع ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب فرق بتا دیا گیا جو فضل میز ہے تو اس سے جدائی واضح ہو گئی یہی فارق ان کے کمال ذاتی کی دلیل ہے۔

قائمین وحدت نوع کو اگر تعبیر صافی کے مطالعہ کی توفیق ہوتی تو مسند جہ ذیل عبارت پڑھ کر اپنا

منہ بند کر لیتے۔

سلموا مشاركتهم في البشرية وجعلوا الموجب لاختصاصهم
بالنبوة فضل الله مومنه عليهم بمخصائص فيهم ليست
في ابناء جنسهم (صافی ص ۳۳)

انبیاء علیہم السلام نے صرف بشریت میں مشارکت تسلیم کی ہے۔ اور اپنے نبی ہونے کے
اختصاص کا سبب خداوند عالم کے فضل و احسان خاص کو قرار دیا ہے۔ جن کی وجہ
سے ان میں وہ مخصائص نبوت ہیں۔ جو ان کے ابناء جنس یعنی عام بشر میں نہیں
ہیں جو ان کے ہم جنس ہیں۔

اس تفسیر سے بالکل واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام نے بشریت میں ہم جنس ہونا ظاہر فرمایا
ہے نہ کہ ہم نوع ہونا۔

اس جواب انبیاء کے بعد کافروں کا منہ بند ہو گیا پھر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم ہم جیسے بشر ہو بلکہ
اس شرط پر نبوت تسلیم کرنے کا اقرار کیا کہ ہمیں وہ معجزہ دکھاؤ۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ جس کا جواب انبیاء
علیہم السلام نے یہ دیا کہ ہم ہر شخص کے مطالبہ کے مطابق از غد معجزہ نہیں دکھا سکتے کیونکہ ہم خدا کے
امر اور اس کی اجازت کے پابند ہیں۔ کیونکہ ہم اُس کے فرستادہ ہیں۔ وہ اپنی مشیت و مصلحت کے
مطابق معجزہ دکھانے کی اجازت دیتا ہے۔

جناب شیخ الطائف علیہ الرحمہ کی تفسیر سے حرف بحرف ہماری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں
نے انبیاء علیہم السلام کے اصطفاء و بعثت کو خداوند عالم کا فضل و احسان قرار دیا ہے جو ان
کی فصل میز ہے۔

ہم نص قرآن اور اعتراف انبیاء کے معترف ہیں کہ یہ حضرات بشر ہیں مگر صرف بشر نہیں
بلکہ ان میں ایک کمال ذاتی ہے۔ جو سبب اصطفاء و بعثت ہے۔ لیکن ان کو صرف بشر سمجھنا کفار
کا مقولہ ہے جو نہ تو خدا کا ارشاد ہے۔ اور نہ انبیاء کا اعتراف ہے۔ اور نہ محققین کا ایمان ہے
لہذا ان کو غلو نواز کہنا کفار کی تائید ہے۔

حضرت محدث کبیر شیخ الطائف طوسیؒ نے جو کتب اربعہ میں دو کتابوں استبصار اور تہذیب
کے جامع ہیں۔ حضرت رسالت مآب و حضرت ولایت مآب کے لئے حضرت امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام کی حدیث طویل اپنے سلسلہ سند سے بیان فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

”ظَاهِرُهُمَا بَشَرِيَّةٌ وَبَاطِنُهُمَا لَاهُوتِيَّةٌ“

یعنی ان حضرات کا ظاہر بشریت ہے اور باطن لورائیت ہے۔

جیسا کہ ہم دلائل جبرائیلہ نوح میں تحریر کر چکے ہیں۔ لہذا ان ذوات مقدسہ کو ظاہر میں بشر اور باطن میں نور کجنا ہی عین ایمان ہے۔ جس سے کفار نابلد تھے بلکہ اس کے منکر تھے۔ نیز زیارات معصومین علیہم السلام میں ”الْشَّلَامُ عَلٰی ظَاهِرِكُمْ وَعَلٰی بَاطِنِكُمْ“ موجود و ماثور و متداول ہے و لیل سوم :- بالکل ایسا ہی جناب رسول خدا کا یہ ارشاد ہے۔

”قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنْتُمْ اِلَهٌ وَاحِدٌ“

اے رسول کہو، کہ میں بھی تمہارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں رفیق موت اتنا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آں حضرت کو بشر کہتے ہوئے خاص کو نظر انداز کرتے تھے۔ آں حضرت نے حکم پور دگا جہاں اپنے بشر ہونے کا اعلان کیا۔ وہاں اپنی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرما دیا۔

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۱۱۱ پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

”لا فضل لی علیکم الا بالذین والنبوة ولا علم لی الا ما علمنیہ اللہ تعالیٰ“

”یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین و نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں (ہاں یہی فضیلت تمام نفاذات کی جانتی ہے) اور میرے پاس سوائے اس علم کے جو خدا نے مجھے تعلیم دیا۔ اور کوئی علم نہیں ہے۔“

تفسیر صافی ص ۱۱۱ پر بحوالہ احتجاج طبرسی و تفسیر امام اس آیت کی تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے یوں مروی ہے۔

”قُلْ لَّهْمَا اَنَا فِي الْبَشَرِيَّةِ مِثْلُكُمْ وَلَكِنْ رَاقِي خَصِّنِي بِالْنبوةِ دُونَكُمْ كَمَا يَحْقُقُ بَعْضُ الْبَشَرِ بِالْغِنَى وَالصَّحَّةِ وَالْمَالِ دُونَ بَعْضٍ مِنَ الْبَشَرِ فَلَا تَنْكُرُوا اِنْ يَخْصِنِي الْيَسْنَا بِالْنبوةِ۔“

یعنی اے رسول ان (منکرین نبوت) سے کہہ دو کہ میں بشر ہونے میں تمہارے مثل ہوں لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو توہم گدھی صحت و سلامتی اور حسن و جمال سے

نوازتا ہے اور بعض کو محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح خدائے حکیم نے مجھے رتبہ نبوت پر ممتاز کیا ہے۔ اور تمہیں اس سے محروم رکھا ہے۔ لہذا جس طرح تم بعض انسانوں کی نابردہ ضرورت کا انکار نہیں کرتے اسی طرح تم اس بات کا بھی انکار نہ کرو کہ خدائے مجھے نبوت کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ (کذا فی الاحتجاج للطبوسی) (اصل الشرعیہ)

(جواب :- آیت مذکورہ کا اگرچہ ترجمہ نظری ہے مگر ہم صریح نظر کرتے ہوئے ان کی اپنی عبارت و فرق اتنا ہے اہی کہ ان کی اپنی غور و فکر کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے عام بشر اور نبی میں فرق تسلیم کر لیا ہے۔ اور جب فرق ثابت ہے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ یہ فارق جس کی وجہ سے عام بشر سے نبی جدا گانہ ہے آیا عارضی ہے یا ذاتی؛ اگر عارضی ہے تو اس کا قیام بغیر جوہر محال ہے کیونکہ عرض کا وجود و مقام بہہ پر موقوف ہے۔ لہذا حقیقت نبی میں ایک کمال ذاتی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اس کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ یہ فارق قائم ہے۔ اگر یہ فارق ذاتی ہے یعنی جزو ذات نبی ہے تو اس کو فصل میسر کہتے ہیں۔ لہذا بشریت اور جزو فارق دو جزو ثابت ہو گئے۔ بشریت جس سے اور فارق فصل ہے۔ ان دونوں کا مرکب نبی ہے۔ لہذا نوع جدا گانہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت خود ان کی مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہے۔ چونکہ کفار آں حضرت کو بشر کہتے ہوئے ان کے خصائص کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ آں حضرت نے حکم پروردگار جہاں اپنے بشر ہونے کا اعلان کیا وہاں اپنی خصوصی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرمایا، عبارت مذکورہ سے کس قدر واضح ہے کہ کافر صرف بشر سمجھتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ان کے اس خیال کی رد کے لئے آں حضرت کو حکم دیا کہ اپنی خصوصیت (وحی نبوت) کا اعلان کر کے ثابت کر دیں کہ بشریت کے علاوہ ان میں ایک کمال ذاتی بھی موجود ہے۔ جو فارق ہے۔ اور فصل متمیز ہے جس کی وجہ سے نبوت عطا ہوئی ہے۔ اور وحی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ان کی تحریر کردہ عبارت سے ثابت ہے کہ نبی کی نوع جدا گانہ ہے۔ صرف بشریت میں اشتراک ہے۔ جو ان کی جنس ہے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بشر و نبی ہم جنس ہیں مگر نبی اس جنس کے افراد کاملہ میں سے ہے۔ انہوں نے اس کے بعد علاوہ طبری کی عبارت پیش کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دین جو حقیقت وجود نبی کے آثار اور حرکات و سکنات کا نام ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے جو عام بشر کو حاصل نہیں۔ دوسری فضیلت نبوت ہے۔ جس سے عام بشر غالب و جاری ہے۔ تیسری فضیلت علم ہے جو عطیہ خدا ہے۔

اور حقیقی علم ہے عام بشر کی طرح کتابی نہیں ہے۔ بلکہ تخلیقی ہے۔ لہذا صوف بشر سمجھنا جہالت ہے اس کے بعد انہوں نے تفسیر صافی کے حوالہ سے ایک دعایت نقل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول کافروں سے کہہ دو کہ میں بشریت میں تمہارے مثل ہوں۔ لیکن تم میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ مجھے خدا نے نبوت کے ساتھ محض کیا ہے تمہیں نہیں کیا۔ جیسا کہ تم تسلیم کرتے ہو۔ کہ خدا نے بعض بشر کو تو نگرمی وصحت و حسن سے مخصوص کر دیا ہے اور بعض کو نہیں کیا۔ پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں کیا عذر ہے کہ مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ کیونکہ جب تم خدا کا یہ اختیار تسلیم کرتے ہو کہ جس کو چاہے غنی بنا دے اور جس کو چاہے فقیر بنا دے اور جس کو چاہے حسین و جمیل بنا دے اور جس کو چاہے اس سے محروم کر دے۔ تو پھر خدا کے اس اختیار کا انکار کیوں کرتے ہو کہ جس کو چاہے نبی بنا دے اور جس کو چاہے اُمت بنا دے یہ تخصیص اللہ کے اختیار میں ہے اس عبارت سے بھی عام بشر اور نبی میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ نبوت کمال ذاتی کی وجہ سے عطا ہوتی ہے نہ کہ بشریت کی وجہ سے ورنہ ہر بشر نبی بن جاتا۔ لہذا نبی کی نوع جدا گانہ ہے صوف بشریت میں مشارکت ہے۔ کیونکہ ہر حال خصوصیات نبوت کا غشاء صمد اور مبادیہ نور تسلیم کرنا پڑے گا جو عارضی نہیں بلکہ جو ہر ذاتی ہوگا جیسی فصل ممتاز ہے۔

دلیل چہارم :- سورہ انبیاء میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

قَمَاتُ اٰمَنَّا قَبْلَكَ اَلَا رَجُلًا نُّوحٰی اِلَيْهِمْ فَاَسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اَنْ يَّخْبَرُوْكَ اَتَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ ۔ (پکڑو انبیاء ع ۱)

اور (اے رسول) ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو (رسول بنا کر) بھیجا تھا کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے۔ تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو مالوں سے پوچھ دیکھو۔ اور ہم نے ان پیغمبروں کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے تھے (ترجمہ فرغان)

ظاہر ہے کہ رجال بنی نوع انسان کی صفت ورشت ہی کو کہا جاتا ہے۔

(جواب :-) محققین نے کبھی انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ اور انہیں روہی تسلیم کیا ہے۔ صنف انک کہ کبھی نبی نہیں کہا۔ انبیاء بوجہ بشریت کھاتے پیتے ہیں۔ کیونکہ ان کو بدن دیگیا ہے۔ جس کی بقا رکے لئے کھانا پینا ضروری ہے۔ لہذا اصول الشریعہ نے رجال کا ترجمہ

”آدمیوں غلط کیا ہے۔ کیونکہ آدمی عورت اور مرد دونوں کو کہا جاتا ہے۔ صحیح ترجمہ ”مردوں“ ہونا چاہیے تھا۔

یہ آیت کافروں کے اُس خیال کی زد ہے کہ وہ انبیاء کو فرشتہ سمجھتے تھے۔ اُدھ کھانے پینے کی وجہ سے اُن حضرت کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر انکارِ نبوت کرتے تھے۔ خداوندِ عالم نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ انبیاء اُن حضرت سے پیشتر بھی بھیجے گئے تھے وہ بھی تو مردوں ہی کی طرح بدن رکھتے تھے۔ اُدھ کھاتے پیتے تھے پھر تم نے انہیں کیوں نبی تسلیم کر لیا۔ کھانے پینے کا تعلق بدن بشری سے ہے۔ اُدھ رُوحی کا تعلق نورانیت سے ہے۔ یعنی ان میں دو مجزود ہوتے ہیں۔ بشریت اور نورانیت۔ کفار نے صرف بشریت کو دیکھ کر انکارِ نبوت کر دیا۔ ان کی نورانیت کو نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے وحی ہوتی ہے۔ اس آیت سے بھی ہمارا ہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف بشر کو نبی نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ وحی کی شرط کے ساتھ نبی کہا گیا ہے۔ یہ ہمارا چیلنج ہے کہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی صرف بشر نہیں کہا گیا بلکہ بشریت کے ساتھ ایک کمال ذاتی کا اشارہ ہر جگہ موجود ہے جس کے خصائص و آثار بیان کئے گئے ہیں۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

ثانیں صحتِ نوع کے نزدیک بشر کو نبی بنایا جاتا ہے۔ اور محققین کے نزدیک نبی کو بشریت دی جاتی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک بشر کا وجود پہلے ہوتا ہے۔ اور نبوت بعد میں دی جاتی ہے۔ اور محققین کے نزدیک کمالِ نورانی سابق ہوتا ہے۔ اس کو بشریت دے کر ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ بعثت اور ارسال دونوں اس امر کے متفقین ہیں کہ نبوت و مرسل کا وجود سابق ہو۔ جس کو بھیجا جاتا ہے نہ کہ خلق کیا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن و حدیث میں ان کے وجودِ نورانی کا تذکرہ موجود ہے جو بشریت سے سابق ہے۔ اسی لئے یہ حضرات شکمِ مادر ہی میں گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ اور ولادت کے ساتھ ہی اس کمال ذاتی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم دلائلِ نورانیہ کے ضمن میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔ ہمارے نبی کو عالمِ ذر میں اندراجِ انبیاء کی بھیجا گیا۔ اُس وقت نہ بشریت کا وجود تھا اور نہ ابوالبشر آدم کا۔ لہذا نورانیت سابق ہے اور بشریت لاحق ہے۔ لہذا نوعِ جداگانہ ہے۔ دلیلِ پنجم۔ نیز ارشادِ قدرت ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَ
صِهْرًا (پ ۱۹ اس فرقان ع ۲)

آوردی قرعہ خواہے۔ جس نے پانی (دمنی) سے آدمی کو سپید کیا۔ پھر اس کو خاندان اور

سُلالہ والا بنایا (ترجمہ فرمان)

ہماری کثرتِ روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشرؑ سے مُراد جناب رسالت مآب و خلافت مآب ہیں اور نسبؑ سے ذات نبویؐ۔ اور صہرؑ سے ذات علویؑ مُراد ہے۔ صاحبِ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۹۵ پر رقمطراز ہیں۔

فالمراد بالبشر، رسول اللہ وعلیٰ صلوات اللہ علیہا کما ان المراد بالصہر علی علیہ السلام وبالنسب النبی صلی اللہ علیہ والہ۔

بنابر اختصار اسی مقدار پر گفتگو کی جاتی ہے۔ ورنہ ان تمام روایات و آیات کی جمع آوری کے لئے جن میں ان ذواتِ مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ایک دفتر دیکر رہے (اصول الشریعہ) (جواب) :- ہمیں سخت تعجب ہے کہ قائلین وحدتِ نوع کے ایمان و دیانت پر حیرت ہے کہ انہوں نے آیہ مذکورہ کا ترجمہ جناب مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے قرآن مترجم سے پیش کیا ہے۔ خود اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ متعدد مقامات پر خود کردہ ترجمہ پیش کرتے رہے ہیں۔ مرحوم نے اس ترجمہ میں عام بشر کی تولید کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے پانی سے مراد دمنی تحریر کیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی چالاک اور جبارت دیکھئے کہ پانی سے مراد دمنی اکھ کر جو عام بشر کی تولید سے متعلق ہے یہ لکھ دیا کہ ہماری کثرتِ روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشر سے مراد رسالت مآب اور خلافت مآب ہیں جس کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات مہدیؑ کی پیداوار ہیں جو عرفِ عام میں یقیناً قطرہٗ نجس ہے۔ اس کے ساتھ ان کی جبرأت دیکھئے کہ تحریر کرتے ہیں ”ہماری کثرتِ روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشر سے مراد رسول و علیؑ ہیں“ حالانکہ ہرگز ہماری کسی ایک روایت میں بھی وارد نہیں ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ یہ سات نفر قائلین وحدتِ نوع صرف ایک روایت ہی پیش کر دیں جس میں پانی سے مراد قطرہٗ نجس مہدیؑ ہو۔ اور اُس سے جناب رسالت مآب اور خلافت مآب کی پیداوار مرقوم ہو۔ یہ حضرات قیامت تک کوئی حدیث ہماری کسی کتاب سے پیش نہیں کر سکتے یہ لکھنا کہ ”ہماری بکثرتِ روایات میں وارد ہے“ قطعاً غلط ہے۔ کذب صریح ہے۔ جبلاء کو گراہ کرنے اور اپنی علمیت، مزانے کا غیر شرفیاذہ انداز ہے بلکہ حضراتِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی شان میں سوادِ لب اور خبثِ سریرہ کا مظاہرہ ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے علامہ ابوالحسن الشریعت کی کتاب مرآۃ الانوار کے حوالے سے جو عبارت پیش کی ہے۔ اس میں ناصبیانہ خیانت کی ہے۔ علامہ نے آیہ مذکورہ کی تفسیر میں سب سے پہلے سطر میں تحریر فرمایا ہے کہ آیت میں لفظ "ما" سے مراد ماء تحت العرش منمزوج بنسوس اللہ ہے وہ پانی جو زیر عرش ہے اُد نور سے مخلوط ہے۔ اس ماء عرشی نورانی سے محمد علی علیہما السلام کی خلقت بشری ہوئی ہے۔ اس پوری سطر کو چھوڑ کر نیچے والی یہ سطر نقل کی ہے کہ بشر سے مراد جناب رسالت مآب و خلافت مآب ہیں۔ اور "نسب" سے مراد رسول اللہ اور "مصحف" سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔

علامہ مصروف نے آیہ مذکورہ کی ترتیب کے مطابق پہلے لفظ "ما" سے مراد ماء عرشی نورانی تحریر کیا ہے۔ اور اس کے بعد لفظ بشر سے مراد حضرت رسول اللہ اُد علی مرتضیٰ علیہ السلام تحریر کیا ہے اور اس کے بعد لفظ "نسب" سے مراد رسول اللہ اور لفظ "مصحف" سے مراد علی ابن ابی طالب لکھا ہے مگر ان تائین وحدت نوع نے آیت کا اُد ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے قرآن مترجم سے نقل کیا ہے جس میں عام بشر کو پانی یعنی مٹی کی سپ لوار لکھا گیا ہے۔ اور اس کے بعد ان لوگوں نے علامہ ابوالحسن الشریعت کی کتاب سے وہ سطر چھوڑ کر جس میں پانی سے مراد عرشی اور نورانی پانی تحریر ہے۔ بعد والی سطر نقل کر دی ہے۔ جس میں بشر سے مراد محمد علی علیہما السلام لکھا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان صاحبان نے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو اپنی طرح قطرہٴ بخش سے متولد ثابت کرنے کے لئے علی خیانت اُد نقل حوالہ میں بددیانتی کی بھی پچھا نہیں کی ہے۔ یہ صرف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے نقل عبارت میں جرم عظیم کا ارتکاب کیا ہے پانی سے مراد مٹی اُد ترجمہ قرآن سے نقل کیا ہے۔ اُد بشر سے مراد محمد علی علیہما السلام عربی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اور اس میں بھی بددیانتی کر کے پانی سے مراد عرشی پانی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں پر یہ شل مکمل ثابت ہوتی ہے۔ کہ ان کی اینٹ کہاں کا روٹا جہاں مٹی نے کنبہ جوڑا۔ ان لوگوں کی یہ بددیانتی ایک پورٹر میں شائع کی گئی تھی۔ جناب سید جمیل حسین صاحب رضوی نے جب ایک مجلس اپنی کوکھٹی پر ان کے سرخیل سے پڑھوائی تو زمین نے انہیں پشیمان کیا چونکہ مجلس میں فضائل اہلبیت بیان کئے گئے تھے اس لئے رضوی صاحب نے کہا کہ مجلس میں جو بڑھا گیا وہ تو بہترین فضائل تھے کوئی بات قابل اعتراض نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے انہیں توجہ دلائی کہ مجلس میں وہ عقیدہ نہیں بیان کرتے ہیں جو کتابوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ میں نے پورٹر بھیج دیا جس میں کتاب اصول الشریعہ

کایہی حال دیا گیا ہے کہ یہ لوگ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو قطرہٴ نجس کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ حروف عام میں منیٰ نکلنے سے آدمی جنب کہلاتا ہے۔ قرآن کے حروف چھوٹا حرام۔ مسجد میں قیام حرام جو جاتا ہے۔ اسی لئے قطرہٴ نجس سے ان فوایدِ مقدسہ کی پیداوار ثابت کرنے کے لئے ترجمہ قرآن پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ترجمہ عام بشر کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ جناب رضوی صاحب نے وہ پوشٹان کو سرگودھا بھیج دیا۔ اور اس کا جواب طلب کیا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ میں نے ترجمہ فرمانِ نقل کیا ہے۔ ناقل کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ صحیح نقل کرے۔ یہ جواب خود ایک فریب ہے کیونکہ انہوں نے اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب کی پانچویں دلیل میں آیہٴ مذکورہ اور یہ ترجمہ پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآنی آیات اور روایات سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کا ہماری طرح بشر جو ثابت ہے۔ یہ ترجمہ نقل کرنے کا مقصد اگر اپنی طرح کا بشر ثابت کرنا نہیں تھا اور منیٰ سے پیداوار ان کا عقیدہ نہیں تھا تو اس ترجمہ کے ذرا بعد پانی سے مراد منیٰ اور بشر سے مراد رسالت مآب اور خلافت مآب دونوں کو ملا کر کیوں لکھا۔ اور صاحب کتاب مرآۃ الانوار نے جب پانی سے مراد عرشی پانی تحریر کیا ہے تو اس کی نقل میں ناقل کی ذمہ داری کیوں فراموش ہو گئی۔ جب علامہ کی کتاب سے یہ تفسیر نقل کی تھی کہ بشر سے مراد اس آیت میں محمد و علی علیہما السلام ہیں۔ تو یہ تفسیر جو ساتھ ہی ملی ہوئی ہے پہلی ہی سطر میں تھی کہ پانی سے مراد نورانی و عرشی پانی ہے۔ یہ جزو عبارت کیوں فراموش ہو گیا۔ اور منیٰ والا ترجمہ اس کی بجائے دوسری جگہ سے نقل کر کے اس کے ساتھ کیوں ملا دیا گیا۔ یہ اس بات کا کھلا برا ثبوت ہے کہ ناقل ان فوایدِ مقدسہ و مطہرہ کو اپنی نوع میں شامل کرنے کے لئے یہ پائپیل رہا ہے کہ انہیں بھی معاذ اللہ منیٰ کی پیداوار ثابت کرے۔ ورنہ پانی سے مراد منیٰ لکھ کر یہ تشریح کر دیتا کہ عام بشر اسی نجس پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر جب آیت میں بشر سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام مراد لئے جائیں تو پانی سے مراد عرشی و نورانی پانی ہو گا۔ کیونکہ یہ حضرات اس نجس پانی سے پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن ان سات نفر مولوی صاحبان کے دستخط ثابت کر رہے ہیں کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) ان فوایدِ مطہرہ کو منیٰ کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے انہوں نے ترجمہ بھی وہ نقل کیا ہے جس میں پانی سے مراد منیٰ تحریر ہے۔ جو عام بشر کے لئے ہے اگر یہ ترجمہ ان کی نظر میں غلط تھا تو اس کی رد کرتے اور اپنا صحیح ترجمہ پیش کرتے۔ کیونکہ کتابِ اصولِ الشریعہ انہوں نے اپنے عقائد کو ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے۔ نہ کہ اپنے خلاف عقائد و رجحان کرنے کے لئے۔ یہ سب جزوٴ حروف اسی لئے کئے گئے ہیں کہ اہل بیت طاہرین و مطہرین علیہم السلام

کو رمعاذ اللہ آیہ تطہیر سے بھی خارج کرنا پڑے تو پرواہ نہیں۔ اپنی فرغ میں داخل کرنا ضروری ہے خواہ شیعیت سے خارج کئے جائیں لیکن دستخط کنندگان کی ناک سالم رہے۔

ان لوگوں نے قرآن مجید کی مذکورہ پانچ آیات سے استدلال کیا تھا جس کی رویم نے پیش کر دی ہے۔ اس کے بعد اسی پانچوں دلیل کے بعد تحریر کرتے ہیں۔ "ان حقائق کے بعد ہمارے دعوے کی صداقت و زور و شن کی طرح واضح و لائح ہو جاتی ہے کہ انبیاء و ائمہ کے بشر ہونے کا انکار قرآن و حدیث و اجماع مسلمین کے انکار کے مترادف ہے۔"

(جواب :- کس قدر چالاکی ہے کہ بشر ہونے کا انکار ہماری طرف منسوب کیا جا رہا ہے حالانکہ محققین نے کسی بشریت کا انکار نہیں کیا بلکہ بشریت کے ساتھ ایک دوسرا جزو نورانیت لازمی جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان حضرات کی نوع جداگانہ ثابت ہوتی ہے۔ مگر قائلین و محدث فرغ صرف بشریت مانتے ہیں جس کے ثبوت میں وہ کوئی آیت یا کوئی حدیث آج تک پیش نہیں کر سکے اور نہیں کر سکتے جس میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو صرف بشر کہا گیا ہو۔ اور ان کی فدائی خصوصیات بیان نہ کی گئی ہوں۔ ان خصوصیات کا مصدر کمال ذاتی ہے۔ کیونکہ کسی عرض کا وجود بغیر جوہر ممکن نہیں ہے۔

ہا تھا و برہا نہ کہ ان کنندہ صادقین۔

اجسادِ معصومین علیہم السلام کے اجزائے اصلیہ عام نوع بشریہ کا ہیں

ہم نے حقائق الوسائط جلد اول میں ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السلام کی خلقت جہانی پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے اجزائے اصلیہ و اجزائے فضلیہ کی بحث جلد دوم کے لئے ملتوی کر دی تھی۔ کیونکہ ہماری کوشش تھی کہ ہماری کتاب جلد از جلد مومنین کرام کی دست بوس ہو جائے تاکہ مقصرین و قائلین کی لہن ترانیاں لگام بدہن ہو جائیں۔ اور اگر اہی سے بچانے کے لئے تعجیل موازنہ حق و باطل کا موقعہ فراہم کر دیا جائے۔ اس لئے عنوانات مضامین کی فہرست بھی مکمل طور پر تحریر نہ ہو سکی۔ انشاء اللہ زیر تالیف جلد دوم میں اس کی تلافی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا۔

مذکورہ بالا عنوان کے تحت حقائق و دقائق پیش کرنے سے قبل مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مقصرین کی معاذانہ عبارات من و عن نقل کر دیں تاکہ وہ آج کل سر پر قرآن رکھ کر مومنین کو جو دھوکہ دے رہے ہیں اُس کی تلی کھل جائے۔

معصومین علیہم السلام کی تخلیق جسمانی میں مقصّرین کا اعتقاد

کتاب وصفت میں ذوات مقدسہ معصومین علیہم السلام کی شان میں جہاں کہیں لفظ نور مذکور تھا۔ قالیوں نے اس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ لفظ نور کا استعمال ان کے لئے مجازاً ہے۔ کیونکہ یہ حضرات حقیقت میں ہم جیسے بشر ہیں۔ اور ہماری طرح ان کی جسمانی پیدائش منی سے ہوئی ہے۔ چنانچہ مولف اصول الشریعہ نے ص ۶۸ پر تحریر کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۵) نیز ارشاد قدرت ہے:-

هو الذي خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا - (پیش روئے خاقان ع ۳)
اور وہی تو وہ خدا ہے جس نے پانی (منی) سے آدمی کو پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان
اور سسرال والا بنایا۔ (ترجمہ عثمان)

ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشر سے مراد جناب رسالت مآب، اور
خلافت مآب ہیں۔ اور نسباً سے ذات نبوی اور صحابہ سے ذات علمی مراد ہے۔
صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۹۵ پر رقمطراز ہیں:-

فالمراد بالبشر رسول الله وعلى صلوات الله عليهم كما ان المراد
بالصهر على عليه السلام وبالنسب النبي صلى الله عليه وآله
بنابر اختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ہم نے من وعن عبارت پیش کر دی ہے تاکہ قالیوں کو کسی اعتراض کی گنجائش نہ مل سکے مآب
ہم مولف کی خیانت پیش کرتے ہیں۔ آیہ مذکورہ کے ترجمہ میں پانی کے معنی (منی) تسلیم کر کے یہ ثابت
کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیگر لوگوں کی طرح حضرات معصومین علیہم السلام (منی) سے پیدا ہوئے
ہیں۔

اپنے مقصد باطل کے ثبوت میں صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار کی عبارت اس امر کے ثبوت
میں پیش کی ہے کہ آیت میں جس بشر کے منی سے پیدا ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد جناب
رسالت مآب و خلافت مآب ہیں جو منی سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے دیگر بشر منی سے پیدا
ہوئے ہیں۔ ذرا عبارت میں حلال کی ملاحظہ فرمائیے کہ ان بزرگواروں کو جناب رسالت مآب و خلافت مآب

اور ذات نبوی و ذات علوی جیسے موقد بانہ الفاظ میں اس لئے یاد کیا ہے کہ مرالیان اہل بیت علیہم السلام ان کی پیدائش میں "منی" کا لفظ برداشت نہیں کریں گے۔ لہذا خطابات سے سرفراز کیا۔ ورنہ حرکت قلم عمادی کر رہی ہے کہ کسی دشمن کے ہاتھ میں ہے کہ اپنی طرح "منی" کی پیدائش ان ذوات مقدسہ کے لئے ثابت کر رہا ہے۔

مولف کتاب نے اپنے مقصد باطل کے ثبوت میں جس خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں ہے کیونکہ یہ خیانت حضرات معصومین علیہم السلام کے باب میں ہے اور مجرم بھی اتنا عظیم ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ "ما" کے معنی "منی" تسلیم کر کے جناب مفسر جلیل صاحب راء الانوار کی طرف نسبت دے کر عبارت کا حصہ اول عمداً نقل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس میں صاف طور پر لفظ "ما" سے مراد وہ "ما" بیان کیا گیا ہے جو تحت العرش سے آیا ہے جس کا تعلق زمین کی غذاؤں سے نہیں تھا۔

اب ہم مقدمہ تفسیر راء الانوار کی عبارت کا حصہ اول پیش کرتے ہیں جس کو مولف اصول الشریعہ نے عمداً ترک کر دیا ہے۔

جناب علامہ لفظ بشر کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

سِبَاقِي فِي سُورَةِ الْفُرْقَانِ عِنْدَ قَوْلِهِ تَعَالَى هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْإِطْرَادَ بِالْمَاءِ مَا خَلَقَهُ اللَّهُ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ وَمُزْجِدَ بَنُوْدَةٍ (مرآة الانوار ص ۷۱)

ترجمہ۔ سورہ فرقان کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ ثبوت تحریر کیا جائے گا کہ لفظ بشر سے مراد رسول اللہ اور حضرت علی علیہما السلام ہیں۔ جو اس آیت میں نسباً و صہراً کی خصوصیت کے ساتھ مذکور ہیں۔ ان کی تخلیق میں جس "ما" (پانی) کا ذکر ہے وہ مادہ ہے۔ جس کو خداوند عالم نے تحت عرش خلق فرمایا اور اس کو اپنے نور سے مزوج فرما کر حضرت رسول اور حضرت علی علیہما السلام کے جسد کا جزو ترکیبی قرار دیا۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مقدمہ راء الانوار میں صاف طور پر "ما" (پانی) سے مراد مادہ عرشی نورانی مذکور ہے۔ جس سے ان ذوات مقدسہ کا جسد اصلی پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہی "ما" مزوج نورانی کے جسد مقدس کا جزو ترکیبی ہے۔ لیکن مولف نے اس حصہ کو عمداً ترک کر کے آیت میں لفظ "ما" کے معنی "منی" تسلیم کر کے ان ذوات مقدسہ کی خلقت جہانی کو اپنی طرح "منی" سے ظاہر کیا ہے

کیا یہ خیانت دلیلِ نا صیبت نہیں ہے؟ اور کیا یہ قلمِ باطل رقمِ دشمن کے ہاتھ میں نہیں چل رہا ہے؟ اگر ہم نے ایسے لوگوں کو قالی اور ناصبی لکھا ہے تو ان کے معاندانہ حرکات کی وجہ سے لکھا ہے۔ خلقتِ نبی و امام کے متعلق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی پیدائش نجس لفظ اور نجس پانی (منی) سے نہیں ہوئی جس طرح دیگر لوگوں کی ہوتی ہے۔ (تفسیر البرہان جلد ۲ ص ۷۷)

نیز امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا محلِ شکم مادر میں نہیں ہوتا بلکہ پہلو میں ہوتا ہے۔ اور رحم کے بجائے ران سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کوئی نجاست ان کو چھو نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ نورِ خدا ہیں۔ (مدینۃ المعاجز ص ۵۹)

مرآۃ اصول الشریعہ نے لفظ مار کو جس کا ترجمہ پانی ہے منی سے تعبیر کیا ہے کہ ہمارے محاورات میں یہ لفظ نجس قطرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے خارج ہونے سے غسلِ جنابت واجب ہو جاتا ہے تاکہ حضراتِ معصومین علیہم السلام کے لئے بھی لفظ منی کے یہی معنی ثابت کر کے انہیں بھی اپنی طرح معاذ اللہ نجس ثابت کیا جائے۔ ورنہ اس کے حقیقی و مرادی کی تشریح کی جاسکتی تھی۔

ہر انسان اپنے اجزائے اصلیہ کے ساتھ مشہور ہوگا

اسلامی تمام فرقوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ یوم قیامت ضرور آئے گا۔ اور وہ مددِ جزا ہوگا، خداوند عالم تمام لوگوں کی مدحوں کو ان کے بدنوں میں داخل کر کے زندہ کرے گا۔ پھر حساب کے بعد جزا و سزا دے گا۔ نیکوں کا ثواب اور برائیوں کا عقاب ملے گا۔ ایسی کو معاذِ جہانی کہتے ہیں۔ دنیا میں جو عمل کیا تھا نہ تہا بدح نے کیا تھا اور نہ تہا جسم نے بلکہ دونوں نے مل کر۔ اس لئے دونوں کو مشہور کیا جائے گا۔ یہ بدن وہی ہوگا جو عمل کرنے میں شریک ہو چکا تھا۔ اور روح بھی وہی ہوگی جو عمل کرنے میں شریک بدن تھی۔

اس اسلامی متفقہ عقیدہ پر شکرین معاذِ جہانی نے مندرجہ ذیل اعتراض کیا ہے۔

منکرین معاذِ جہانی کا اعتراض

ان المعاد الجسمانی غیر ممکن لانہ لو اکل الانسان انسانا حتی

صنار بدن الماکرل جزء بدن الاکل فہذا الجزء اما لا یعاد اصلا
 وهو المطلوب اویعاد فی کل واحد منهما وهو محال لا استحالۃ
 ان یكون جزء واحد بعینہ فی ان واحد جزء فی شخصین
 متباثنین اویعاد فی احدہما وحده فلا یكون الاخر معادا
 بعینہ وهذا مع افضاثہ الی الترجم بلامرجح یتثبت مقصودنا
 وهو انه لا یمکن اعادۃ جمیع الابدان باعیانہا (قوشچی)
 معاد جسمانی ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کو اپنی خوراک بنا لے
 تو جس کو کھایا ہے وہ کھانے والے کا جزو بن جائے گا۔ پس اگر یہ جزو معشور نہ ہو تو
 معاد جسمانی ثابت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ جزو دونوں میں معشور ہو تو لازم آئے گا کہ ایک
 ہی جزو دو شخصوں میں ایک ہی وقت میں جدا جدا موجود ہو۔ یہ امر محال ہے۔ اور اگر
 وہ جزو ایک میں معشور ہو اور دوسرے میں نہ ہو تو جس میں یہ جزو نہ ہوگا۔ اس کی
 معاد جسمانی ثابت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں اس صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کہ
 ایک شخص میں یہ جزو کیوں دالیں ہوا۔ اور دوسرے میں کیوں نہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا
 کہ تمام اجسام کا معشور ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور جب یہ ممکن نہیں ہے تو معاد جسمانی
 باطل ہے۔

جواب اعتراض معاد جسمانی

ہر شخص کے اجزائے بدن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اجزائے اصلیت اور دوسرے اجزائے
 فضلیہ (فاضل اجزاء) ہر شخص اپنی پیدائش سے آخر عمر تک ایک ہی ہوتا ہے۔ مثلاً زید اپنی
 پیدائش سے آخر عمر تک زید ہی رہتا ہے۔ عرفا بھی اور شرفا بھی۔ عہد طفلی میں بھی زید ہے
 اور عہد شباب میں بھی زید ہے۔ اسی طرح عہد پیری میں بھی۔ حالانکہ اس کے جسم میں تبدیلیاں
 ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی لاغر و نحیف ہوتا ہے۔ اور کبھی لیم و شحیم اسی طرح طول و عرض و عمق میں بھی
 فرق ہوتا رہتا ہے۔ ان تبدیلیوں سے اس کے زید ہونے میں فرق نہیں آتا۔ لہذا اس نے اگر
 کوئی نیک یا بدی اپنے جسم کی لاغری میں کی ہے اور اس کے بعد اس میں مرثائی آگئی ہے یا
 جسم کی مرثائی کی حالت میں کوئی عمل کیا ہے اور اب لاغری آگئی ہے تو شرعا وہ عرفا جسم کی کسی یا

زیادتی سے زید میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سزا یا جزا کا تعلق زید سے ہوگا۔ اس کے جسم کے مٹنا تازہ یاد بلا تپلا ہو جانے سے نہیں ہوگا۔

لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ زید کے بدن میں دو قسم کے اجزاء ہیں۔ ایک اصلید اور دوسرے فصلید۔ اجزاء اصلید کی وجہ سے زید کہلاتا ہے۔ اور اجزاء فصلید کی وجہ سے مٹنا یاد بلا کہلاتا ہے۔ یہ اس کے اجزاء غذائیہ ہوتے ہیں جن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ہر انسان کے دو بدن ہیں ایک اصلی اور دوسرا عارضی۔

قیامت میں جس کی دالہ ہوگی۔ وہ اجزاء اصلید ہیں جن کی وجہ سے زید بنا ہے۔ وہ اس کے بنیادی اجزاء ہیں۔ دیگر اجزاء جسم عارضی ہیں جن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ایک لباس کے مانند ہیں۔ جو کشف و لطیف اور رنگ و رنگ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بدن عارضی بھی لطیف و کشف اور رنگ و رنگ ہوتا اور بدلتا رہتا ہے۔ اگر کسی انسان نے دوسرے انسان کو خوراک بنا لیا ہے۔ تو دونوں کے اجزاء اصلید جدا ہیں۔ جن کے ساتھ ان کا بدن مختل ہوگا۔ جس انسان نے دوسرے انسان کو کھالیا ہے۔ کھانے والا آکل اور جس کو کھایا ہے وہ ماکول ہے۔ انسان ماکول انسان آکل کا جزو غذائی بنا ہے۔ کیونکہ انسان آکل کے اجزاء اصلید اس کو خوراک بنالینے سے پہلے موجود ہیں۔ جن کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ اور انسان ماکول کے اجزاء اصلید ماکول ہونے سے پہلے موجود ہیں۔ جو آکل کے اجزاء غذائیہ بنے ہیں نہ کہ اجزاء اصلید۔

لہذا آکل اپنے اجزاء اصلید کے ساتھ اور ماکول اپنے اجزاء اصلید کے ساتھ مختل ہوگا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ انسان کی شخصیت اس کے اجزاء اصلید کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے اگر عالم شباب میں کسی نے جرم کیا ہے۔ اور اس کو عالم پیری میں سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سزا غیر مجرم کو دی گئی ہے کیونکہ جرم کا تعلق اجزاء اصلید سے ہے۔

یہ امر قطعاً باطل ہے کہ انسان کو سزا اس کے تمام اجزاء جسم کو جمع کر کے دی جائے جو اس کی پیدائش سے اس کی آخری عمر تک تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ناخن۔ بال۔ بول و براز۔ بلغم و خون وغیرہ۔ اگر ان سب فضلات کو جمع کیا جائے تو وہ انسان ایک پہاڑ بن جائے گا۔ یہ اس کے وہ اجزاء ہیں۔ جو انسان کے وجود میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے ہونے یا نہ ہونے سے زید کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہذا ان کی دالہ ہی پیدائش نہیں ہوتا۔

مرآۃ العقول جلد ۳ ص ۱۱۱ شرح کافی میں حدیث موثق عمار بن موسیٰ ساباطی سے منقول ہے کہ

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا میت قبر میں بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کا گوشت واستخوان سب بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ طینت ہر حال میں باقی رہتی ہے جس سے وہ جسم خلق بنوا ہے۔ اسی طینت سے خداوند عالم جس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ جس طرح ابتدا میں خلق کیا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ اصلی بدن یعنی طینت جس سے اجزائے اصلیہ خلق ہوئے ہیں۔ بوسیدہ نہیں ہوتی۔ بدن عارضی بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ جو اجزائے غذائیہ سے بنا ہے۔ اسی کے منتشر ہو جاتے ہیں۔ پانی پانی میں ہر اہوا میں آگ آگ میں مٹی مٹی میں مل جاتے ہیں مگر طینت یعنی اجزائے اصلیہ باقی رہتے ہیں لیکن نبی ادا نام کا بدن عارضی بھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ زمین پر حرام ہے کہ ان کے ابدان عارضی گوشت و خون واستخوان کو کوئی گزند پہنچائے۔ بلکہ مرنین کا ملین کے اجسام عارضی کو بھی زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما کی قبریں ۹۳۲ھ میں کھود کر میتیں صحیح و سالم اور کفن بھی اصلی حالت میں دیکھا جا چکا ہے۔ ادا انہیں ان کے حسب ارشاد مدائن میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس دفن کیا گیا۔

حضرات معصومین علیہم السلام کی طینت مخزونہ ہی جسدی ہے

معصومین علیہم السلام کے اجداد طاہرہ و قدس کے ہیں۔ ایک جسد اصلی اور دوم جسد فضل۔ جسد اصلی وہ جسد ہے جو مادہ عرشی سے پیدا ہوا ہے۔ اس کو احادیث میں طینت مخزونہ تحت العرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی سے جسد طاہر کے اجزائے اصلیہ خلق ہوئے ہیں۔ یہی ان کے بنیادی اجزاء ہیں یہی وہ مادہ میزوج نور ہے عرشی ہے۔ جس کا ذکر آیہ مذکورہ میں ہے۔ جیسا کہ بکار الانوار و مدینۃ المعاجز و تفسیر البرہان و مرآۃ الانوار میں ہے۔ معصوم کے تشخص جسدی کا سبب ہی اجزائے اصلیہ ہیں۔ اسی طینت مخزونہ سے معصومین علیہم السلام کے جسد مقدس کی خلقت ہوئی ہے۔ یہی طینت میزوج نور ہے یعنی مادہ عرش کہ نور خدا میں مخلوط کر کے طینت جسد تیار کی گئی ہے۔ جیسا کہ مقدمہ مرآۃ الانوار کی عبارت و دلالت کرتی ہے۔

وہ جسد جو طینت مخزونہ میزوج نور سے تیار ہوتا ہے۔ اسی سے نوع نبوتی و مامستی کا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ اجزائے فرش و طینت ارضی میں یہ استعداد و قوت نہیں ہے کہ نوع نبوتی

اور مدح الہامی کا تحمل کر سکے۔ یہی اجزائے معجزہ نبی و امام ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کی نوع جدا گانہ ہے۔ اسی لئے شکمِ مادر میں پیدا ہوتے ہی آغوشِ پدر میں نبی اور امام کے سوا کسی بشر کو قوتِ کلام و علم و فہم حاصل نہیں کیونکہ کسی بشر کے اجزائے اصلیہ کی بنیاد میں طینتِ مخزنہ نوریہ شامل نہیں ہے مگر بطریقِ معجزہ کلام پیدا کیا جاسکتا ہے۔ جیسے یوسف نبی کی گواہی کے لئے طفل نے تسلیم کیا۔

معصومین علیہم السلام کا دوسرا جسد وہ ہے جو غذائے طاہرہ و خوراکِ پاکیزہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسد تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس میں کمی و زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ یہ جسد عارضی شکلِ لباس ہے۔ مگر یہ بھی طیب و طاہر غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے جسدِ اصلی کے ساتھ جسدِ عارضی پر بھی سلام کیا جاتا ہے۔

السلام علی اجسادکم و علی اجسامکم۔ یعنی آپ کے جسدِ اصلی پر بھی سلام جو طینتِ مخزنہ سے خلق ہوا ہے۔ اُدھ جسمِ عارضی پر بھی سلام جو طیب و طاہر ہے۔ اُدھ جسدِ اصلی کا غلات ہے اسی مطلب کو زیارتِ جامعہ میں اُجسادُ فی اُجساد سے ادا کیا گیا ہے۔

وجودِ جسدِ اصلی نوری روحِ نبوتی و امامتی کے تھا اکنہ متعدد ہیں ممکن ہے

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جسدِ نوری کا اور اسی طرح دیگر ملائکہ کے اجسادِ نوریہ کا جسمِ عارضی بشری میں بصورتِ انسان حاضر ہونا آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ جس کا انکار کوئی با ایمان نہیں کر سکتا۔ ملائکہ اپنے اجسادِ اصلیہ کی وجہ سے اکنہ متعدد ہیں فی وقت واحد موجود ہیں۔ کیونکہ ان کے اجسادِ نوری ہیں جن کو مکان محدود نہیں کر سکتا۔ مگر جب بصورتِ بشر مثلاً جبرئیل رحیمِ کلی کی شکل میں یا دیگر ملائکہ اشکالِ بشری میں نبی یا مریم کے پاس یا حضرت ابراہیم یا دیگر انبیاء کے سامنے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور لوگ انہیں دیکھتے ہیں اس وقت بشری شکل و صورت ان کے لئے ایک غلات یا لباس کی حیثیت ہوتی ہے۔ یہ عارضی جسم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد انقضائے مصلحت پھر اپنے جسدِ نوری میں متغلب ہو جاتے ہیں۔ یعنی جسدِ اصلی نوری میں واپس ہو جاتے ہیں۔ اب انہیں کوئی بشر نہیں دیکھ سکتا مگر جسدِ نوری کل اکنہ پر محیط ہوتا ہے۔ جسدِ عارضی ان کے لئے مانعِ احاطہ نہیں ہوتا۔

معصومین علیہم السلام کے لئے بھی دو جسد ہیں۔ اصلی و عارضی۔ جسدِ عارضی کی وجہ سے نہیں نظر آتے ہیں اور تعلیمِ احکام فرماتے ہیں۔ منبر پر خطبات ارشاد فرماتے ہیں۔ مسجد میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ لیکن جسدِ نوری اپنی روح کے ساتھ تمام کائنات پر جاری ہوتا ہے۔ اسی لئے تمام کائنات ان کے سامنے

شکل کعب دست ہے۔ وہ ہر وقت اپنے جسد فردی کی وجہ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور جسد عارضی کے لحاظ سے جب چاہیں ہمیں نظر آ سکتے ہیں۔ لہذا ہمارا ہر وقت ان کے ذوات مقدسہ کو جسم عارضی میں نہ دیکھنا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ہمیں نہیں دیکھتے۔ اور حاضر و ناظر نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنے جسد فردی اور روح کے ذریعہ تمام کائنات پر محیط ہیں۔

معصومین علیہم السلام کے ظہور و شہود کے اس قدر احادیث صحیحہ منقول ہیں کہ جن کا انکار ناممکن ہے اسی لئے یہ مسئلہ کلمات شیعہ میں سے ہے۔ اس کا انکار مذہب شیعہ سے خارج کر دیتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث سے یہ مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

اعاظم محدثین نے ان احادیث کو درج فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ کیفیت حضور و شہود کو خدا اور معصومین علیہم السلام ہی جانتے ہیں مگر ہمیں ان کے حضور و شہود پر ایمان لانا لازم ہے۔

حکماء نے جو قانون بیان کیا ہے کہ جسم واحد کا ممکنہ متعقدہ میں فی وقت واحد موجود ہونا محال ہے۔ وہ ان اجسام پر عادی ہو سکتا ہے جو فاعل جسم تعلیمی ہوں۔ یعنی مادہ ارضی کیفیت سے ان کا طول و عرض و عمق وجود میں آیا ہو۔

لیکن مخلوق فردی زمان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔ وہ خود ممکنہ و ازمنہ پر عادی و محیط ہے وہ روح اور جسد فردی کی قوت فطریہ سے چالیس نہیں ہزاروں جگہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور جسم عارضی کو غلات کی طرح اتار سکتا ہے کیونکہ جسم عارضی کا اس کے اجزائے اصلیہ میں کوئی دخل نہیں ہے جس طرح جبرئیل جسم عارضی بشری میں مع لباس ظاہر ہوئے۔ پھر اس کو اتار دیا۔ اور اصلی جسد فردی میں واپس ہو گئے۔ یہ حضرات بھی چشمِ زدن میں تمام عالم کی سیر کر لیتے ہیں۔ اور جسم عارضی جو ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ ہمارے سامنے رہتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے فراتے ہیں کہ ہم نے ہزار ہا عوالم کی سیر کر لی۔

در حقیقت روحِ نبوتی و امامتی اپنے جسد اصلی فردی کے ساتھ امامِ ادنیٰ ہے نہ کہ جسم عارضی کے ساتھ جو صورتِ ہماری ہدایت کے لئے ہے۔ تاکہ ان سے اپنی ضروریات حاصل کر سکیں۔ جسم عارضی عبدِ طفلی و شباب و پیری میں بدلتا رہتا ہے۔ مگر امامت و نبوت میں فرق نہیں۔ طفلی و شباب و پیری یکساں ہیں۔ لہذا اس جسم کا تعلق ہماری ہدایت کی خاطر ہے نہ کہ اجزائے مقدماتی شامل ہے۔ ان کی شکل و صورت بشری عارضی ہے جو سبب ہدایت ہے۔ اور وجود اصلی سبب وجود و بقائے کائنات ہے۔

• اگر وجودِ اصلی معدوم ہو جائے تو تمام کائنات معدوم ہو جائے گی۔ مگر صورتِ بشری عارضی کا تغیر و تبدل کائنات پر اثر انداز نہیں ہے۔ درہ اس کی تبدیلی سے نبوت و امامت میں تبدیلی ہو جاتی۔ لہذا یہ ایک غلات و لباس کی حیثیت سے ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول جلد ۲ ص ۲۹۲ میں اور علامہ کاشانی نے کتاب دافی جلد ۲ ص ۱۵۷ میں تحریر فرمایا ہے۔

انما لب اجسادہم الی علیین لعدم علاقتہم علیہم السلام الی ہذہ
الابدان الحیۃ فلما نہم وہم بعد فی ہذہ الجلابیب قد نقضوا
ہا و تجردوا عنہا۔

ان بزرگواروں کے اجسادِ علیین سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ ان کی خلقت مادِ عرشی نوری سے ہے اور ان کے ابدان جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم ان بزرگواروں کی زیارت کرتے ہیں۔ یہ ابدان حسیہ و حقیقت غلات ہیں۔ جن کو آثارِ کراچی اصلی حالت میں آجاتے ہیں۔ یہ آثارِ نا اور پہننا ان کے اختیار میں ہے۔ جس طرح جناب جبریل اور دیگر ملائکہ بشری شکل میں ظاہر ہوئے تو انہوں نے یہ غلات پہن لیا۔ آد جب اصلی حالت میں برکنے تو یہ غلات آثارِ دیا۔ کیونکہ ان کے اجسادِ اصلہ بھی نوری تھے۔

جب ملائکہ نے غلاتِ بشری پہنا آد لباس بھی پہنا کیونکہ برجنہ بشر کی شکل میں ظاہر نہیں ہوئے بلکہ لباس کی شکل میں تھے تو اس وقت لباس و جسم بشری دفعہ کہاں سے آیا۔ اور جب اصلی شکل میں ہو گئے تو دفعہ کہاں چلا گیا۔

اس حکمت و قدرت پر غور و فکر کرنے سے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اجسادِ اصلہ نوریہ اور ابدان ظاہریہ محسوسہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اور ان کا جسدِ اصلی کے ساتھ اکملہ متعددہ میں ظاہر ہونا بلا اشکال ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ زمان و مکان کی قیدوں سے جسدِ اصلی نوری بالاتر ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا ہے۔

لان انوارہم منزہۃ عن الزمان والمکان لانہما مخلوقۃ

قبل خلق الزمان والمکان وہی بریۃ عن الامکنۃ والحدود۔

یعنی ان ذاتِ مقدسہ کے انوارِ زمان و مکان کی خلقت سے پیشتر ہیں۔ اس لئے مکان و زمان اور محدود سے مبرا و منزہ ہیں۔ لہذا وہ اپنے جسدِ اصلی کے ساتھ ہزاروں جگہ وقت و امد میں ہیں بلکہ کل کائنات پر مادی و محیط ہیں۔

حضرات معصومین علیہم السلام کے اظہار احتیاج فقر کی حقیقت

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ معصومین علیہم السلام کے لئے بظاہر دو متضاد امور کا اظہار ملتا ہے۔ "اقتدار و اختیار بھی" اور "فقر و احتیاج بھی" نیز قرآن مجید میں بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے بظاہر دو متضاد امور ملتے ہیں جن کی وجہ سے غلو و تفسیر کے دو نظریے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ امر صراحتہ معلوم ہے کہ یہ ذوات مقدسہ کائنات، عالم پر اقتدار و اختیار رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے احوال و افعال سے اقتدار و اختیار کے کثیر ثراہد موجود ہیں۔ مثلاً شمس، قمر، رجبت شمس، ایجاد موتی، خلق طیر، انقلاب مرد و بصورت زن، انطاف جہادات، انقلاب ریگ بصورت آرد، انقلاب سنگریزہ بشکل انگور، اعطائے چشم بنیا، اعطائے اولاد، شغلے اراض، تسخیر جن و وحش و طیر، سرعت سیر، النہ کائنات عالم کا علم، اخبار منیبات و صنایع وغیرہ یعنی ان ذوات مقدسہ نے اپنے اقتدار سے ایسے مافوق البشر امور ظاہر فرمائے ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگوں کو ربوبیت، کالمان پیدا ہوا بلکہ بے بصیرت لوگوں نے ان کو خدا تسلیم کر لیا۔ کیونکہ وہ اس اقتدار کی حقیقت اور مصلحت و حکمت کو نہیں سمجھے۔ ان امور کی تفصیل اور ان کے اقتدار کے مسئلہ واقعات معلوم کرنے کے لئے ہماری کتاب "حقائق الوسائط جلد اول" کا مطالعہ فرمائیے۔ اس میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

اقتدار نبی و امام سبب ثبوت خلافت و سفارت ہے

درحقیقت اس اقتدار کا مقصد من جانب اللہ ان بزرگواروں کے خلیفۃ اللہ اور خیمۃ اللہ قرار دئے جانے کا اثبات ہے۔ جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے غالیوں اور مفوضہ کی رو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اذا لم يعلموا انه القادر بنفسه والغني بذاته الذي ليست قدرته
مستعارة ولا غناؤه مستعارة الذي من شاء افقره ومن شاء اغناه
ومن شاء اعجزه بعد القدرة وافقره بعد الغنى ما نظروا
الى عبادته قد اختصه الله بقدره لا يمين بها فقله عنده و

۴ شرہ بکرامۃ لیوجب بہا حجتہ علی خلقہ (احتجاج)

چونکہ خلیوں اور مقررہ نہ تھے یہ نہ تھا کہ خداوند عالم قادر بالذات اور غنی بالذات ہے۔ وہ ایسی ذات ہے کہ جس کی قدرت مستعار نہیں جن کا غنی ہونا کسی سے مستفاد نہیں وہ جس کو چاہے فقیر اور جس کو چاہے غنی بنا دے اور جس کو چاہے فقیر کے بعد غنی اور غنی کے بعد فقیر بنا دے۔ اس لئے وہ لوگ صاحبِ اقتدار بندوں کے اقتدار و اختیار کو دیکھ کر گراہ ہو گئے۔ خداوند عالم نے اپنے بندگانِ خاص کو یہ قدرتیں اور کرامتیں صرف اس لئے دی تھیں کہ نزد خدا ان کا فضل و کمال اور خلقِ خدا پر ان کا حجتہ اللہ پر ثابت ہو۔

کلامِ رضوی سے دو امر بالکل واضح ہو جاتے ہیں:-

امر اول:- یہ کہ خداوند عالم نے اپنے خلفاء و سفراء کو ایسا اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے جو بالتحقیق مافق البشر ہے۔ جن کا مثل فریغ البشر کے حدود اختیار سے خارج ہے۔

امر دوم:- یہ کہ اقتدار و اختیار مذکور اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ ان حضرات کا حجتہ اللہ و خلیفۃ اللہ ہو نا ثابت ہو جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ یہ حضرات خدا کے مجرب و مقرب اور صاحبِ فضل و کمال و خندے ہیں۔

نیز حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خلیفۃ اللہ و حجتہ اللہ کے اقتدار کے سلسلہ میں اپنے ایک کلام طویل میں ارشاد فرمایا:-

فانما اراد بذلك استيلاء اماناته بالقدرة التي ركبها فيهم على جميع

خلقه وان فعله فعلهم (احتجاج)

خداوند عالم نے حج اللہ میں ایسی قدرت خلق کر دی ہے جس کے ذریعہ وہ تمام مخلوقات پر غالب رہیں تاکہ خدا ان کے ذریعہ سے اپنی معرفت کرائے۔ اور ان کے افعال کو اپنا ہی فعل ثابت کرے۔

اسی کلام طویل میں یہ فقرہ بھی ہے۔

وعرف الخلق اقتدارهم على علم الغيب بقوله عالم الغيب

فلا يظهر على غيبه احدا - الا من ارتضى من رسول (احتجاج)

خداوند عالم نے حجتہ اللہ کو علمِ غیب پر اقتدار عطا فرمایا کہ تمام مخلوقات کو اس کے تعارف کا موقع عطا فرمایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل ہو جیسا کہ آیت سے ثابت ہے

کہ خدا الہا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس کو پسند کرے وہ لوگوں میں سے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے تمام کائنات پر اقتدار محمد وآل محمد علیہم السلام کی یوں تصریح فرمائی
قال ان الله تبارك وتعالى لم يزل متفرقا بالوحدانية ثم خلق محمدا
وعلياً وفاطمة عليهم السلام فمكثوا الف دهر ثم خلق
جميع الاشياء فاشهدهم خلقها واجرى طاعتهم عليها (بخاری الاثر)
خداوند عالم اپنی وحدانیت میں مشغول رہے اس نے محمد و علی و فاطمہ علیہم السلام کو پیدا کیا
یہ حضرات ہزاروں سال اسی طرح رہے۔ پھر ان کے بعد تمام اشیاء عالم کو پیدا کیا۔ اور ان
حضرات کو جمیع اشیاء کی خلقت پر شاہد قرار دیا اور تمام اشیاء کو انکا ملین و فرمانبردار بنایا۔
علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے "اجری طاعتهم علیہا" کی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔
ای اوجب والزم علی جمیع الاشياء طاعتهم حتی الجمادات من
السماديات والارضیات کشق القمر و اقبال الشجر و تبسيع الحصة
وامثالها ما لا یحصی (بخاری)

خداوند عالم نے جمیع اشیاء عالم پر ان حضرات کی تعمیل حکم واجب و لازم قرار دے دی
تھی حتیٰ کہ جمادات پر بھی یعنی تمام ساری راضی مخلوقات تابع فرمان بنا دئے۔ جیسے شمس القمر
اور اشجار کی حضور کی سنگریزوں کی بسیج وغیرہ ہزاروں واقعات جن کا شمار ناممکن ہے
مزید تفصیلات کے لئے حقائق الوسائط جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔

غالیوں کی گمراہی کا سبب اقتدار خلفاء اللہ ہے

حضرات معصومین علیہم السلام نے امور تکوین میں اپنے اقتدار کو موقع بہ موقع اس لئے ظاہر کیا تھا کہ
اس کے ذریعہ اپنی نیابت و سفارت من اللہ کو ثابت فرمائیں اور اپنے کمالات فوق البشر کے
ذریعہ نوع البشر کو اپنا عجز تسلیم کرنے پر مجبور کر دیں تاکہ وہ ان کے ہدایت و احکام قبول کرنے پر
آمادہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس کے سوا صداقت حجتہ اللہ کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لہذا مدعی صادق اور مدعی
کاذب میں تفریق کے لئے خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کو یہ اقتدار عطا فرمایا۔ ان کے
اس اقتدار سے خدا نے ایک معتقد کی قدرت کا ملکہ کا اظہار بھی ہو گیا۔ کہ جب خدا کے عہد
محبوب و منتخب میں اتنا بلند اقتدار ہے۔ تو اس کے معبود میں کتنا ہو گا۔ جس نے اقتدار عطا کر کے

علامہ محمد بشیر انصاری

حقائق الوسائط (میں صرف حضرت خلیفۃ المسیح)

اپنی نیابت میں بھیجا ہے۔ جن لوگوں نے اس راز کو نہ سمجھا۔ انہوں نے اپنے محدود و قصور تو حید کی بنا پر ان کے کلمات کو خدا ہی سے مختص سمجھ کر ان ذوات مقدسہ کو ابن اللہ بلکہ اللہ کا درجہ دے دیا جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد مذکور سے ثابت ہے کہ غالیوں اور مغضوبہ کی گراہی کا سبب حج اللہ کا امتداد ہے کیونکہ وہ اس کی حکمت و مصلحت کو نہیں سمجھ سکے۔

مقتصرین کی گراہی کا سبب احتیاج و افتقار خلفاء اللہ ہے

قالیوں کی نظر ادلیاء و خلفاء اللہ کے ان کلمات عجز و فقر پر گردش کرتی رہی جو ان حضرات نے اکابر عبدیت کے لئے درگاہ رب العالمین میں پیش کئے ہیں۔

اگر قالی مقام بلند عبدیت اور حقیقت عجز و فقر کو ترازوئے علم و معرفت میں وزن کرتے۔ تو گراہی کے عین گڑھے میں نہ گرتے اور درگاہ خداوندی میں عجز خاص کی عاجزی کو اپنے عجز و فقر پر قیاس کر کے تشبہ تقصیر نہ ہوتے۔

ہم ان کی ہدایت و تہذیب کے لئے مندرجہ ذیل سطور پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔

دلائل عقلیہ و براہین سمعیہ سے ثابت ہے کہ خدا کے سوا کوئی قدیم و واجب الوجود بالذات نہیں ہے۔ تمام کائنات و مکونات ذات واجب الوجود ہی کی قدرت کاملہ کے آثار ہیں۔ اور اسی کی حکمت بالغہ سے قائم ہیں۔ ہر ممکن الوجود اور ہر مخلوق موجود اپنے مصدر و ظہور میں واجب الوجود کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح اپنی بقا و حیات میں بھی اسی کا مستقر ہے۔

کسی مخلوق کا کسی لمحہ میں ذات واجب الوجود سے مستغنی ہونا محال ہے۔ کیونکہ مصدر و ظہور کی طرح اپنی حیات و بقا میں بھی اسی کا محتاج ہے۔ وہی اس کی علت و توجہ ہے۔ اور وہی علت و مقبضہ بھی۔

کیونکہ واجب الوجود سے مستغنی ہونا انقلاب مابیت ممکنہ الی المابیتہ الراجیہ کا موجب ہے جو عقلاً محال ہے۔ یعنی اگر ممکن الوجود اپنی علت و مقبضہ سے مستغنی ہو جائے تو اس کا وجود بالذات ثابت ہو جائے گا جس کے بعد وہ اپنی مابیت ممکنہ سے خارج ہو کر مابیت واجبہ میں منقلب ہو جائے گا حالانکہ کوئی موجود بالغیر کسی لمحہ میں موجود بالذات نہیں ہو سکتا کیونکہ وجود کی حقیقی تقسیم وجود بالذات اور وجود بالغیر ہی ہے۔ لہذا ممکن الوجود کبھی واجب الوجود بالذات نہیں ہو سکتا۔

اس احتیاج ذاتی اور افتقار فطری کو ہر لمحہ پیش نظر رکھ کر اپنی عاجزی کا درگاہِ معبودِ حقیقی میں اظہار کرنا حقیقی معرفت ہے۔ اسی لئے حضراتِ انبیاء و ائمہ طہرین علیہم السلام بارگاہِ احدیت میں ہمیشہ اپنے فقر و عجز کا اظہار کرتے تھے۔ جس کو اپنی عبدیت کا اعتراف و اقرار سمجھتے تھے۔ وہ کسی لحظہ بھی اپنے نفوس کو ذاتِ قدیم سے مستغنی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس کی جناب میں طالبِ مدد و پناہ ہوتے تھے۔ اور اسی لئے اپنی عاجزی ظاہر کرتے تھے کہ ہم کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں۔ ہم حیات و موت کے مختار نہیں۔ ہم ہر وقت اسی کے قبضہ اختیار میں ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے مستغنی نہیں۔

اظہار فقر و احتیاج منافی اقتدار نہیں

بارگاہِ احدیت میں اس رابطہ فقر و احتیاج کا اظہار ان ذواتِ مقدسہ کے اقتدارِ مافوق البشر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا محل حسب اقتضائے حکمت خداوندی کچھ اور ہے۔ اور مقامِ عبودیت کچھ اور مگر ان ذواتِ مقدسہ کی انتہائے عبودیت یہ ہے کہ اپنی احتیاج ذاتی کے پیش نظر اپنے اقتدار و کمالات مافوق البشر کے اظہار کو بھی اپنے حقیقی مولائے حضور میں اپنی جبارت سمجھتے ہوئے استغفار کرتے تھے۔ کیونکہ اظہارِ اقتدار سے ایک قسم کی انانیت کی بو آتی ہے۔

جس طرح کوئی وزیر اپنے بادشاہ کے سامنے رعایا پر حکومت کرتے ہوئے حجاب و شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ بادشاہ کی طرف سے مافوق ہوتا ہے، چہ جائیکہ مالکِ حقیقی کے سامنے حکومت کرنا اور اپنے اقتدار کا اظہار کرنا خواہ مافوق ہی ہو۔ پھر بھی تقاضائے عبودیت اپنے معبودِ حقیقی کے حضور میں یہی ہے کہ اس کو جبارت سمجھ کر عذرخواہی کرے۔ جس طرح اس کی حمد و ثناء کے موقع پر اس کی لامحدود عظمت و جلالت کے مقابلہ میں اپنی حمد و ثناء کا قصور و اعتراف نشانِ عبدیت ہے۔

قالیوں کی نا فہمی کا سبب

قالیوں نے اگر اس دقیق رازِ عبدیت اور نازک رموزِ عبودیت کو نہیں سمجھا تو تقاضائے تدین کو ملحوظ رکھ کر جو سوسن کی نشانی ہے۔ اپنا عجز و قصور تسلیم کر لیتے اور ذواتِ مقدسہ کی شان میں گستاخی نہ کرتے انہوں نے جبارت یہ کہ ان کے عجز و قصور کو دیکھ کر اپنے عجز و قصور پر قیاس کر کے معجزات و کمالات کا انکار کر دیا۔ اور ذواتِ مقدسہ کو اپنے مثلِ بندہ عاجز و بے بس سمجھ لیا۔ لوگ دُعاؤں کی حکمت و

مصلحت کرنے کے برعکس میں نے دیکھا وہ معبود حقیقی میں اپنی عبدیت حقیقی کے اعتراف اظہار میں پیش کی ہیں۔ جن میں انہی احتیاج ذاتی اور فخر فطری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر آن و ہر زمان اپنی عاجزی کا اظہار کیا ہے۔ قابل ان ادعیا کی غرض دعا و غایت کو نہ سمجھیں جن میں عظمت و زلفیت خداوندی کو لامحدود سمجھ کر ان حضرات نے اپنی حمد و ثنائے محمود کو اپنا قصور و گناہ گردانا ہے بلکہ اس کے ذکر کو بھی اس کی شان کے مستافی سمجھا ہے۔ چنانچہ حضرات امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے قصور اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے معبود کو اپنے ذکر سے اجل وارفع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اللہ لولا الواجب من قبول امرک لنزھتک من ذکرى ایاک علی
ان ذکرى بقدرى لا بقدرک (مناجات الذاکرين)

اے میرے معبود اگر تیرے امر کا قبول کرنا واجب نہ ہوتا تو میں تیرے ذکر کی جبارت ہی نہ کرتا اور تجھے اپنے ذکر سے بلند سمجھتا مگر تیرے امر کی وجہ سے تیرا ذکر کرتا ہوں لیکن میرا ذکر میری مقدار کے برابر ہے تیری قد شان کے مطابق نہیں ہے۔

اسی طرح خداوند عالم کے حضور میں سوال کرنا اس کی مٹائے مطلق کے مستافی سمجھا گیا۔ اور سوال کو قوی سبقت قرار دیا گیا۔ مگر چونکہ اس کا امر ہے۔ اس لئے سوال کو اس کی تعمیل حکم سمجھا گیا۔ ومنہ در حقیقت اپنے تمام امور کو اور جو کچھ اس نے عطا کیا ہے۔ اس کو اور جس قدر اقتدار رحمت فرمایا ہے۔ اس کو اور اپنی ذات کو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کو اپنے قصور و نیال کو بلکہ اپنی تمام لغتوں اور تعلقات کو اپنے معبود حقیقی و مولائے تحقیقی کے خالہ کر کے اس کی مشیت اور اس کے امر کا پابند ہو جانا۔ مقام عبدیت ہے۔ جس کے نتیجہ میں خدا کی جانب سے تصدیق وارد ہوئی ہے۔

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

اور تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

الفقر فخری مقام عبدیت ہے

یہی وہ منزل ہے۔ جہاں معصومین علیہم السلام نے اپنی ذات سے نفع و ضرر کی نفی کی ہے۔ اور اسی طرح اپنے اقتدار و اختیار کی نفی کی ہے۔ اور اسی طرح خلق و رزق اور احیاء و امات کی نفی کی ہے اور اظہار کیا ہے کہ ہم کسی چیز کے مالک نہیں۔ ہم سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ سب کچھ امر و مشیت خدا کے تحت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان نعمات متقدسہ کا ارادہ خدا کے ارادہ میں اکی مشیت

اُس کی مشیت میں ان کا علم اس کے علم میں ان کا اقتدار۔ ان کے اقتدار میں وصل ہو کر مغل و مضمل ہو چکا ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ خدائی صفات و افعال ہیں۔ اُردیہ حضرات اس کے مظاہر ہیں۔ قدرتِ خدا کا ظہور ان کے ذریعہ علمِ خدا کا ظہور ان کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔ یہی اس کے مثلِ اعلیٰ و آیتِ کبریٰ و حجتِ عظمیٰ و اسما و حسنی ہیں۔ لہذا ان حضرات کا اظہار فقر و احتیاج جس کو یہ حضرات فخر سمجھتے ہیں۔ ان کے اقتدارِ اعلیٰ کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اقتدارِ اعلیٰ معبودِ حقیقی کی طرف سے اپنے عبدِ حقیقی کے لئے عطیہ ہے۔ ان حضرات کا کُن کہنا اور نیکوں کو بوجہ اُن عبدِ حقیقی کی نشانی ہے نہ کہ معبودِ حقیقی کی کیونکہ وہ حدود سے بالاتر ہے۔

مخصوصین سے اقتدار بھی سلب نہیں ہوتا

سرودت ہم صرت ایک حدیثِ اصول کافی سے پیش کرتے ہیں۔ باب مولد ابی جعفر بن علی علیہ السلام ص ۲۹۹۔

عن ابی بصیر قال دخلت علی ابی جعفر علیہ السلام فقلت له انتم وراثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال نعم قلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وارث الانبیاء کلما علموا قال لی نعم قلت فانتم تقدرون علی ان تمحو الموتی وتبرؤ الائمہ والابرص قال نعم باذن اللہ الی آخر الحدیث۔

جناب ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے حضرت سے دریافت کیا۔ آپ حضرات جناب رسالت مآب کے وارث ہیں؟ حضرت نے فرمایا بے شک۔ میں نے عرض کی۔ کیا رسول اللہ تمام انبیاء کے وارث ہیں۔ وہ سب علوم ان کو حاصل ہیں جو انبیاء کو حاصل تھے۔ حضرت نے فرمایا بے شک میں نے عرض کی تو آپ حضرات مَرَدے زندہ کرنے اور مادرِ زانو اندھے کو چشمِ بینا عطا کرنے اور مبروص کو شفا بخشنے پر اقتدار رکھتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا بے شک باذن اللہ۔

پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں نزدیک ہو گیا۔ حضرت نے اپنا

دست مبارک میرے چہرہ پر پھیرا میں فوراً آفتاب و آسمان وزمین کو اور لوگوں کے مکانات کو اور شہر کے تمام اشیاء اور مال و متاع کو دیکھنے لگا (حالانکہ نابینا تھا) اس کے بعد مجھ سے فرمایا۔ کیا اسی حالت میں رہنا پسند کرتے ہو لیکن اور لوگوں کی طرح قیامت میں تمہیں بھی فائدہ و نقصان پہنچے گا۔ یا یہ پسند کرتے ہو کہ پہلی حالت پر واپس آجاؤ۔ اور تمہیں خالص جنت نصیب ہو۔ میں نے عرض کی مجھے اپنی سابقہ حالت پر واپس جو جانا پسند ہے۔ حضرت نے اپنا دست مبارک میری آنکھ پر پھیر دیا میں فوراً اپنی سابقہ حالت میں ہو گیا۔ میں نے یہ واقعہ جناب ابن البرہم سے بیان کیا تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ یہ بالکل سچی ہے جس طرح آفتاب کی روشنی۔

جناب علامہ مجلسی نے بالکل ایسا ہی معجزہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا بھی تحریر فرمایا ہے۔ جو ان ہی البصیر رضی اللہ عنہ پر ظاہر کیا تھا (مرآة العقول ج ۱ ص ۳۹)

حدیث مذکور میں واضح طور پر لفظ (تقدرون) وارد ہے۔ جس کے معنی ہیں ”تم قدرت رکھتے ہو“ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے فطری اقتدار پر مہر تصدیق بھی ثبت فرمائی۔ اور البصیر پر اپنے اقتدار کا علماً اظہار بھی فرمادیا۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرات معصومین علیہم السلام میں قدرتِ اعجازِ فطری و خلقی ہے جو ان کی ذاتِ مقدسہ سے کسی وقف بھی جدا نہیں ہوتی کیونکہ لفظ قدرت کا استعمال اُسی وقت ہوتا ہے۔ جب کسی امر کے فعل و ترکہ دو گوں پر اختیار حاصل ہو۔

لہذا ان حضرات کا کسی مصلحت کے پیش نظر قدرت کا نظاہرہ نہ تھا سبب قدرت کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ اظہارِ اقتدار اور اسی طرح اخفائے اقتدار باذن اللہ ہوتا ہے۔ حضرت نے لفظ باذن اللہ فرما کر اپنی حقیقی عبدیت کا اظہار بھی فرمادیا جو ہر لمحہ پیش نظر رہتی ہے

قانونِ لطف کا ادراک باعثِ ہدایت ہے

حسب قاعدۃ لطف: اقتدار و احتیاج دونوں کا اظہار ضروری ہے۔ کیونکہ سنی لطف یہ ہیں۔

”ما یقرب العبد الی الطاعة ویبعد عن المعصیة“

یعنی جو امر بندہ کو طاعتِ خدا سے قریب اور معصیتِ خدا سے دور کر دے اس کو لطف کہتے ہیں۔

مع: متکلمین نے لطف کو خداوندِ عالم کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

لہذا اظہارِ اقتدارِ حبیبہ لہ بندوں کے لئے باعثِ تسلیم ہو کر سببِ ہدایت و اطاعت ہو گا۔

اور اہلبار عجز خلیفۃ اللہؑ بندوں کو گراہی و مصیبت سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔
یعنی اقتدار و اختیار کو دیکھنے والے جب عجز کو بھی دیکھیں گے اور دونوں کی حکمت کو سمجھ لیں گے۔
تو مومن کا درجہ حاصل کر لیں گے۔ مگر جو لوگ صرف عجز و احتیاج کے پھیر میں رہیں گے۔ وہ غالی ہو
کر دوزخ کا ایندھن قرار پائیں گے۔ اور جو صرف اقتدار پر نظر رکھیں گے وہ غالی ہو کر ملعون و مردود
بن جائیں گے۔

jabir.abbas@yahoo.com